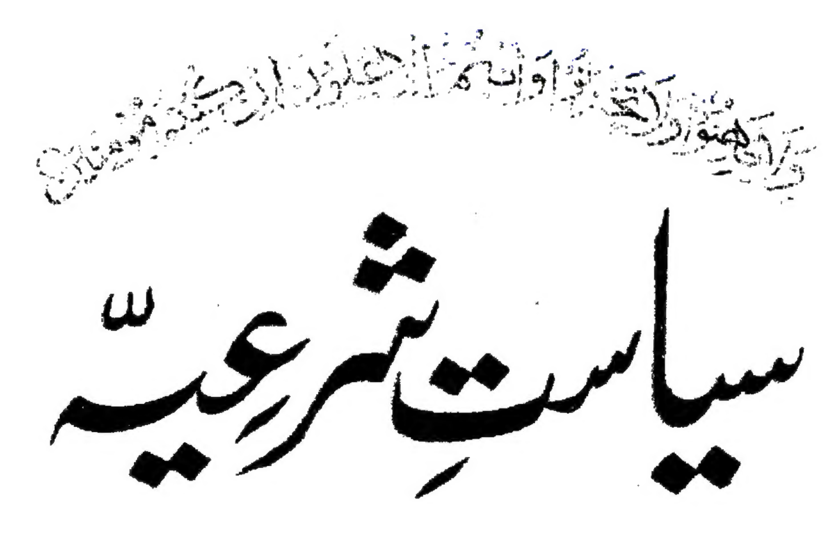

اردو
سیاستِ شرعیہ
شیخ الاسلام
امام ابن تیمیہ
www.KitaboSunnat.com
کلام کمپنی
ناشران و تاجرانِ کتب
مقابل مولوی مسافر خانہ
کراچی



تصنیف لطیف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی معتمد خاص مولانا ابوالکلام آزادؒ

اسلامی شریعت میں سیاست کی حیثیت کو سمجھنے کے لیے وہ نادر و قدیم کتاب جس میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلفاء، سلاطین، حکام اور رعایا کی اصلاح اور ان کے مابین نظام حکومت اور خوشگوار تعلقات کے اصول و طریق کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیا

ناشر

کلام کمپنی

خانہ کراچی

باہتمام ———— خواجہ عبدالوحید
الناشر ———— کلام کمپنی، تیرتھ داس روڈ، کراچی
طابع ———— مطبع سعیدی قرآن محل کراچی
قیمت مجلد ———— 20/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلامِ اوّل

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام اور سیاست کے موضوع پر ساتویں صدی ہجری کے نامور سیاست دان شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب "السیاسۃ الشرعیہ" کا اردو ترجمہ شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

یہ کتاب شیخ الاسلام نے اس دور میں لکھی تھی جبکہ پورا عالم اسلام اپنا سیاسی استحکام کھو بیٹھا تھا اور مسلمانوں کا سیاسی وجود خطرے سے ہم کنار ہو رہا تھا۔ متضاد نظریات پھیل رہے تھے اور اسلامی حکومتیں روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھیں۔

درحقیقت ساتویں صدی کا دور ابتلا و آزمائش کا دور تھا اور اس عظیم ابتری کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اخلاق و اعمال میں کتاب و سنت کے اصولوں سے دامن بچانے کا عام مرض پیدا ہو چکا تھا۔ ملکی انتشار نے عذاب الٰہی کی شکل اختیار کر لی تھی۔

امام ابن تیمیہؒ کے لئے یہ صورت حال بڑی تکلیف دہ تھی۔ برداشت نہیں کر سکے قلم سنبھالا، تلوار اٹھائی، وعظ و تقاریر کا سلسلہ چھیڑا اور جب مخالفت شروع ہوئی تو بے خطر مخالفت کے عظیم سمندر میں کود پڑے اور چراغ حرم کے پروانوں کو میر کارواں کی طرح پکارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ مذہبی ابتری اور سیاسی انتشار میں اتحاد و جمعیت کی صورتیں نظر آنے لگیں۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کے سیاسی نظریات میں جو تزلزل پایا جاتا ہے وہ ساتویں صدی سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ صرف پاکستان ہی میں نہیں تمام دنیا میں مسلمان سیاسی توازن قائم رکھنے میں بڑی حد تک ناکام ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان اصولوں سے دوری اور بے تعلقی ہے جن کو اسلام میں سیاست شرعیہ کہا گیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے سیاست شرعیہ میں اسلامی سیاست کو کتاب و سنت کی روشنی میں قلم بند کیا ہے اور یہ بات پورے طور پر واضح کر دی ہے کہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے خواہ وہ انتظامیہ سے تعلق رکھتے ہوں یا اخلاق و معاملات سے اسلام نے جو نظام عمل پیش کیا ہے وہ نہ صرف آخری و لازمی ہے بلکہ اس پر کاربند ہوئے بغیر نہ معاشرے میں

خوبصورتی پیدا ہوسکتی ہے اور نہ حکومتوں کے ایوانوں میں استحکام آ

سیاست شرعیہ کا اردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ایما سے ان کے معتمد خاص جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گودھروی نے کیا ہے اور بڑی خوبی یہ ہے کہ سلیس ہونے کے ساتھ حضرت امام صاحبؒ کے جذبات نمایاں نظر آتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں اسلام کی سیاسی تاریخ پر مترجم موصوف کا جامع مقدمہ ہے اور مولانا قاری احمد صاحب نے حضرت امام صاحبؒ کے سوانح حیات اور آپ کی سیاسی جدوجہد کو مرتب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میری اس ناچیز کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

طالب دعاء خواجہ عبدالوحید عفی عنہ

فہرست مضامین سیاست شرعیہ اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

حالات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاری احمد، مدیر ماہنامہ پیغام حق کراچی

حضرت شیخ الاسلام علامہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور اسلام میں آپ کی تجدیدی کوششوں کے تذکرہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے دور اور ان سے پہلے کے کچھ سیاسی و مذہبی حالات پر روشنی ڈالی جائے تا کہ علامہ کے کارناموں کی اہمیت پورے طور پر سامنے آسکے۔

حضرت علامہ ابن تیمیہ ؒ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں وہ ساتویں صدی ہجری کا زمانہ ہے حضرات صحابہ کرامؓ حضرات تابعینؒ و تبع تابعینؒ کو صدیاں گذر چکی تھیں دنیا کو خیرباد کہے ہوئے۔ اگر محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کی پاکیزہ زندگی کے انمٹ نمونوں کو کتابی شکل نہ دی ہوتی تو شاید اسلام اور اس کی پسندیدہ خصوصیات کو گرد و غبار کے ڈھیر کے تلے سے نکلنے میں معلوم نہیں کتنی پریشانیاں اٹھانا پڑتیں۔

محدثین عظام ؒ کو جن عظیم فتنوں سے مقابلہ کرنا پڑا ان میں یونانی فلسفے کے گرویدہ عجم کے نومسلم اور ان سے بھی بڑا فتنہ تشیع اور رفض کا فتنہ تھا جس نے اسلام کی صورت مسخ کرنے کے لئے بیشمار جھوٹی حدیثیں بنا ڈالی تھیں اور عجمی نومسلموں نے اپنے باپ دادا کی رسموں پر اسلام کا لیبل لگانا شروع کر دیا تھا حکام و سلطان اپنے محلوں میں عیش و عشرت کا دربار جمائے بیٹھے تھے۔ عقلی و نقلی بحثوں کا عام سلسلہ چھڑ چکا تھا اور ان کو جاری رکھنے کے لئے باقاعدہ مجلسیں منعقد ہونے لگی تھیں۔

محدثین کرام ؒ نے ان تمام گروہوں کا جم کر مقابلہ کیا جھوٹی حدیثوں کی قلعی کھولی تنقید و تحقیق کے دروازے کھولے، فنون حدیث اور اسماء الرجال جیسے اہم فنوں کو وجود بخشا اور اپنی اس کوشش میں بہت سے مصائب برداشت کئے بلکہ جانیں تک قربان کر گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت امام مالکؒ کو مونڈھے اکھڑوانا پڑے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو قید و بند کی ناقابل برداشت تکالیف کے بعد جان دینا پڑی حضرت سفیان ثوری ؒ کو جنگلوں میں روپوش رہنا پڑا، حضرت امام بخاری ؒ کو شہر چھوڑنا پڑا، حضرت امام احمد ؒ کو مکر پہ

دُرّوں کی اذیت برداشت کرنا پڑی اور حضرت امام نسائی رح کو جامع دمشق میں جام شہادت پینا پڑا، تو کسی طرح بھی غلط نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ سب کچھ اسلام کو اغیار کے ہاتھوں مسخ ہونے سے بچانے کے لیے کیا گیا اور اس جھوٹے لیبل کو اتار کر پھینکنے کے لیے کیا گیا جو اسلام کا جھوٹا نعرہ بلند کرنے والوں نے چسپاں کر رکھا تھا غرض یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک محدثین فقہاء کی ذاتیں تھیں جو تمام فتنوں کا جم کر اور سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ آنے والی نسلوں کے لئے خالص کو پیش کرنے کے لیے تصانیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

حضرت امام غزالی کا دور آیا تو اشاعرہ و معتزلہ نے پورے ملک پر اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ اللہ تعالی کے متعلق بے شمار عقائد کتاب و سنت کے خلاف مسلمانوں کے ذہنوں میں جگہ پا چکے تھے۔ محدثین اور فقہائے اسلام نے اس صورت حال کو جانچا اور کتاب و سنت کی روشنی میں بگڑے ہوئے عقائد کی اصلاح میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ علامہ ابن جوزی نے تو خود کو رد بدعت کے لئے وقف کر دیا اور اتنی بڑی کامیابی حاصل کی کہ ایک ایک وقت میں دس دس ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ توبہ کی۔ اس کے ساتھ ہر موضوع پر کتابیں لکھیں۔ پھر اسی زمانہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے مسند درس و وعظ سنبھالی اور تصوف کے راستے جو ہزارہا بدعات پیدا ہو رہی تھیں ان کے خاتمہ کے لئے پوری زندگی وقف کر دی۔

اس کے ساتھ ہی سیاسی صورت حال یہ تھی کہ اسلامی قلمرو میں ہر جگہ مسلمانوں کے عروج کا آفتاب زوال پذیر ہو رہا تھا۔ دشمن مسلط ہونے جا رہے تھے۔ اخلاق و اعمال بگڑتے جا رہے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ان کی تلواریں اپنوں ہی کے سروں پر چمک رہی تھیں۔ حکام عیاشی کے گرویدہ ہو چکے تھے اور اسلامی سیاست پس پشت ڈالی جا چکی تھی۔

اجتہاد اور علمی تحقیق و تفتیش کے مقابلہ میں قصہ گوئی، مصوری اور صاحبان اقتدار کو خوش کرنے کے لئے دوسرے بہت سے طریقے دن بدن ترقی کرتے جا رہے تھے۔ کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کی طرف سے یکسر غفلت برتی جا رہی تھی، قدیم و جدید فرقے سر اٹھا رہے تھے، اور موقعہ کو غنیمت جان کر فائدہ اٹھانے میں مصروف تھے اور نہیں کہیں تو دین فروشی نے بھی اپنا بازار گرم کر رکھا تھا۔

آخر غضب الٰہی تاتاریوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی یہاں

تک کہ کتابوں کے انبار خاک کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے اور بقول علامہ سیوطی ۶ ماہ تک دریائے دجلہ کا پانی کتابوں کی راکھ تلے چھپا رہا۔

ان حالات میں جبکہ اسلامی ریاست اور مذہبی اخلاق و اعمال اور اسلاف کی پاکیزہ اسلامی زندگیوں کے تابناک نمونے نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابن تیمیہ کو وجود بخشا۔ آپ دس ربیع الاول دوشنبہ کے دن ۶۶۱ھ میں بمقام حران پیدا ہوئے خاندان میں سات پشتوں سے تعلیم و تعلم کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ آپ کے والد مولانا عبدالحلیم بہت بڑے عالم اور فن حدیث میں یکتائے زمانہ سمجھے جاتے تھے۔

امام ابن تیمیہ کی عمر ۵ سال کی ہوئی تھی کہ تاتاریوں کی یلغار سے بچنے کے لئے آپ کے والد نے حران کو خیرباد کہہ کر دمشق کو اپنا وطن بنا لیا۔ ہر چیز چھوڑ دی مگر کتابوں کا ذخیرہ ایک گاڑی پر ساتھ لے لیا۔ امام صاحب نے دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ صدہا علماء اور محدثین کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ آپ کے اساتذہ میں ابن عبدالدائمؒ، امام ابن النجارؒ، امام ابن البرؒ اور امام کمال الدین جیسے مقبول عام ائمہ علم و فن کے نام بہت مشہور ہیں۔

امام صاحب نے ۱۷ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو کر تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد جبکہ ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی دمشق کے علماء میں ان کو خصوصی جگہ حاصل ہو چکی تھی اور آپ دمشق کے دارالحدیث میں درس دیا کرتے تھے جس میں دمشق اور اطراف کے بڑے بڑے علماء اپنی شرکت کو باعث استفادہ و سعادت سمجھا کرتے تھے۔ امام صاحب کے زور بیان اور وسعت علم و نظر کا یہ عالم تھا کہ صرف سورۂ نوح کی تفسیر کئی سال تک بیان فرماتے رہے۔ اسی زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے خدمت علم دین کو ترجیح دی اور عہدہ قضا کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۶۹۱ھ میں امام صاحب حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو شہرت و عظمت کے ساتھ مخالفت کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا جس کی بڑی وجہ بدعات کا رد تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ حج بیت اللہ کے بعد ان کی تمام زندگی ابتلاء و آزمائش میں گذری مگر استقامت و استواری کی اس ٹھوس چٹان میں کہیں بھی کوئی ایک شکن پیدا نہ ہو سکی اور کتاب و سنت کا شیدائی مسلمانوں کے لئے ایک ایسا نمونہ چھوڑ گیا جو رہتی دنیا تک ہر تاریکی میں روشنی کا مینار ثابت ہوتا رہے گا۔

بھی نوازا تھا۔ تاتاریوں نے کئی مرتبہ شام کا کام تمام کرنا چاہا مگر امام صاحبؒ ہر دفعہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اٹھے اور دنیا نے دیکھا کہ جہاد باللسان والقلم کا مسند نشین جہاد بالسیف کا علمبردار بن کر مسلمانوں کے جان و مال کو اغیار کے ہاتھوں بچانے میں مصروف ہے۔ ایک مرتبہ ۶۹۹ھ میں ہلاکو خاں کے پوتے غازان سے ملاقات کی۔ وہ شام پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھا لیکن امام صاحبؒ کی سفارت نے اس کے حوصلے پست کر دیئے دوسری مرتبہ ۷۰۰ھ میں تاتاریوں نے پھر مصر و شام کو نشانۂ ستم بنانا چاہا۔ امام صاحبؒ اس موقعہ پر بھی خاموش نہیں رہے اور گھر گھر پہنچ کر مسلمانوں میں ایسا جذبۂ جہاد بیدار کیا کہ تاتاری مسلمانوں کا جوش جہاد دیکھ کر ٹھنڈے پڑ گئے۔

۷۰۲ھ میں ایک تاتاری سردار قتلوشاہ نوے ہزار فوج لے کر ٹوٹ پڑا۔ امام صاحبؒ نے مصر پہنچ کر سلطان ناصر کو آمادہ جہاد کیا اور فرمایا ” وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ “ اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم لے لے گی اور وہ تمہاری طرح بزدلی نہیں دکھائے گی۔ سلطان ناصر پر امام صاحبؒ کی دعوت جہاد نے ایسا اثر کیا کہ وہ اسی وقت تاتاریوں کے مقابلہ پر آ گیا۔ جنگ چھڑی تو امام صاحبؒ نے میدان جنگ میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح ایسے حملے کئے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور مسلمانوں نے بڑی جلدی تاتاریوں کا منہ میدان جنگ سے پھیر دیا۔

۷۰۵ھ میں امام صاحبؒ کے مخالفوں نے کچھ ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ امام صاحبؒ شاہی عدالت میں طلب کئے گئے۔ بے سروپا الزامات کی فہرست سامنے آئی تو آپ کے بھائی شیخ شرف الدین نے مخالفین کو بددعا دینا شروع کر دی۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کہو بلکہ ایسا کہو کہ اللھم ھب لھم نورا یھتدون بہ الی الحق۔ اے اللہ ان کو ایسی روشنی عطا کر جس سے ان کو حق کا راستہ مل سکے۔ مگر مخالفین کے اثرات ایسے غالب آئے کہ امام صاحبؒ کو قید خانہ کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ۷۰۷ھ میں امیر حسام الدین بن عیسیٰ کی کوششوں سے رہائی ملی مگر اس کے بعد آپ کے خلاف شورشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ کے فتوی "حلف طلاق" اور "زیارت قبور" کے بعد ایک جماعت نے آپ پر کفر کا فتوی لگا دیا۔ اور سلطان کو مجبور کیا کہ وہ آپ کو قتل کر دے مگر سلطان قتل کرنے پر راضی نہ ہوا۔ البتہ عمر قید کی سزا دے کر دمشق کے قید خانہ میں بند کر دیا۔

امام صاحبؒ کو اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر برسوں قید وبند کی کلفتیں برداشت کرنا پڑیں لیکن آپ اس حالت میں بھی تصنیف وتالیف کی طرف سے ایک آن کے لئے غافل نہیں رہے، یہ سلسلہ مسجد میں، مدرسہ میں، مکان میں اور قید خانہ میں ہر جگہ جاری رہا۔ اگر کبھی کاغذ قلم نہیں مل سکا تو کوئلہ سے دیواروں ہی پر لکھنا شروع کر دیتے تھے۔

آپ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ مخالفین کیا کر سکتے ہیں۔ میرے علم کی جنت میرے سینے میں محفوظ ہے جہاں بھی رہوں گا یہ میرے ساتھ رہے گی۔ آپ فرماتے تھے کہ قید میری خلوت ہے قتل میری شہادت ہے اور جلا وطنی میری سیاحت ہے۔ قید خانہ کا سلسلہ دم آخر تک جاری رہا، یہاں تک کہ قوی جواب دینے لگے اور ایک مرتبہ ایسے صاحب فراش ہوئے کہ بیس دن کے بعد بیس ذی قعدہ ۷۲۸ھ دوشنبہ کے دن صبح صادق کے وقت اپنے رب سے جا ملے،

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

انتقال کی خبر مشہور ہوئی تو دوستوں کے علاوہ مخالفین کے دل بھی دہل گئے پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔ مؤذنوں نے مساجد کے میناروں سے اعلان کیا اور پولیس کے منادی راستوں میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے الصلوٰۃ علی مفسر القرآن آؤ مفسر قرآن کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے۔

محدثین وائمہ نے غسل دیا پہلی نماز قلعہ میں شیخ محمد تمام نے پڑھائی اور دوسری نماز جامع دمشق میں امام صاحبؒ کے بھائی علامہ زین الدین نے پڑھائی۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ لوگ اپنے عمامے چادریں اور رومال پھینک رہے تھے تاکہ امام کی میت سے چھو جائیں۔ آخر لاکھوں مسلمانوں کے ہجوم میں جنازہ مقبرہ صوفیہ میں لایا گیا، اور ان کے بھائی علامہ شرف الدین متوفی ۷۲۷ھ کے برابر سپرد خاک کر دیا گیا اور مسلمان عرصہ دراز تک ان کی قبر پر آ آ کر غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے رہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ دین اسلام کے نامور مجدد اور کتاب وسنت کے بہت بڑے مبلغ تھے انہوں نے اپنی پوری زندگی بقائے دین کے لئے وقف کر دی تھی بڑے سے بڑے عہدہ کو ٹھکرا دیا مصائب وآلام برداشت کئے مگر دین کے ایسے چراغ جلا گئے جو قیامت تک روشن رہیں گے۔ اور جن کی روشنی سے استفادہ کئے بغیر کوئی شخص قوم کی مذہبی وسیاسی رہنمائی کے راستے نہیں پا سکے گا۔ اتباع سنت کا جو صور امام صاحبؒ نے پھونکا

تھا وہ آج بھی چمکا ہوا ہے اور قیامت تک چمکتا رہے گا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ خالص سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ سلف کے حامی تھے، اور اس کی تائید میں جو دلائل انہوں نے پیش کئے تھے اس سے پہلے کسی کی نظر ان تک نہ گئی تھی، چنانچہ علماء کا اس بات پر اتفاق تھا کہ جس حدیث کو امام ابن تیمیہؒ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں۔!

علامہ شمس الدین حنفی حریریؒ فرماتے تھے کہ تین سو سال میں امام صاحبؒ جیسا کوئی عالم پیدا نہ ہوا۔ دور حاضر کے نامور ناقد اور صاحب تصنیف علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ریفارمر (مصلح) مجدد کا صحیح مصداق ہو سکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہؒ ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں کہ اصلاح کی تمام پچھلی قوتیں ختم ہو چکی تھیں اور فساد کے تمام تخم آئندہ کے لئے پھل پھول رہے تھے، ایسے نازک دور میں جس نے زبان، قلم اور تلوار سے دشمنان دین پر قیامت توڑی وہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی۔!

علامہ ذہبیؒ نے امام صاحبؒ کی تصانیف کو تین سو سے زائد بیان کیا ہے لیکن امام صاحبؒ کے شاگرد خصوصی علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۰۰ کے قریب بیان کی ہیں۔ اب تک چالیس سے زائد کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ جن میں فتوی ابن تیمیہؒ اور منہاج السنہ پانچ اور چار ضخیم جلدوں میں ہے۔

سیاست شرعیہ امام صاحبؒ کی وہ مخصوص کتاب ہے جس میں سیاست اور جہانبانی کے اصول کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں اور اجتماعی مدنیت کے اصولوں کو اس خوبی سے حوالہ قلم کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کی نظر میں اسلام میں راعی اور رعایا کے حسین اختلاط کے تصور سے چمکنے لگتی ہیں۔

علمائے پاک و ہند بلکہ عالم اسلام میں مولانا ابو الکلام آزاد پہلے شخص ہیں جن کی نظر سیاست شرعیہ پر پڑی اور انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کیلئے اسے نہ صرف پسند کیا بلکہ اپنے معتمد خصوصی ابو العلاء مولانا محمد اسمٰعیل گودھروی کو اس کے اردو ترجمہ کی جانب توجہ دلائی۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ ترجمہ میں امام صاحبؒ کے مخصوص انداز بیان کو کہیں

فرق نہیں آیا ہے۔ ایک ایک فقرہ موثر، دل نشین اور مستقل دعوت معلوم ہوتا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ سیاست شرعیہ کے مطالعہ سے مسلمانوں کے سیاسی نظریات میں غیر معمولی استحکام پیدا ہوگا اور ملی و سیاسی زندگی کی صد ہا خلا آسانی سے پر ہوسکیں گے۔ اللہ تعالےٰ سیاست شرعیہ کے ناشر خواجہ عبدالوحید مالک کلام کمپنی کو جزائے خیر دے اور مسلمانوں کو استفادہ کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین وَالحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین ؀

مقدمہ

از مولانا ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اجْتَبٰى۔ وَاصْطَفٰى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ لِيَكُوْنَ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ وَلِيُظْهِرَ دِيْنَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ؛

امّا بعد! آج ہم نوع انسانی کی پوری تاریخ پر نظر ڈالیں۔ تو نوع انسانی کو مطمئن ومسرور بنانے کے لئے جس قدر ذرائع ووسائل، جتنی عمومیت اور ہمہ گیری کے ساتھ آج ہیں۔ پچھلے کسی دور میں نظر نہ آئیں گے۔ سائنس نے ہر قسم کے سامان عیش اور مفرطانہ عیش پسندی آرام وراحت کے اسباب جمع کر رکھے ہیں جو پچھلے دور میں نظر نہ آئیں گے۔ اور بین الاقوامی نشرگاہ سے ہر ملک اپنے اس یقین کا اظہار کر رہا ہے کہ "ہمارا ملک اب معاشی سطح پر پوری طرح مطمئن اور مسرور ہے" لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ نوع انسانی جتنی اور جس قدر عمومیت کے ساتھ بے چین، مضطرب، پریشان، اور دکھی آج ہے شائد کبھی نہیں تھی۔ لکھ پتی، کروڑپتی بھی مضطرب وبے چین ہے۔ غریب بے کس جن کے پاس کھانے کو روٹی نہیں، تن ڈھانکنے کو کپڑا نہیں وہ بھی مضطرب وبے چین ہے، ناخدایان حکومت، کرسی نشینان سلطنت فرمانروائی بھی مضطرب وبے چین ہیں۔ محکوم بے بس رعایا بھی مضطرب وبے چین ہے۔ جمہوریت کے علمبردار بھی مضطرب وبے چین ہیں۔ اور مارکیزم اور سٹالین کے پیرو بھی مضطرب بے چین ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ کی جمہوریتیں بھی مضطرب وبے چین ہیں۔ اور کمیونسٹ روس وچین بھی مضطرب وبے چین ہے۔ ہندوستان اور پاکستان بھی مضطرب وبے چین ہے۔ مصر وعرب وغیرہ بھی مضطرب وبے چین ہے۔ باوجود ذرائع ووسائل کی افزونی وفراوانی کے نوع بشری۔ اور نوع انسانی کا ہر شخص، ہر فرد مضطرب وبے چین اور پریشان حال، اور پریشان خاطر ہے۔ آخر وجہ کیا ہے؟ اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ اور اسکے اسباب

دریافت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ آخر قصہ کیا ہے اور کیوں ایسا ہو رہا ہے ؟ اور

ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

کا قصہ کیوں پیش آ رہا ہے !

فلسفی اٹھتے ہیں، ماہرین اقتصادیات اٹھتے ہیں۔ ناخدایان سلطنت اٹھتے ہیں۔ اپنی اپنی فکر اپنی اپنی طبیعت، اپنے اپنے ذہن و دماغ، اور اپنی اپنی عقل و سمجھ کے مطابق چند قواعد و ضوابط مرتب کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جو قواعد و ضوابط آج وہ مرتب کرتے ہیں کل وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے قواعد و ضوابط مرتب کرنے پڑتے ہیں، ان کا حشر بھی وہی ہوتا ہے جو پچھلے قواعد و ضوابط کا ہوا۔ آخر مجبور ہو کر یہ ناخدایان انسانیت کوشش کر رہے ہیں کہ اجتماعی مفاد کے نام پر افراد و اشخاص کو اپنی خواہشات قربان کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ مگر اس کا حشر بھی سامنے ہے بلند پروازی کی یہ عقلی خواہش فطری تقاضوں سے ٹکراتی ہے تو انسان بیچارہ کیا کر سکتا ہے ؟ فطرت کا دباؤ تو وہ چیز ہے کہ عام انسان تو کیا اس بلند پروازی کے جو داعی اور فلسفہ طراز ہوتے ہیں وہ بھی اس کے مقابلے میں عاجز نظر آتے ہیں، اور عجیب عجیب چور دروازوں سے اپنے مطالبات پورے کر لیتے ہیں، انسان کا مستقل طرز عمل دراصل وہی ہو سکتا ہے جو کسی فطری داعیہ سے ہم آہنگ ہو اور اجتماعی مفاد کیلئے قربانی اس کے لئے انسان کی فطرت میں کوئی داعیہ نہیں۔

غرضیکہ کسی طرح مخلوق کا اضطراب و بے چینی اور نوع انسانی کی پریشانی کم ہونے نہیں پاتی، آخر یہ قصہ کیا ہے ؟

ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسان۔ یا ناخدایان انسانیت کے سامنے ایک ایسا نظام عالم جو سراسر نوع انسانی کے لئے رحمت ہے، اس کی فلاح و بہبود کے لئے امن و سکون کا پورا متکفل ہے۔ اور اس کی تعمیر کے لئے پورا سامان، پورے اسباب موجود ہیں، مگر ان ناخدایانِ انسانیت نے اپنے علم و آگاہی کے زعم میں اس سامان۔ اور ان اسباب کو وہم ٹھہرا کر رد کر دیا ہے، اور اس طرح اس تیار کردہ کو وجود میں لانے کا راستہ ہی سرے سے بند کر دیا ہے، جو ایک صحت مند، پرسکون، پر اطمینان خوشحال زندگی کے لئے لازم ہے اسے ٹھکرا دیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ اجتماعی مفاد کے نام پر افراد انسانی کی فطری خواہشات کو قربان کر دیا جائے۔ مگر اس کا حشر بھی سامنے ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ نظام زندگی جو یہ ناخدایان انسانیت، تیار کرتے ہیں یا جو تیار کیا گیا ہے۔ یہ نظام انسان کو زندگی سے بیزار کرتا ہے خالق فطرت جس سے خوش نہیں ہے۔ دنیا

جہان کو اس نے اطمینان وسکون۔ طمانیت ومسرت سے یکسر محروم کر رکھا ہے۔ ہر انسان، نوع بشری کا ہر فرد۔ ہر شخص اضطراب وبے چینی، پریشان حالی، پریشان خاطری میں مبتلا ہے۔ اور سخت مبتلا ہے۔

دراصل یہ ایک بہت بڑی اور بہت ہی بُری سزا ہے، خالق فطرت کے ہاتھوں انسان کو اس کی ناکردنیوں کی پاداش میں جو خود اس کے ہاتھوں سے لائی گئی ہے اور لائی جا رہی ہے، انسان کے خالق نے اس کی نوعی، اجتماعی، انفرادی، شخصی فلاح وبہبود کے لئے بہترین اصول اور کامیابی کے محکم ترین فطری بنیادیں فراہم کی تھیں، خالق فطرت نے فطری قواعد وضوابط متعین کئے تھے۔ لیکن انسان نے اپنے زعم علم میں اپنے خالق کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ان تمام چیزوں کو بھی رد کر دیا جو خالق کائنات یعنی موجد فطرت نے اس کی نوعی، اجتماعی، انفرادی، شخصی، فلاح وبہبود کے لئے تیار کیا تھا۔ اور اب وہ اس کی سزا بھگت رہا ہے، اور بُری طرح بھگت رہا ہے، اور جب تک انسان اپنے خالق، فطرت کے خالق کے منشا، کو ٹھکراتا رہے گا اس کا یہی حال ہوگا۔

اسلام ایک ایسا نظام پیش کر رہا ہے، جو دنیا اور آخرت کا جامع ہے، خالق فطرت فطری نظام پیش کرتا ہے، انسان کی نوعی، اجتماعی، شخصی، انفرادی ضروریات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے پیش کرتا ہے، اسلام نے نوع انسانی کے لئے اجتماعی، نوعی، شخصی، انفرادی حالات کے ماتحت پوری طرح درست کیا۔ انسان کی عمرانی، حضارتی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی نظام کو اس قدر کامل اور مکمل شکل میں پیش کیا کہ دنیا حیرت سے انگشت بدنداں ہے۔ دنیا کی اقداروں کو آخرت کی اقداروں میں کچھ اس طرح سمویا کہ انسانیت پوری طرح کامیاب ہے۔ دنیا میں امن وچین، اطمینان وسکون، عزت وسربلندی نصیب ہو، اور آخرت میں فلاح وبہبود اور نجات میسر آئے، دنیا اور آخرت دونوں درست ہوجائیں۔

آج زمانہ دھریت یا نیم دھریت کا شکار ہوچکا ہے۔ آخرت کی زندگی کو ایک وہم سمجھا جا رہا ہے، حالانکہ اصل دائمی زندگی آخرت کی زندگی ہے، اسلام نے اس دنیا کی زندگی کے علاوہ ایک دوسرا عالم بتایا ہے، جو اس عالم دنیا کی زندگی سے بہت اہم اور یقینی ہے، جہاں اس دنیا کی زندگی کے ہر ہر عمل، چھوٹے بڑے اعمال وکردار کا بدلہ دیا جائیگا۔ اور وہی نظام کامیاب رہے گا جو دنیا وآخرت کی زندگی کو ہموار کر دیوے، اور وہ اسلام ہے، ایسا نظام نہ یہود پیش کر سکتے ہیں، نہ نصاریٰ عیسائی پیش کر سکتے ہیں، نہ ہندو چین اور پاکستان کی ہندو اقوام نہ بودھ مت

پیش کر سکتا ہے، نہ جینی دھرم،

دنیا کی عزت وطلب کی خاطر ہر چھوٹا بڑا انسان سب کچھ کر گزرتا ہے، اگر اپنے کو دنیا کے سامنے صاف وستھرا دکھانا چاہتا ہے تو چور دروازے سے گزرتا ہے، لیکن آخرت کا تصور، اور یہ اعتقاد وعقیدہ کہ آخرت میں دنیا کے اندر ہر چھوٹا بڑا جو عمل کیا ہے اس کا بدلہ یقینی ہے، ہر چھوٹے بڑے انسان کو راہ راست پر چلنے پر مجبور کر دیتا ہے، اور جس قدر آخرت کا رنگ پختہ ہوگا اسی قدر عدل وانصاف کی کسوٹی پر پورا اترے گا۔

یہود نے اپنے دین میں دنیوی فلاح وبہبود کی راہیں مسدود پا کر مذہب ترک کر دیا۔ اور مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ ٹھہرے۔ نصاریٰ نے ترقی کی راہیں اپنے مذہب میں نہ پاتے ہوئے مذہب کو خیرباد کہہ دیا۔ ہند وچین میں بدھ مذہب بنا اہنسا کو اپنایا اور اپنے لئے ارتقاء کے دروازے بند کر لیئے۔

رسول اکرم کی سیاست

غرض! دنیا کے تمام مذاہب ہر دو عالم دنیا وآخرت کے لئے جامع ہوں ایسا کوئی بھی نہ نکلا۔ ایک مذہب اسلام ہی ایسا ہے جس نے دنیا وعقبیٰ، مبدا ومعاد، دنیا وآخرت کی زندگی کو کامیاب بلند تر بنا دیا۔ اور نوع انسانی کو ایسی سربلندی بخشی کہ دنیا وعقبیٰ کی ترقی سربلندی کے مناروں پر کھڑا کر دیا۔ دنیوی اقتدار کو اخروی اقتدار، مادی قدروں کو روحانی قدروں میں کچھ ایسا سمو دیا کہ مبدأ ومعاد دونوں کامیاب ہو گئے، عقیدۂ توحید، اور اعتقاد آخرت، جزاء اعمال کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بہترین معاشرہ پیش کیا۔ اور ترقی کے میدانوں میں سب سے آگے کر دیا۔

سنہ ہجری میں حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کبریٰ عطا ہوئی۔ تائید الٰہی پوری طرح ساتھ تھی، سنت الٰہیہ نے اس دو عالم کے مہلکے کو قبول کر لیا۔

سنہ ہجری میں چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ نے عمرہ کا قصد فرمایا، اور ذی قعدہ میں آپ روانہ ہوئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر عمرہ کا احرام باندھا، اور قربانی کے جانوروں کو ساتھ لیا تھا ان کا شعار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک آدمی پہلے بھیج دیا تھا کہ قریش مکہ کی خبر لائے، عسفان مقام کے قریب پہنچے تھے کہ یہ آدمی خبر لے کر آ گیا، اور کہا میں نے کعب ابن لوی کو دیکھا ہے وہ آپ کے خلاف جنگ کی تیاری کر چکا ہے، اور بیت اللہ سے آپ کو روکے گا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور فرمایا ہم بیت اللہ کی حرمت کو توڑنا نہیں چاہتے، لیکن ہمیں اگر روکا گیا تو ہم ان سے مقابلہ کریں گے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ ہم عمرہ کرنے کو آئے ہیں نہ کہ جنگ کرنے کو لیکن اگر کوئی ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوا تو ہم ضرور ان سے مقابلہ کریں گے، قریش کی جانب سے خالد بن الولید بطور طلیعہ آ گئے تھے، قریش بہت پریشان تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آ گئے ہیں حدیبیہ مقام پر پہنچ کر مزاحمت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو مکہ کی طرف روانہ کیا کہ قریش سے کہو کہ ہم جنگ کرنے کو نہیں آئے، عمرہ کرنے کو آئے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کی دعوت بھی پیش کی، قریش کسی طرح نہ مانے، حضرت عثمانؓ واپس لوٹے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ میں صلح ہونا قرار پایا۔ حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ اس قسم کی شرائط سے خوش نہ تھے، نہ عمرہ کئے بغیر واپس جانا چاہتے تھے، حضور نبوی میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم کو خدا نے فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ ہم نے تم کو کھلی فتح دی،

فرمایا ہے، کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا یقیناً یہ فتح ہے، عہد نامہ میں سب سے بڑی شرط یہ تھی کہ مسلمان آزادی کے ساتھ تبلیغ اسلام کرتے رہیں گے، اس شرط کی رو سے تمام عرب میں اسلام کی دعوت پہنچائی گئی، ابتدار اسلام سے لے کر اس وقت تک جس قدر اسلام پھیلا تھا اس سے کہیں زیادہ اسلام پھیل گیا، اسلام کا اولین عقیدہ توحید خداوندی، اور آخرت میں جزاء اعمال یقینی ہے کا اعتقاد و عقیدہ تھا کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل گیا، مسلمانوں کا خدا کے فرمان پر پورا پورا بھروسہ تھا اور خدا کا وعدہ تھا،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

(سورہ نور پ۱۸)

تم میں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان لوگوں کو ملک کی خلافت ضرور عطا فرمائیگا جیسے ان لوگوں کو خلافت عطا کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اس نے اپنے لئے پسند کیا ہے اسکو ان کیلئے جما کر رہیگا اور خوف جو ان کو لاحق ہے اسکے بعد ان کو اسکے بدلے میں امن دے گا کہ ہماری عبادت کیا کریں، اور کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانیں اور جو ان احسانات کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں؛

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وعدہ تھا۔

هَلَكَ كِسْرٰى وَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ وَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ وَلَتُنْفِقُنَّ كُنُوْزَهُمَا۔

کسریٰ ہلاک ہو گا اسکے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور قیصر ہلاک ہوگا اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اور ان دونوں حکومتوں کے خزانے تم خرچ کروگے۔

صلح حدیبیہ کے بعد اسلام اس قدر مقبول ہوا کہ گھر گھر اسی کا چرچا تھا۔ قبائل کے قبائل اسلام میں داخل ہو گئے اور سارا عرب اسلام میں داخل ہو گیا۔

قریش مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اس لئے آپ نے مکہ کی تیاری شروع کر دی۔ دس رمضان المبارک سنہ ۸ھ میں دس ہزار فوج لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ مکہ پہنچے حضرت ابوسفیان رض اسلام لائے اور مکہ میں جاکر آواز دی:۔

مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ۔ (المختصر زاد المعاد ص۱۶۵)

جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائیگا اسکو امن ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائیگا اس کو امن ہے۔

اس کے بعد آپ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے، تمام سرداران قریش آپ کے سامنے پیش ہوئے آپ نے انھیں خطاب کرکے فرمایا:۔

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ مَا تَرَوْنَ اِنِّیْ فَاعِلٌ بِكُمْ؟ (مختصر زاد المعاد ص۱۶۹)

اے گروہ قریش میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟

تمام قریش ایک زبان بول اٹھے:۔

خَيْرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ (مختصر زاد المعاد ص۱۶۸)

اچھا برتاؤ کروگے۔ تم کریم بھائی ہو اور کریم بھائی کے بیٹے ہو۔

آپ نے فرمایا:۔

فَاِنِّیْ اَقُوْلُ كَمَا قَالَ يُوْسُفُ لِاِخْوَتِهٖ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (مختصر زاد المعاد ص۱۶۹)

میں وہی کہوں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا آج کے دن تمہارے لئے کوئی پریشانی کی بات نہیں، جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔

اس کے بعد سارے عرب میں اسلام کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر کی دنیا کے متعلق سوچنے لگے۔

اسلام کی جامعیت

اسلام دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ نہ آخرت کو دنیا کے لیے چھوڑا جائے نہ دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑا جائے، اسلام کہتا ہے:۔

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ — دنیا آخرت کی کھیتی کی جگہ ہے۔

قرآن کہتا ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ؛ (نحل ع ۱۳)

جس نے نیک عمل کیا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے اس کی زندگی ہم اچھی طرح بسر کرائیں گے اور ان کو آخرت میں ان کے بہترین اعمال کا صلہ دیں گے۔

اور کہتا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(اعراف ع ۴)

اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ نے جو زینت کے سامان اور کھانے کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے ان سے کہو کہ یہ دنیا میں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے ہیں اور قیامت کے دن خاص انھیں کیلئے ہوں گی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لَیْسَ بِخَیْرِکُمْ مَنْ تَرَکَ دُنْیَاہُ لِاٰخِرَتِہٖ وَلَا اٰخِرَتَہٗ لِدُنْیَاہُ حَتّٰی یُصِیْبَ مِنْھُمَا جَمِیْعًا فَاِنَّ الدُّنْیَا بَلَاغٌ اِلَی الْاٰخِرَۃِ

(ابن عساکر عن انس)

تم میں اچھا آدمی وہ نہیں جو اپنی دنیا کو آخرت کیلئے ترک کردیوے اور آخرت کو دنیا کیلئے ترک کردیوے بلکہ وہ بہتر ہے جو دونوں کو لے کر چلے کیونکہ دنیا آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

اور فرماتے ہیں:۔

خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ یَاْخُذُوْنَ مِنْ دُنْیَاھُمْ لِاٰخِرَتِھِمْ وَمِنْ اٰخِرَتِھِمْ لِدُنْیَاھُمْ۔

(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد ص ۱۹۶ ج ۶)

تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی دنیا سے اپنی آخرت درست کرے، اور اپنی آخرت سے اپنی دنیا درست کرے۔

اور فرماتے ہیں۔

إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ لَابُدَّ لِلنَّاسِ فِيهَا مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ يُقِيمُ بِهَا الرَّجُلُ دِينَهُ وَدُنْيَاهُ۔

جب آخر زمانہ ہوگا تو لوگوں کو درہم و دنانیر کی سخت ضرورت ہوگی۔ آدمی اس سے اپنے دین اور دنیا کو باقی رکھ سکے گا۔

(طبرانی فی الکبیر)

اسلام خلافت کبریٰ کا دستور العمل ہے۔ آسمانی نظام، خدائی ضابطہ حیات ہے۔ نوع انسانی کے لئے فطری نظام زندگی ہے، دنیوی مادی اقدار کو دینی، مذہبی روحانی اقدار میں کچھ اس طرح ممزوج کر دیا کہ دنیا اور آخرت دونوں کو مکمل کر دیا، خلافت کبریٰ نظام انھیں اقداروں پر قائم ہوا۔ عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کا نظام بھی قائم ہوگیا، اور معاملات مثلاً لین دین، اقتصادیات سیاسیات، وغیرہ کا نظام بھی قائم ہوگیا، یہ نظام اس قدر بلند اور اونچا تھا کہ انسانی فطرت پر اس نے فطری حکومت قائم کرلی اور

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ط

حکم صرف خدا ہی کا ہے

حکم صرف خدا کا چلتا تھا، کتاب و سنت کا چلتا تھا، خلیفہ صرف اس نظام سلطنت، دستور خدائی کا نافذ اور جاری کرنے والا تھا۔ چنانچہ جو نظام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا اسی نظام پر آپ کے خلفاء رہ چلے اور مخلوق خدا کو اس پہ چلاتے رہے۔

قرآن مجید مسلمانوں کی صفات بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ط هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ط هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ج فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ط هُوَ مَوْلَاكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ○

(حج ع ۱۰)

اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے اس نے تم کو انتخاب فرمایا ہے۔ اور دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی، تمہارے رب نے وہی دین تجویز کیا جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا، اسی خدا نے پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا، اور اس قرآن میں بھی، تاکہ رسول تمہارے مقابلہ میں اعلان حق کریں، اور تم دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اعلان حق کرتے رہو، تو تم نمازیں پڑھو، اور زکوٰۃ دو، اور اللہ ہی کا سہارا پکڑو، وہی تمہارا کارساز ہے تو کیا ہی اچھا کارساز

ہے اور کیا اچھا مدد گار ہے۔

نظام شرعی کو چلانے کے لئے اس امت کو بہترین امت فرمایا، اور بہترین امت ہونے کا راز بھی بتلا دیا۔ فرمایا

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران ع ۱۲)

لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم سب سے بہتر ہو، کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہترین امت ہونے کی اولین شرط ہے، اسی بنا پر اس کو بہترین امت کہا گیا ہے، کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہیں۔

اور فرمایا

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران ع ۱۱)

اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائیں، اور اچھے کام کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں، ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے، اور ان جیسے نہ ہو جو فرقے فرقے ہو گئے اور اپنے پاس کھلے کھلے احکام آئے پیچھے آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے اور یہی لوگ ہیں جن کو بہت بڑا عذاب ہوگا۔

غرض! عائلی، قبائلی، ملکی، عمرانی، حضری، بدوی سیاست کو مکمل کر دیا، شرائع دینیہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وجوہ احسان، بر و تقویٰ اور پرہیزگاری، خدا پرستی، خدا ترسی، عدل و انصاف، باہمی مساوات و مواسات، اخوت و بھائی چارہ، حریت فکر و رائے، اور شرائع اجتماعیہ کی تکمیل کر دی۔

آمد وفود

صلح حدیبیہ سے قبل اسلام کی راہ میں بہت رکاوٹیں تھیں، گو اسلام کے فطری نظام کو بہت سے قبول کر چکے تھے، لیکن اس کے اظہار سے رکتے تھے، اور اظہار سے رکنے کی دو وجہیں تھیں

پہلی وجہ تو یہ تھی کہ عرب میں عار اور طعن و تشنیع کو بہت بُرا سمجھا جاتا تھا، تا آنکہ بعض بڑے بڑے لوگوں سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اسلام کی صداقت کا یقین رکھتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ اِخْتَرْتُ النَّارَ عَلَی الْعَارِ میں نے عار کے مقابلہ میں نار جہنم کو اختیار کر لیا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ قریش مکہ اس بارے میں حائل تھے، کیونکہ بیت اللہ کی ساری خدمات ان کے ہاتھ میں تھی اور عرب یہ سمجھتے تھے کہ اس گھر کی خدمت انہی کو ملتی ہے جو خدا کے مقبول بندے ہوں۔

علاوہ ازیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان لڑائیاں ہوتی تھیں، اس میں پلہ کبھی مسلمانوں کا بھاری رہتا اور کبھی قریش مکہ کا، غزوۂ بدر میں مسلمان کامیاب رہے، تو غزوۂ اُحد میں قریش کا پلہ بھاری رہا، غزوۂ خندق ایسا غزوہ تھا کہ قریب قریب دونوں مساوی تھے،

صلح حدیبیہ سے تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں، قرآن کی فطری دعوت تمام کو مسحور کر چکی تھی صلح حدیبیہ کے بعد قبائل عرب کے وفود آنے لگے، سارا عرب ٹوٹ پڑا اور صدق دل سے اسلام قبول کرنے لگا۔ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنے اپنے قبائل کی نمائندگی کرنے لگے چنانچہ یہ وفود آئے۔

وفد ثقیف

جب ان لوگوں نے دیکھا ان کے اطراف کے لوگ تمام اسلام قبول کر چکے ہیں اپنا وفد بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اسلام قبول کریں، رئیس الوفد عبد یالیل بن عمر تھے جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں آئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے ایک کونے میں ان کے لئے ایک خیمہ ڈلوا دیا، اس کے بعد گفتگو کی، ان لوگوں نے نماز سے معافی مانگی آپ نے فرمایا لَاخَیْرَ فِی دِیْنٍ لَاصَلٰوۃَ فِیْہِ اس دین میں خیر نہیں جس میں نماز نہیں ہے،

اور عرض کی ان کے بتوں کو آپ نہ توڑیں، لیکن آپ نے ان کے ہمراہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ ابن شعبہ کو بھیجا، اور انھوں نے ان کے بڑے بت لات کو توڑ دیا، اور عثمان بن ابی العاص رض کو ان کا امیر مقرر فرمایا، اور چلتے وقت خاص نصیحت فرمائی۔ کہ نماز میں ضعیف، بوڑھوں اور چھوٹوں اور حاجت مندوں کا خیال رکھنا، ثقیف اسلام کے لحاظ سے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ صادق القول تھے،

* * * * *

وفد بنو تمیم

اس وفد کے رئیس عطارد بن حاجب بن زرارہ اور اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، اور عمرو بن الاہتم اور قیس بن عاصم تھے ان وفد کے متعلق سورہ حجرات کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئی تھیں، اس وفد نے اپنے قومی مفاخر بیان کئے، اس کے جواب میں قیس بن شماس نے خطبہ دیا، مہاجرین اور انصار کی اس میں بہت تعریف کی، اس کے بعد حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ پڑھا جو بہترین قصیدہ تھا

وفد قیس بنو عامر

اس کے رئیس عامر بن الطفیل اور اربد بن قیس تھے،

وفد بنی سعد بن بکر

اس وفد کے رئیس ضمام بن ثعلبہ تھے، بڑے بہادر اور دلیر تھے،

وفد ربیعہ بنو عبد قیس!

اس وفد کے رئیس جارود بن بشر بن المعلی تھے، یہ نصرانی تھے لیکن اسلام لانے کے بعد بڑے سخت اور پکے مسلمان ہوگئے،

وفد ربیعہ بنو حنیفہ

مسیلمہ کذاب اسی قبیلے سے تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے نبوت کا دعوی کیا تھا،

وفد قحطان

اس کے رئیس زید الخیل تھے،

اس کے بعد مراد۔ اور زبید اور کندہ کے وفود آئے، اور اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد ملوک حمیر حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے،

اس کے بعد وفد بنو الحرث بن کعب تھا، اسی وفد کے ہمراہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تھے اسلام لاکر مشرف باسلام ہوئے،

اس کے بعد بنو رفاعہ کا وفد آیا، یہ اور ان کی قوم ساری مسلمان ہو کر مشرف باسلام ہوتی

اس کے بعد وفد ہمدان آیا، اس کے رئیس ذوالمعشار تھے جن کی کنیت ابو ثور ہے۔

غرض ! یہ کہ اسی طرح وفد آتے رہے اور اسلام قبول کرتے چلے گئے تا آنکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کا سنہ ۱۰ھ میں ارادہ کیا تو ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان آپ کے ہمراہ حج میں تھے ، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جو لوگ حج میں آپ کے ہمراہ نہیں تھے وہ کس قدر زیادہ ہونگے یہ ظاہر ہے اس وقت حکومتوں کے رئیسوں کے ماتحت سب کچھ ہوا کرتا تھا ، جب رئیس اسلام لے آئے تو سارے قبیلے کا اسلام لے آنا سمجھنا چاہیئے۔

بادشاہوں کے نام خطوط

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک وسلاطین کے نام دعوتی خطوط روانہ کئے دحیہ بن خلیفہ الکلبی کو شاہ روم کی طرف بھیجا۔ اور ایک خط دیا کہ اسے دے دیا جائے ، خط کا مضمون یہ تھا :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَ اَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ اِثْمَ الْاَرِيْسِيِّيْنَ عَلَيْكَ

(محاضرات خضری بک ص۱۲۲ ج۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، محمد رسول اللہ کی جانب سے بنام ہرقل عظیم روم ، سلام اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے ، اما بعد ، اسلام قبول کرو تم سلامت ہو ، اور تم اسلام قبول کرو تو تمہیں دوہرا اجر ملے گا اور اگر تم نے اس دین سے منہ موڑا تو تمہارے تمام متبعین کا گناہ تمہارے سر ہے ۔

ہرقل نے اس خط کی قدر کی ، لیکن ارکین سلطنت نے مخالفت کی اس کی وجہ سے ہرقل نے اظہار اسلام سے گریز کیا ۔

سلطان دمشق کے نام

اس وقت دمشق پر فرمانروائی منذر بن الحارث ابن ابی شمر الغسانی کرتا تھا ، آپ نے شجاع بن وہب کو جو بنو خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے اس کی طرف بھیجا ، آپ نے اس کو لکھا ،

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَ اٰمَنَ بِهٖ اِنِّىْ اَدْعُوْكَ اِلٰى اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَبْقٰى لَكَ مُلْكُكَ

(محاضرات خضری بک ص۱۲۲)

سلامتی اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی ، اور مجھ پر ایمان لایا ، میں دعوت دیتا ہوں کہ تو اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آ تیرا ملک باقی رہے گا ۔

سلطان حبش نجاشی کے نام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیۃ الضمری رض کو بھیجا خط پڑھ کر نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔

کسریٰ شاہ فارس کے نام

عبداللہ بن حذافہ السہمی رض کو کسریٰ کی طرف روانہ فرمایا۔

شاہ مصر کے نام

مقوقس عظیم مصر کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رض کو بھیجا، یہ اسلام نہیں لایا۔ اس کے بعد سلیط بن عمرو العامری کو ہوذہ بن علی الحنفی کی طرف بھیجا، اور العلاء ابن الحضرمی رض کو منذر بن ساوی سلطان بحرین کی طرف بھیجا، اور عمرو بن العاص رض جیفر اور اس کے بھائی (جو عمان سے تعلق رکھتے تھے) کی طرف بھیجا، غرض اکثر زمین کے اکثر گوشوں میں آپ کا آپ کے دین کا نام مشہور ہو گیا، اور آپ کی دعوت پہنچ گئی، اور تمام رئیسوں اور سرداروں کے لئے سوچنے اور غور کرنے کا وقت آگیا، اور بڑی حد تک جزیرہ عرب میں اسلام شائع اور مقبول ہو گیا۔

غزوۂ تبوک

۹ ھ میں آپ نے حکم دیا کہ روم کی حکومت کے خلاف غزوہ کیا جائے، ان لوگوں نے حضرت زید بن حارثہ رض اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا، اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ مسلمان اس وقت تنگ حال تھے، علاوہ ازیں ان دنوں کھجور کے باغ پک کر بالکل تیار ہو گئے تھے، جن پر ان کی زندگی کا مدار تھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ پہلے کھجور وغیرہ باغوں سے لے لیں پھر تبوک کی طرف نکلیں۔ لیکن آپ نے حکم دیا تو لوگ تیار ہو گئے، اسی غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے، تبوک پہنچے تو سب سے پہلے آپ کے پاس یحنہ بن رؤبہ صاحب ایلہ آیا اور آپ سے جزیہ دینا قبول کر کے صلح کر لی، پھر اہل جرباء اور اہل اذرح آئے اور جزیہ قبول کر کے صلح کر لی، آپ نے ان کے لئے معاہدہ لکھ دیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت خالد بن الولید رض کو اکیدر دومۃ الجندل بھیجا حضرت خالد رض وہاں پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو اسیر و قید کیا۔ پھر جزیہ قبول کر کے آپ نے صلح کی، قریب بیس دن آپ نے تبوک میں قیام فرمایا، پھر واپس لوٹے، اس غزوہ کا سارا قصہ سورۂ توبہ کے اندر مذکور ہے۔ یہ آخری غزوہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی اس کے بعد آپ کسی

غزوہ میں اپنی ذات سے شریک نہیں ہوئے۔

قرآن کی تکمیل!

سنہ ۱۰ھ میں حج اکبر کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین ماہ پہلے یہ آیت آپ پر اتری:-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

آج کے دن میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور میں نے تمھارے لئے اسلام کو از روئے دین پسند کیا۔

وفات رسول

اواخر صفر سنہ ۱۱ھ میں آپ بیمار ہوئے۔ بخار نے شدت اختیار کر لی آپ نے اپنی تمام ازواج سے اجازت چاہی کہ مجھے حضرت عائشہؓ کے مکان پہ وقت گذارنے دو، جب مرض نے شدت اختیار کر لی آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے۔

یَا مَعَاشِرَ الْمُھَاجِرِیْنَ اِسْتَوْصُوْا بِالْاَنْصَارِ خَیْرًا فَاِنَّ النَّاسَ یَزِیْدُوْنَ وَالْاَنْصَارُ عَلٰی ھَیْئَتِہَا لَا تَزِیْدُ وَاِنَّھُمْ کَانُوْا عَیْبَتِیَ الَّتِیْ اَوَیْتُ اِلَیْھَا فَاَحْسِنُوْا اِلٰی مُحْسِنِہِمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِیْئِہِمْ۔ (محاضرات الخضری بک ص ۱۵۴ ج ۱)

اے گروہ مہاجرین میں انصار کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ مہاجرین آگے بڑھ رہے ہیں، اور انصار اپنی حالت پر ہیں نہیں بڑھ رہے ہیں یہی لوگ تھے جن میں آکر میں نے پناہ لی تھی، انکے بھلائی کرنیوالوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اور برائی کرنے والوں سے در گذر کرنا۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں چنانچہ جب تک آپ بیمار رہے حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے، پیر کا دن تھا بارہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کی وفات کا اعلان کیا، اور تمام صحابہؓ وغیرہ جمع تھے خطاب کرکے فرمایا۔

اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ (محاضرات ص ۱۵۶ ج ۱)

لوگو: جو شخص محمد کی عبادت کیا کرتا تھا تو محمد تو وفات کر گئے، اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، مرنے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝

(آل عمران ع-۱۰)

اور محمد اس سے بڑھکر اور کیا ہیں کہ ایک رسول ہیں اور بس۔ ان سے پہلے اور بھی رسول ہو گذرے ہیں، پس اگر یہ مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے الٹے پیروں پر لوٹ جاؤ گے اور جو اپنے الٹے پاؤں لوٹ جائیگا تو وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور جو لوگ شکر کرتے ہیں ان کو خدا عنقریب جزا خیر دے گا۔

غرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا نظام انسانیت جو ایک فطری نظام ہے، آسمانی دستور العمل سے پیش فرمایا، جو سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہے، خدا پرستی، خدا ترسی کا معیار بہت بلند اور اونچا کر دیا۔ دنیا و آخرت مبدا و معاد کا نظام ایسا کامل و اکمل کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی قائم نہ ہو سکا تھا، فطرت نوع انسانی کو بہت بلند کر دیا۔ رب صل وسلم وبارك عليه وعلى آله واصحابه وعلى من تبعه الى يوم الدين آمين ؛

خلافت صدیقی رض

بیعت خلافت:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس فطری نظام، اور آسمانی دستور کے چلانے کے لئے بڑے بڑے اور جمہور مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رض کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی، حضرت صدیق رض بیعت کے بعد کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ فرمایا:۔

اَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ وُلِّيْتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ۔ فَاِنْ اَحْسَنْتُ فَاَعِيْنُوْنِىْ وَاِنْ صَدَقْتُ فَقَوِّمُوْنِىْ اَلصِّدْقُ اَمَانَةٌ وَالْكِذْبُ خِيَانَةٌ۔ وَالضَّعِيْفُ فِيْكُمْ قَوِىٌّ عِنْدِىْ حَتّٰى اٰخُذَ لَهٗ حَقَّهٗ۔ وَالْقَوِىُّ فِيْكُمْ ضَعِيْفٌ عِنْدِىْ حَتّٰى اٰخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ لَا يَدَعُ اَحَدٌ مِّنْكُمُ الْجِهَادَ فَاِنَّهٗ لَا يَدَعُهٗ قَوْمٌ اِلَّا ضَرَبَهُمْ

لوگو! مجھے تمہارا امیر و حاکم بنایا گیا ہے اور میں تم میں بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو، اگر میں سچ کروں تو میری توجہ مضبوط کرو، کیونکہ صدق ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت، اور جو تم میں ضعیف ہیں میرے نزدیک قوی ہیں، تا آنکہ میں انکا حق لوں گا۔ اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے، اور واللہ میں اس سے حق لوں گا تم میں سے کوئی جہاد ترک نہ کرے کیونکہ جو جہاد ترک کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے

اللّٰہَ یَا الَّذِیْنَ اَطِیْعُوْنِیْ مَا اَطَعْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِذَا عَصَیْتُ اللّٰہَ فَلَا طَاعَۃَ لِیْ عَلَیْکُمْ قُوْمُوْا اِلٰی صَلَاتِکُمْ یَرْحَمْکُمُ اللّٰہُ ۔ (محاضرات محمد خضری بک ص ۱۷)

میری پیروی اس وقت تک کرو کہ میں اللہ اور اسکے رسول کی پیروی کروں، جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو میری پیروی تم پر ضروری نہیں۔ اب نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم فرمائے۔

اس وقت سے عام دستور ہو گیا ہے خلفاء بیعت کے بعد کھڑے ہو کر قوم و ملت کے سامنے اپنے طریق کار کی وضاحت کریں۔ آج تک یہ دستور چلا آتا ہے۔

عزیمت و سختی اور رفق و نرمی!

ہر کام کے لئے دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے، عزیمت، اور رفق و نرمی، عزیمت کے یہ معنی ہیں کہ جس کام کو اٹھائے پوری ہمت سے اسے پورا کرے، اور ہمت ایسی ہو کر

ع۔ یا جاں رسد بہ جاناں۔ یا جاں زتن برآید

رفق و نرمی کے یہ معنی ہیں کہ رحمدلی ایسی ہو کہ کسی کی معمولی سی معمولی تکلیف بھی گوارا نہ کرے۔ حضرت صدیق رضؓ میں یہ دونوں صفات موجود تھیں، اور بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سارے عرب میں فتنہ ارتداد کھڑا ہو گیا۔ دو قسم کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، ایک وہ جو زکوٰۃ کا انکار کرتے تھے، دوسرے وہ جو سرے سے اسلام ترک کر بیٹھے تھے، اسلام ترک کرنے والوں میں اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور سجاح بھی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی عزیمت و ہمت تھی جو اس وقت اسلام کو بچا لیا۔ گیارہ سرداروں کو مختلف جہات میں جو روانہ کر دئے۔

(۱) خالد بن الولیدؓ کو طلیحہ بن خویلد اسدی کی طرف بھیجا جو بزاخہ میں تھا، یہاں سے فراغت کے بعد مالک بن نویرہ کی طرف بطاح روانہ ہوئے (۲) عکرمہؓ بن ابی جہل کو یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے بھیجا (۳) ان کے پیچھے پیچھے شرجیل بن حسنہؓ کو روانہ کیا۔ (۴) مہاجر بن ابی امیہؓ کو اسود عنسی کی فوج کی سرکوبی کے لئے صنعاء وغیرہ روانہ کیا۔ (۵) حذیفہ بن محصن کو عمان کی طرف روانہ کیا (۶) عرفجہ بن ہرثمہ کو اہل مہرہ کی طرف بھیجا (۷) سوید بن مقرن کو تہامہ اور یمن کی طرف بھیجا (۸) علاء بن حضرمی بحرین کی طرف روانہ کیا (۹) طریفہ بن حاجز کو بنی سلیم اور بنی ہوازن کی طرف بھیجا (۱۰) عمرو بن العاص کو قضاعہ کی طرف روانہ کیا (۱۱) خالد بن سعید کو مشارف شام کی طرف روانہ کیا۔

اس وقت جو عزیمت و ہمت حضرت صدیق رضؓ نے دکھائی بڑے بڑے ابطال بھی پیش نہیں کر سکے، کوئی مشکل۔ کوئی دشواری آپ کی عزیمت و ہمت کو توڑ نہ سکی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سارا جزیرۂ عرب ارتداد کی آگ سے مشتعل ہو چکا تھا، بڑے بڑے لوگ اس آگ سے متاثر تھے، اور ہمت توڑ بیٹھے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ کی عزیمت و قوت تھی کہ اس فتنہ کا خاتمہ کر دیا، اور تھوڑے سے تھوڑے وقت میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت صدیق رضؓ ہی کی عزیمت و قوت تھی جس نے اسلام کو بچا لیا۔ اور ایک معجزہ کا کام کیا۔

دوسری صفت رقت قلب رقت و نرمی، آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ دیکھنے اور سننے والے حیرت کرتے تھے۔ خلافت سے قبل کسی بوڑھیا کی بکریاں دودھ دیا کرتے تھے۔ خلافت کے بعد آپ اس کے گھر کے سامنے سے گذرے، بڑھیا کی ایک چھوٹی لڑکی باہر کھیل رہی تھی، ہنس کر کہنے لگی، اب تو یہ خلیفہ ہو گئے ہیں، اب ہماری بکریاں نہیں دوھیں گے، حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا نہیں نہیں اب بھی میں تمہاری بکریاں دودھ دیا کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کی پابندی اس طرح کی کہ پورے دور خلافت میں اس کی بکریاں دودھ دیا کرتے تھے، آپکی رقت قلب رقت و نرمی کے واقعات سے کتب سیر و تاریخ پُر ہیں۔ اگر یہ واقعات جمع کئے جائیں تو بڑی بڑی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

اہل ارتداد کے نام آپ کا منشور عام

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب افواج کی تعیین کر دی۔ لشکر کے سپہ سالاروں اور مختلف جہات پر مختلف فوجوں کا تقرر کر چکے تو پھر آپ نے عرب کے مرتد لوگوں کے نام ایک منشور لکھا۔ اور لشکر اور افواج کو روانہ کرنے سے پہلے بھیج دیا۔

حمد و صلوٰۃ اور ذکر رسالت کے بعد فرمایا:۔

وَقَدْ بَلَغَنِيْ رُجُوْعُ مَنْ رَجَعَ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ اَقَرَّ بِالْاِسْلَامِ وَعَمِلَ بِهٖ اِغْتِرَارًا بِاللّٰهِ وَجَهَالَةً بِاَمْرِهٖ وَاِجَابَةً لِّلشَّيْطَانِ قَالَ اللّٰهُ تعـ

جو لوگ تم میں اپنے دین سے پھر گئے انکا حال مجھے معلوم ہے، انہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا ہے وہ خدا کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور اسلام کی حقیقت سے جاہل ہیں، شیطان کی آواز کو قبول کرتے ہیں

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا. وقال: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ۔ وَإِنِّي بَعَثْتُ إِلَيْكُمْ فُلَانًا فِي جَيْشٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالتَّابِعِينَ بِإِحْسَانٍ وَأَمَرْتُهُ أَنْ لَا يُقَاتِلَ أَحَدًا وَلَا يَقْتُلَهُ حَتَّى يَدْعُوَهُ إِلَى دَاعِيَةِ اللَّهِ فَمَنِ اسْتَجَابَ لَهُ وَأَقَرَّ وَعَمِلَ صَالِحًا قَبِلَ مِنْهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ وَمَنْ أَبَى أَمَرْتُهُ أَنْ يُقَاتِلَهُ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ لَا يُبْقِي عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ قَدَرَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُحَرِّقَهُمْ بِالنَّارِ وَيَقْتُلَهُمْ كُلَّ قِتْلَةٍ وَأَنْ يَسْبِيَ النِّسَاءَ وَالذَّرَارِيَّ وَلَا يَقْبَلَ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا الْإِسْلَامَ فَمَنِ اتَّبَعَهُ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَمَنْ تَرَكَهُ فَلَنْ يُعْجِزَ اللَّهَ وَقَدْ أَمَرْتُ رَسُولِي أَنْ يَقْرَأَ كِتَابِي فِي كُلِّ مَجْمَعٍ لَكُمْ وَالدَّاعِيَةُ الْأَذَانُ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُسْلِمُونَ فَأَذَّنُوا كُفَّ عَنْهُمْ وَإِنْ أَقَرُّوا قُبِلَ مِنْهُمْ وَحَمَلَهُمْ عَلَى مَا يَنْبَغِي۔

(محاضرات خضری ص ۱۷۵-۱۷۶ / ج ۱)

اور اس پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جب ہم نے فرشتوں کو کہا تم آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ایک ابلیس کہ وہ جنوں میں سے تھا تو اس نے اپنے پروردگار کے حکم کو ٹھکرا دیا تو کیا مجھے چھوڑ کر تم نے اسے اور اسکی ذریت کو اپنا حاکم بنالیا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارا دشمن ہے، اور ظالموں کا بدلہ بہت ہی برا ہے، اور خدا کا ارشاد ہے شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن بنائے رہو، اس کا گروہ تو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتا ہے کہ سب کے سب تم جہنمی ہو کر رہ جاؤ، میں نے فلاں کو مہاجرین و انصار اور تابعوں کو لشکر کے ہمراہ بھیجا ہے اور انہیں حکم دیا ہے وہ اس وقت تک کسی سے جنگ نہ کریں جب تک اللہ کے دین کی دعوت اس تک پہنچا دیں، جو دعوت کو قبول کریگا اور دین کا اقرار کریگا اور ارتداد سے باز آجائیگا اور عمل صالح کریگا تو وہ اسے قبول کریگا اور اس کی اعانت کریگا، اور جو اس سے انکار کریگا تو میں نے حکم دیا ہے کہ اس کو قتل کر دیوے، اور جس پر بھی قدرت پائے اور یہ کہ وہ انہیں آگ سے جلا دیوے اور پوری قوت سے ان لوگوں کو قتل کر دیوے، اور انکی عورتوں اور بچوں کو غلام بنائے اور اسلام کے سوا کوئی چیز ان سے قبول نہ کرے، پس جو شخص اسکی اتباع کریگا تو اس کیلئے یہ خیر اور بہتری موجود ہے اور جو اسے چھوڑ دیگا تو سمجھنا چاہئے کہ خدا کو کوئی عاجز نہیں، اور میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ مجمع میں وہ میرا منشور پڑھ کر تمام کو سنائے اور دعوت یہ ہے اذان پکاریں، جب مسلمان اذان کہیں تو یہ لوگ بھی اذان کہیں، ان سے

جنگ روک لی جائیگی اگر اس دعوت کا اقرار کرینگے تو
یہ اسے قبول کرلیگا اور پھر جو ان کے حق میں مناسب ہو
گا وہ کرے گا۔

یہ منشور لے کر لشکر سے پہلے روانہ کر دیا، اور یہ تاریخ اسلام میں پہلا منشور ہے جو اجتماعات میں عام لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا، اور خاص وعام تمام کو خلیفہ اسلام کا نظریہ معلوم کرنے کا موقع دیا۔

اور اس کے قریب قریب ایک معاہدہ لکھا گیا جو قائدین سے کیا جائے، اور عہد نامہ میں خلیفہ ابوبکر صدیق کا نام لکھا گیا، ان کی جانب سے یہ معاہدہ کیا جائے۔
بنو تمیم اور مالک ابن نویرہ، بنو حنیفہ، اور مسیلمہ یمن۔ اسود العنسی، سجاح وغیرہ تمام ارتداد کی زد میں آگئے تھے، مسیلمہ، اسود العنسی اور سجاح تو دعوے نبوت کر کے بیٹھ گئے۔
حضرت صدیق رضہ کی حسن تدبیری تھی کہ سارے عرب کو چند روز میں قابو میں کر لیا۔ اس وقت اسلام اس کشتی کی مانند تھا جو دریا میں طوفان کی زد میں آگئی ہو، اگر طوفان سے بچ کر کنارے لگ گئی تو کشتی والے ہمیشہ زندہ رہ گئے، اور اگر کشتی ڈوب گئی تو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے، غرض چند روز میں فتنۂ ارتداد کا نام ونشان تک نہ رہا۔ اور سارے کے سارے پکے مسلمان ہو گئے، ارتداد سے توبہ کر لی۔

ایران و روم

عرب کے پڑوس میں دو بڑی سلطنتیں ایران اور روم کی موجود تھیں، انھیں کی سیادت وسرداری میں عرب رہا کرتے تھے، کبھی ایک غالب رہتا کبھی دوسرا، حکومت ایران جن کا دار السلطنت مدائن تھا، اس کو کسریٰ کہا جاتا تھا، اور حکومت روم جس کا دار السلطنت رومہ تھا بہت بڑی سلطنت تھی، مصر، سوریا اس کے ماتحت تھا، آخر میں یہ سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک کا دار السلطنت قسطنطنیہ رہا اور دوسرے حصہ کا روم رہا۔
جب حضرت صدیق اکبر رض اہل ارتداد سے نمٹ گئے، تو آپ نے حضرت خالد بن الولید رض کو حکم دیا، ایران اور ہندوستان پہ حملہ کریں اور ابلہ سے اس کا آغاز ہو، اور عیاض بن غنم رض کو حکم دیا کہ شمال کی جانب سے ایران پر حملہ کریں۔

چنانچہ حضرت خالد بن الولیدؓ نے ہرمز کو سب سے پہلے خط لکھا، دیکھنا یہ ہے کہ خط کس قدر اثر انداز ہے اور اسلام کا مطمح نظر کیا ہے؟ حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھتے ہیں۔

أَمَّا بَعْدُ فَاسْلِمْ تَسْلَمْ أَوِ اعْتَقِدْ لِنَفْسِكَ وَقَوْمِكَ الذِّمَّةَ وَأَقْرِرْ بِالْجِزْيَةِ وَإِلَّا فَلَا تَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَكَ فَقَدْ جِئْتُكَ بِقَوْمٍ يُحِبُّونَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ۔ (محاضرات محمد الخضری بک صفحہ ۱۸۴/۱)	اما بعد، اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے، اور اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے ذمہ کا معاہدہ کر لو، اور جزیہ کا اقرار کر لو، وگرنہ اپنی جان کے سوا کسی کو ملامت نہ کرنا، میں تمہارے مقابلہ کے لئے ایسے لوگ لایا ہوں کہ وہ موت کو ایسا ہی پسند کرتے ہیں جیسا تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔

اس کے بعد حضرت خالد بن الولیدؓ نے ایران کے دوسرے فرمانرواؤں کے نام خطوط روانہ کئے اس میں بھی وہی انداز ہے، اور اسلام کی حقیقی روح پائی جاتی ہے، ایک خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ تمھیں ایسی قوم سے پالا پڑا ہے کہ

يُحِبُّونَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ۔ (محاضرات صفحہ ۱۸۷/۱)	کہ وہ موت کو ایسا ہی پسند کرتے ہیں جیسا تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔

دوسرا خط

أَمَّا بَعْدُ فَاسْلِمُوا تَسْلَمُوا وَإِلَّا فَاعْتَقِدُوا مِنِّي الذِّمَّةَ وَأَدُّوا الْجِزْيَةَ فَقَدْ جِئْتُكُمْ بِقَوْمٍ يُحِبُّونَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّونَ شُرْبَ الْخَمْرِ۔ (محاضرات الخضری بک صفحہ ۱۸۷/۱)	اما بعد۔ اسلام قبول کر لو۔ سلامت رہو، اور اگر نہیں تو مجھ سے جزیہ کا معاہدہ کر لو۔ اور جزیہ ادا کرو، میں ایسے لوگوں کو تمہارے مقابلہ کے لئے لایا ہوں کہ وہ موت کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح تم شراب کو پسند کرتے ہو۔

غرض! حضرت خالدؓ ایک برس اور دو مہینے عراق میں جنگ کرتے رہے، اور ۱۳ھ تک وہ کام کیا کہ کوئی دوسرا سپہ سالار نہیں کر سکتا، عجمیوں، ایرانیوں سے نہر فرات، اور ابلہ[1] اور فراض تک قبضہ کر لیا، اور شام، عراق اور جزیرہ پر پورا پورا قبضہ اور قابو پا لیا۔ ایرانیوں سے متعدد مرتبہ جنگ ہوئی، لیکن کسی میں پیچھے نہیں پڑے، فاتح بن کر جاتے تھے، لیکن غارتگری اور لوٹ سے قطعاً اجتناب کرتے تھے۔

---

[1] ابلہ ہندوستان پر حملہ کرنیکا اولین مقام ہے، یہیں سے ہندوستان پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔ (ابو العلاء)

جب کبھی کسی ملک کو فتح کرتے اس پر دو امیر مقرر کرتے، ایک سیاست کی نگرانی کرتا، دوسرا ذمیوں سے خراج وغیرہ وصول کرتا، سب سے بڑی خوبی آپ میں یہ تھی کہ فلاحین اور کسانوں کے ساتھ آپ کا سلوک نہایت اچھا تھا، اس قدر نرمی اور حسن سلوک سے پیش آتے کہ ایرانیوں کے مقابلہ میں یہ لوگ مسلمانوں کو پسند کرتے، اور اسلامی حکومت کو ایران وعجم کے فرمانرواؤں کے مقابلہ میں ترجیح دیتے۔

جب کبھی دشمنوں کا لشکر دیکھتے، حضرت خالدؓ کے اندر جوش پیدا ہوجاتا، اور اس رئیس سے دو دو باتیں ہونے لگتیں۔

غرض ابلہ اور فراض تک قبضہ کرلیا، اور فارس وایران کے بڑے حصہ پر اسلام کی حکومت قائم ہوگئی۔

غزوۂ روم

حضرت صدیق اکبرؓ نے فتح عراق کے لیے حضرت خالدبن الولید کو ۱۲ھ کے اواخر میں روانہ کیا، اس کے بعد حضرت صدیقؓ نے چار قائد مقرر کردیئے جو تمام سے زیادہ امتیازی حیثیت رکھتے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور شرجیل بن حسنہؓ، اول الذکر تین قائد قریشی ہیں اور آخرالذکر ایک قحطانی، حضرت عمروؓ کو فلسطین کا اور یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق کا، اور حضرت ابوعبیدہؓ کو حمص کا اور حضرت شرجیل کو اُردن کا قائد مقرر فرمایا، اور مقررہ راہ سے چھتیس ۳۶ ہزار لشکر لے کر روانہ ہوئے، جب سلطان روم کو اس فوج کا علم ہوا تو اس نے تقریباً ڈھائی لاکھ فوج تیار کی، اور تمام امراء ورؤساء اور سرداروں کو جمع کرکے حملہ کے جواب کے لئے آمادہ کیا۔

ادھر حضرت خالدبن الولیدؓ کو حضرت صدیقؓ نے لکھا کہ عراق پر حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو مقرر کرو اور تم رومیوں کے محاذ پر جاؤ، چنانچہ آٹھ ہزار فوج لے کر حضرت خالد بھی پہنچ گئے۔ اب مسلمانوں کے پاس فوج کل چھیالیس ۴۶ ہزار تھی۔

حضرت خالدؓ پہنچے اور فوج کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کردیا۔ اور ہر حصہ پر علیحدہ سالار مقرر کیا، اور ہر حصہ فوج کے لئے ایک واعظ مقرر کیا جو جہاد کی فضیلت وغیرہ پر وعظ کیا کرے، یہ واعظ ان لوگوں کے سامنے کھڑے ہوکر کہتا۔

أَللّٰهَ أَللّٰهَ إِنَّكُمْ قَادَةُ الْعَرَبِ وَأَنْصَارُ الْإِسْلَامِ وَإِنَّهُمْ زَادَةُ الرُّوْمِ وَأَنْصَارُ الشِّرْكِ أَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ مِنْ أَيَّامِكَ أَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ عَلٰى عِبَادِكَ۔ (محاضرات الخضری بک ص ۱۹۲/۱)

اللہ، اللہ، تم عرب کے سردار ہو، اور اسلام کے مددگار، اور یہ لوگ روم کے بے انداز لوگ ہیں اور شرک کے مددگار، اے اللہ تیرے دنوں میں سے ایک دن ہے، اے اللہ اپنی نصرت اپنے بندوں پر اتار۔

اس جنگ میں عورتوں نے بھی حصہ لیا، اور یہ خطرناک جنگ یرموک کے میدان میں لڑی گئی، اور بڑی خطرناک جنگ کی حیثیت سے لڑی گئی، اور تقریباً تین ہزار مسلمان اس جنگ میں کام آگئے جن میں بڑے بڑے بزرگ صحابہؓ۔ اور بڑے بڑے قائد و شہسوار بھی موجود تھے، بالآخر رومیوں کو شکست ہوئی اور روم کی فوجیں بھاگ نکلیں تو ہرقل نے محسوس کیا کہ اب یہاں ٹھہرنا خطرناک ہے، حمص چھوڑ کر بھاگ نکلا، چلتے وقت حمص کی دیواروں کو خطاب کر کے کہتا ہے:۔

سَلَامٌ عَلَيْكِ يَا سُوْرِيَا سَلَامًا لَا لِقَاءَ بَعْدَهٗ (محاضرات الخضری بک ص ۱۹۳/۱)

اے سوریا تجھ پر سلام، میرا آخری سلام لے کہ اب اس کے بعد تجھ سے ملاقات نہ ہوگی۔

اسی اثناء میں حضرت صدیق اکبرؓ نے وفات کی حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں ادارۂ اسلامیہ کو چند حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، اور ہر حصہ پر اپنا امیر مقرر فرماتے، یہی امیر اقامت نماز، اور قضایا کا فیصلہ کرتا اور یہی امیر حدود بھی قائم کرتا۔

صدیق اکبرؓ کا ایثار

حضرت صدیقؓ خلافت سے پہلے تجارت کیا کرتے تھے، خلافت کے بعد بھی تقریباً چھ ماہ تجارت کرتے رہے، جب آپ نے دیکھا کہ تجارت اور خلافت دونوں کام انجام نہیں دیئے جا سکتے۔ کہنے لگے واللہ تجارت، اور لوگوں کی خدمت ناممکن ہے، حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے جمع ہو کر روزانہ دو درہم مقرر کر دئیے، اور موسم حج میں حج و عمرہ کا خرچ اور اس طرح چھ ہزار درہم یعنی ۱۲۸ گنی مصری مقرر کر دیا گیا، لیکن آخر دم تک آپ کو یہ درہم کھٹکتے تھے، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ میرے مرنے کے بعد میری فلاں زمین فروخت کر دینا اور مسلمانوں کے مال میں جمع کرا دینا۔

آخر ۱۳ھ کو آپ کو بخار ہوا ۱۵ روز آپ بیمار رہے اور ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء کو وفات فرمائی۔ اور دو سال تین مہینہ دس دن خلافت کبریٰ کے کام نہایت خلوص و ایثار کے ساتھ انجام دیئے، اور ملاء اعلیٰ کو جا سدھارے، اور اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کی خلافت،

حضرت صدیق رضؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی، کہ خدائی دستور العمل، فطری آسمانی نظام کو چلائے، بیعت خلافت کے بعد حضرت عمر رضؓ ممبر پہ چڑھے اور چند کلمات کہے، ان کلمات سے آپ کی سیاست کا پورا پتہ چلتا ہے۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْعَرَبِ مَثَلُ جَمَلٍ اَنِفٍ اِتَّبَعَ قَائِدَہٗ فَلْیَنْظُرْ قَائِدُہٗ اَیْنَ یَقُوْدُہٗ۔ اَمَّا اَنَا فَوَرَبِّ الْکَعْبَۃِ لَاَحْمِلَنَّکُمْ عَلَی الطَّرِیْقِ۔	میری مثال جمل الفناس اونٹ جیسی ہے جو ذلیل و خوار بن کر چلتا رہتا ہے اس کی نکیل پکڑ کر جدھر لے جانا چاہو لے جاؤ۔ تو اس کے قائد کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ کدھر اس کو لے جانا چاہیئے۔ تو قسم رب کعبہ کی میں تمہیں سیدھے راستے پہ لے جاؤں گا۔
(محاضرات الخضری ص ۱۹۸ ج ۲)	

یہ حضرت فاروق اعظم رضؓ کی سیرت پاک کی طرف بہترین اشارہ ہے، قوم و ملت کی خدمت مسئولیۃ کبریٰ کی انتہائی جوابداری کی، اور امت اسلامیہ کے لئے دستور آسمانی چلانے والے کے لئے فطری نظام کو چلانے والے کی بہترین تعبیر ہے، ایک بہترین قائد کی مسئولیۃ کبریٰ کی بہترین تشریح ہے، کہ یہ امت اسلام کو کسی خطرے میں نہیں گرنے دے گا، بلکہ ان کے لئے وہ راستہ اختیار کرے گا جو سہل و آسان۔ اور خدائی نظام، آسمانی دستور العمل کو پوری قوت سے چلائے گا۔

عہد فاروقی رضؓ کی فتوحات

جب حضرت صدیق اکبر رضؓ نے خالد بن الولید رضؓ کو عراق بلایا اور لکھا کہ اس نواح میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضؓ کو حاکم بنا کر تم جلد آؤ۔ اور آدھی فوج ان کے پاس چھوڑ دو اسی اثناء میں

ایرانی فوجیں پوری طرح منظم ہو چکی تھیں۔ حضرت مثنیٰ رضؓ سپہ سالار اسلام کی طرف اقدام شروع کیا۔ بابل کے قریب جنگ شروع ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا۔ ایرانیوں کے پرے کے پرے کاٹ کر رکھ دئے، بہمن اور اس کا لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ اب ایرانی فوجیں مدائن میں جمع ہونا شروع ہوئیں، مگر جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں ان کی زندگی ہی کچھ دوسری ہوتی ہے، حضرت مثنیٰ رضؓ بھی مدائن پہنچ گئے، لیکن ادھر کئی دن سے حضرت صدیق اکبرؓ کا کوئی خط نہیں آیا تھا۔ ادھر ایرانی فوجیں بے شمار جمع ہو گئی تھیں، جس کا مقابلہ دشوار تھا۔ آخر بشر بن الخصاصیہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، اور خود مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے کہ وہاں کی کچھ خبر نکالیں اور اپنی یہاں کی کیفیت سے مسلمانوں کو آگاہ کریں۔ اہل ردہ توبہ وندامت کر ہی چکے تھے، مہاجرین کی امداد کے لئے ان کو تیار کر لیا جائے۔ حضرت مثنیٰ رضؓ مدینہ طیبہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت صدیق رضؓ بیمار ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو بلایا، اور کہا میری موت اب قریب ہے، اور مجھے موت کا یقین ہو چکا ہے، میں مر جاؤں تو شام نہ ہونے دینا اپنے ہاتھ بیعت لے لینا، اور مثنیٰ کے ہمراہ لشکر کر دینا، میری موت کی مصیبت میں تم ہرگز مشغول نہ ہونا، اگر تمہارے نزدیک دین کی عظمت اور اللہ کی وصیت کی طرف تمہاری نگاہ ہے تو تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مجھے دیکھا تھا، کہ میں نے کیا کیا تھا۔ حالانکہ مخلوق کے لئے اس سے بڑی مصیبت کوئی نہیں تھی، اگر تم نے اس بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی پیروی نہ کی تو ہم ذلیل ہو جائیں گے، اور ہر طرف سے ہر جانب سے دشمن دھاڑ پڑیں گے، مدینہ طیبہ شعلہ آتش بن کر رہ جائے گا۔ اگر اللہ تعالےٰ امرا رشام کو فتح دیدے تو خالد کو اور خالدؓ کے ساتھیوں کو عراق بلالو، کیونکہ یہ لوگ یہاں کے والی ہیں اور لوگ ان سے مانوس ہیں۔

اسی دن حضرت صدیق رضؓ نے وفات فرمائی، اور خلافت کبریٰ کے لئے حضرت فاروق اعظمؓ عمر بن الخطاب کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ حضرت فاروقؓ نے ایران کی فتح کے لئے بھرتی کرنیکا اعلان کر دیا، اور نہایت تیزی کے ساتھ بھرتی ہوگئی، اور ابو عبیدہ بن جراحؓ کی قیادت میں روانہ ہو گئے، حضرت مثنیٰؓ تمام افواج کے سپہ سالار تھے، اور اس وقت ایران شعلۂ آتش بنا ہوا تھا، مختلف وبنا ملک کی دوچار تھا، تھوڑی سی مدت میں نو حکمران دعویداران سلطنت کھڑے ہوتے اور قتل ہوتے، اب ایرانیوں کے لئے سنبھلنا دشوار تھا، آخر ملکہ پوران جو ایران میں نہایت مقبول تھی، حکمران منتخب ہوئی۔ اور رستم کو شریک ملک بنا کر قائد افواج مقرر کیا۔

اس سے حالات کچھ درست ہو گئے، اب رستم نے ان دیہاتیوں کے پاس جو مسلمانوں کی حکمرانی میں داخل ہو گئے تھے یہ خبر بھیج دی کہ تم بھی شورش برپا کردو، اسی اثنا میں حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ حیرہ پہنچے، کچھ آرام کیا۔ فوج کو مرتب کیا، اور ایرانیوں کی تفتیش حالات کرکے آگے بڑھے، معلوم ہوا نمارق میں ایرانیوں کی فوجیں جمع ہیں۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنی فوجیں لے کر آگے بڑھے، گھمسان کی جنگ ہوئی، جابان ایرانی افواج کا سپہ سالار گرفتار ہوا، یہ بڑا عیار تھا، مکر وخدع سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا تھا اس کو کسی مسلمان نے امان دے دی تھی، آخر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا، انھوں نے حالت کا جائزہ لیا اور آخری فیصلہ یہ دیا کہ کسی مسلمان نے اس کو امان دے دی ہے۔

اب دونوں لشکر آمنے سامنے جنگ کرنے لگ گئے گھمسان کی جنگ ہوئی، اور آخر تائید الٰہی نے مسلمانوں کو فتح دی، ایران کا لشکر بھاگ کر کسکر پہنچا، یہاں بھی سخت ترین جنگ ہوئی، اور ایرانیوں کو شکست ہوئی، رستم کو معلوم ہوا تو اس نے بہمن جاذویہ کی قیادت میں فوجیں روانہ کیں، اس مرتبہ ایرانیوں نے ہاتھیوں کا مقدمۃ الجیش تیار کیا، عرب لوگ ہاتھیوں کے مقابلہ میں لڑنا نہیں جانتے تھے،

غرض! بہمن نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ تم اس ندی سے اس پار آجاؤ، یا ہم اس پار آجائیں، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ندی عبور نہ کی جائے، لیکن اسلامی لشکر نے جواب دیا، ہم سے زیادہ ایرانی موت کے لئے جرأت نہیں کرسکتے، آخر فرات ندی عبور کرکے اس پار پہنچے اور پل جو عبور کے لئے بنایا گیا تھا اسے توڑ دیا، گھمسان کی جنگ ہوئی، مسلمانوں نے دیکھا کہ ہاتھیوں نے بہت اودھم مچادی ہے، گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹنا، اور تلواروں اور نیزوں سے ان کے پیٹ چاک کرنا شروع کردیا، آخر ایک سفید ہاتھی نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کردیا جس سے وہ شہید ہوئے، حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے صبر وجہاد کی تلقین کی اور فرات عبور کرکے واپس آگئے، اور چونکہ پل توڑ دیا گیا تھا، اس لئے مسلمانوں کو فرات عبور کرنا بہت دشوار تھا، لیکن حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جلادت نے اس وقت بہت مدد کی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے تازہ دم فوجیں روانہ کیں، جب فوجیں پہنچ گئیں تو پھر ایرانیوں کے قائد نے حضرت مثنیٰ کو لکھا کہ آپ اس دریا کو عبور کرکے ادھر آئیں یا ہم ادھر آجائیں۔ اور آخری فیصلہ یہ ہوا کہ ایرانی لشکر دریا عبور کرکے اس پار آگیا، اور دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہوگئی، مسلمانوں نے اس بہادری سے

کام کیا کہ ایرانیوں کے چھکے چھوٹ گئے، تقریباً ایک لاکھ ایرانی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اور چند بوڑھوں کے سوا تمام قتل کر دیئے گئے، اب ایرانیوں نے کچھ سنبھل کر دوسری جنگ کی تیاری کر لی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے چار ہزار فوج اور روانہ کر دی، اب کل آٹھ ہزار فوج سے ایرانیوں کا مقابلہ تھا، حضرت مثنیٰؓ بھی زخم کی وجہ سے انتقال کر گئے، اب اسلامی افواج کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاصؓ تھے، حضرت سعدؓ اسلامی لشکر لے کر قادسیہ پہنچے، یہاں فوج کی جانچ کی گئی تو کل تیس ہزار فوج تھی، اور دشمنوں کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ تھا، حضرت سعدؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو خطرات کی خبر دی، حضرت فاروق اعظمؓ نے لکھ بھیجا کہ اللہ تعالےٰ سے مدد مانگو، اور اسی پر بھروسہ کرو، اور جنگ سے پہلے چند ہوشیار آدمیوں کو دعوت اسلام دے کر بھیجو، ممکن ہے تمہاری دعوت اور دعا ان کی تذلیل و توہین کا موجب بن جائے، چنانچہ حضرت سعدؓ نے وفد بھیجا۔ وفد ناکام واپس پھرا، ایک ٹوکرا منگوا کر اس میں مٹی بھر کے اسلامی وفد کے سر پر رکھ دیا کہ یہ لو تم ہماری سرزمین لینا چاہتے ہو تو یہ لے جاؤ، حضرت عمرو بن العاصؓ آگے بڑھے، اور کہا یہ ٹوکرا میرے کندھوں پر رکھ دو، میں ان کا سردار ہوں، اور اس نے وفد سے کہا، تمہارے مقابلہ کے لیے میں رستم کو بھیجتا ہوں وہ تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کریگا۔ وفد واپس لوٹا اور ٹوکرا پیش کیا اور کہا، واللہ! یہ ملک کی کنجیاں ہیں، گو یزدجرد نے اسلامی وفد کے ساتھ سلوک اچھا نہیں کیا، لیکن وفد کا کافی اثر پڑا، اسلامی جرأت و جلالت اس پہ کافی سے زیادہ اثر انداز ہوئی، تا آنکہ رستم بھی جنگ سے پہلے جان بچانے کی فکر میں لگ گیا، مگر لاچار تھا، یزدجرد نے اسے مجبور کر دیا کہ لڑائی لڑنی ہوگی، ادھر مسلمانوں نے کہا تین باتوں میں سے ایک قبول کر لو، اسلام قبول کر لو، یا جزیہ دے کر ہمارے تابع ہو جاؤ۔ یا پھر ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، رستم مجبور ہو گیا، اور لڑائی شروع کر دی، تین دن لڑائی لڑی گئی کوئی نتیجہ نہ نکلا، چوتھے دن اسلامی لشکر بڑے جوش و خروش اور بہادری سے نکلا، اور مرنے ہی کے لئے نکلا، کہ کوئی موت سے ڈرتا ہی نہیں تھا، اور ظاہر ہے کہ ایک مرنے والا سو پہ بھاری ہوا کرتا ہے، اس دن ایرانیوں کے لشکر میں رخنے پڑنے لگے، رستم مارا گیا اور ایرانیوں کے لشکر میں بھگدڑ پیدا ہو گئی، مسلمانوں نے پوری طرح ان کا تعاقب کیا، بے شمار ایرانی مارے گئے، مال غنیمت اس قدر ہاتھ لگا جس کا حساب نہیں، اس شکست کے بعد ایرانیوں کا سنبھلنا مشکل تھا، نہ سلطنت رہی نہ دارالسلطنت رہا، قادسیہ کا انجام وہی ہوا جو یرموک میں رومیوں کا ہوا تھا، ۱۴ھ کا واقعہ ہے اس دن سے اسلام کا ستارہ چمکنے لگا، اور ایرانیوں کا ستارہ

ڈوبنے لگا، اکثر بڑے بڑے شہر مثلاً بابل اور موصل، حلوان، تکریت، قرقیسیا، اور جزیرہ کے اکثر شہروں پر اسلام کا قبضہ ہو گیا، آخر یہ کہ مدائن جس میں ایوان کسریٰ تھا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا مال و دولت اس قدر ہاتھ لگی جس کا اندازہ مشکل ہے، حضرت سعد بن وقاصؓ نے اس مال میں سے خمس الگ کر لیا، اور باقی سارا مال اسلامی لشکر پر تقسیم کر دیا۔ تاج کسریٰ، اور کسریٰ کے اسلحہ و ہتھیار اس کا لباس، اور فرش و فروش حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا، تاکہ مدینہ منورہ کے مسلمان دیکھیں، اور اس زبردست فتح پر خدا کا شکر بجا لائیں۔ اب سارا ایران اسلام کے قبضے میں ہے، جزیرہ، ردمیہ کرمان، آذربائیجان، ہمدان اصبہان، خراسان، طبرستان، رے، وغیرہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، اس سارے ملک پر حضرت سعدؓ کی حکومت تھی، انھیں کو اس ملک کا عامل مقرر کیا گیا اور کوفہ کو اس کا مرکز بنایا۔

فتوحات بلاد روم

یرموک کا واقعہ خلافت فاروقی میں انجام کو پہنچا، عہد صدیقیؓ میں یرموک پر حملہ ہوا، حملہ کے دوران میں حضرت صدیقؓ کی وفات۔ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی خبر پہنچی حضرت عمرؓ کا فرمان پہنچا کہ ابی عبیدہ بن الجراح کی قیادت میں کام کریں، مسلمان کس طرح اور کیونکر لڑے اور کیسی خطرناک جنگ کو فتح کیا تا آنکہ یرموک کو فتح کر لیا۔ اور آگے بڑھتے ہی چلے گئے، تا آنکہ فحل، اردن وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اس وقت سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن الولیدؓ تھے، یرموک کے میدان میں بڑی جنگ ہوئی، اور بالآخر رومیوں کو شکست فاش ہوئی ۱۳ھ ماہ ذی قعدہ میں جبکہ حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کو چھ ماہ ہو چکے تھے، یرموک کو مسلمانوں نے پوری طرح فتح کر لیا۔

یرموک کی فتح رومی حکومت کا خاتمہ تھا، ۱۸ھ میں حضرت عمر بن الخطابؓ بغرض صلح شام تشریف لے گئے، اور اہل بیت المقدس سے صلح کر لی، اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو مصر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت عمرؓ کو مصر پر حملہ کرنے میں کچھ پس و پیش تھا، لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ برابر انہیں ترغیب دلاتے رہتے تھے، اور کہتے رہتے کہ اے امیر المومنینؓ اگر مصر آپ نے فتح کر لیا تو سمجھئے مسلمانوں کی قوت و طاقت میں بہت کچھ اضافہ ہو جائیگا، مال و دولت اس قدر ہاتھ لگے گی کہ حد شمار سے باہر ہو گی، اور کوئی طاقت پھر مسلمانوں کے مقابلہ میں ابھر نہیں سکے گی، بالآخر حضرت عمر بن الخطابؓ نے چار ہزار بہادر ان کے ساتھ

کر دیئے، اور کہا تم جاؤ۔ اور میں خدا کی جناب میں استخارہ کروں گا، میرا خط تمہیں جلد سے جلد مل جائے گا اگر زمین مصر میں داخل ہونے سے پیشتر میرا خط تمہیں ملے تو تم واپس لوٹ جانا، اور اگر زمین مصر میں داخل ہو چکے ہو تو تم مصر پر حملہ کر دینا، اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے استعانت و امداد طلب کرنا اور اسی سے مدد مانگنا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ مع اپنے ساتھیوں کے فراعنہ مصر کی زمین کی طرف بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ سرغ (اور فتح) پہنچے، حضرت عمر بن الخطابؓ کا فرمان پہنچا، لیکن یہ ڈر تھا کہ خط میں کہیں واپسی کا حکم نہ دیا ہو، عریش کے قریب پہنچے تھے حکم دیا کہ جلد آگے بڑھو عریش پہنچکر حضرت عمر بن الخطابؓ کا خط کھولا، اور مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا، اس میں وہی لکھا تھا جو پہلے آپ کہہ چکے تھے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے پوچھا آج ہم کہاں ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا عریش مقام پر، کہا یہ شام کی زمین ہے یا مصر کی؟ انھوں نے کہا مصر کی، بہت خوش ہوئے اور کہا چلے چلو، بڑھے چلو خدا کی برکت اتنے گی۔ فرما تک پہنچے یہاں رومیوں کے دستوں نے مزاحمت کی، پورے ایک مہینہ تک یہ مزاحمت جاری رہی، اور بالآخر مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا،

اب حضرت عمرو بن العاصؓ نے محسوس کیا کہ رومیوں کی فوج بہت زیادہ ہے اور منظم ہے حضرت عمر بن الخطابؓ سے امداد کی درخواست کی، اور فوج کو آہستہ آہستہ چلنے کا حکم دیا کہ مرکز سے حضرت عمر بن الخطابؓ کی کمک آ جائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس چار ہزار فوج تھی چار ہزار دوسری فوج حضرت عمر بن الخطابؓ نے بھیجی، حضرت عمروؓ ام دنین تک پہنچ چکے تھے، مسلمانوں نے حملہ کر کے ام دنین کے مضبوط قلعے پر بھی قابو پا لیا، اس کے بعد مجاہدین اسلام قلعہ بابلیون کی طرف بڑھے حضرت عمر بن الخطابؓ نے چار ہزار فوج اور بھیجدی، اب کل بارہ ہزار فوج ہوگئی، ادھر پرے کے پرے لگے ہوئے ہیں، اور پوری طرح منظم ہے، اور پھر رومیوں نے قلعہ کے باہر خندق کھودی تھی، اور پھر لوہے کے کانٹوں سے اسے گھیر لیا تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے منجنیق (گوپھن) لگا دی جو قلعہ پر پتھر پھینکا کرتی تھیں، لیکن باوجود اس کے وہاں کوئی اثر نہیں ہونے پاتا تھا، حضرت زبیر بن العوامؓ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے میں اپنی جان خدا کے لئے وقف کرتا ہوں، ممکن ہے اس طرح خدا مسلمانوں کو فتح دیدے، انہوں نے ایک سیڑھی تیار کی قلعہ کی ایک جانب ٹیک دی، اور کہا جب میں اوپر جا کر نعرۂ تکبیر بلند کروں تو جواب میں تمام مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر بلند کریں، یہ کہہ کر حضرت زبیر بن العوامؓ

قلعہ پر چڑھے، ہاتھ میں تلوار تھی نعرۂ تکبیر بلند کیا، لوگ سیڑھی کے ارد گرد جمع ہوگئے، نعرۂ تکبیر سے قلعہ والوں کو یہ یقین ہوگیا کہ عرب ہجوم کر کے آ گئے ہیں، جو لوگ قلعہ میں تھے، ادھر ادھر اور کچھ سیڑھی کی طرف دوڑ پڑے، اور اس پر قبضہ کر لیا، حضرت زبیر بن العوامؓ اور کچھ مسلمان اس میں محصور ہوگئے، اب مقوقس نے اشارہ کیا کہ وقت صلح کا ہے ایسی شرائط پیش کرو جو دونوں کے حق میں قابل قبول ہوں، حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہلوایا تم اپنے نمائندے بھیج دو، انہوں نے دس آدمی تیار کئے جس میں حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی تھے، یہ کالے رنگ کے لمبے تڑنگے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا بات چیت یہی کریں گے، اور ان کو کہہ دیا تین چیزوں میں جو منظور کریں اسے قبول کرلو، اسلام قبول کرلیں، یا پھر جزیہ دینا منظور کرلیں، یا پھر تلوار جو فیصلہ کرے۔ چنانچہ وفد کشتی میں سوار ہو کر مقوقس کے پاس پہنچا، حضرت عبادہؓ گفتگو کے لئے آگے بڑھے مقوقس نے کہا:۔

نَحُّوا عَنِّيْ يَا أَسْوَدُ۔ وَ قَدِّمُوا غَيْرَهُ لِيُكَلِّمَنِيْ فَإِنِّيْ أَهَابُ سَوَادَهُ۔ (تاریخ اسلام)

اے کالے کلوٹے مجھ سے دور رہ، اور وفد سے کہا کہ دوسرے کو میرے پاس پیش کرو کہ وہ گفتگو کرے، کیونکہ میں اس کی سیاہی سے ڈرتا ہوں۔

وفد کے اراکین نے کہا:۔

إِنَّ هٰذَا الْأَسْوَدَ أَفْضَلُنَا رَأْيًا وَ عِلْمًا وَ هُوَ سَيِّدُنَا وَ خَيْرُنَا وَ الْمُقَدَّمُ فِيْنَا وَ إِنَّا نَرْجِعُ جَمِيْعًا إِلَى قَوْلِهِ (تاریخ اسلام رزق اللہ ص۳۲ ج۱)

یہ کالا ہم میں سب سے بہتر رائے رکھتا ہے اور صاحب علم بھی ہے، یہ ہمارا سردار، اور ہم میں سب سے بہتر ہے، ہمارا پیشوا ہے اور ہم سب اس کی بات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

مقوقس نے کہا اچھا آگے آؤ بات چیت کرو، لیکن ذرا آہستہ بات کرنا میں تمہاری سیاہی سے ڈرتا ہوں، اگر تم بات چیت سخت کرو گے تو میں ڈر جاؤں گا، حضرت عبادہؓ آگے بڑھے۔ اور جواب دیا میں ایک ہزار آدمی ایسے چھوڑ رہا ہوں جو مجھ سے زیادہ سیاہ اور کالے ہیں، اور الحمد للہ کہ میں ایسے سو آدمی ہوں تو بھی نہیں ڈرتا، اور یہ اس لئے کہ ہماری رغبت اور خواہش جہاد فی سبیل اللہ اور رضاء الٰہی کی آرزو ہے، جہاد سے ہمارا مقصد نہ مال ہے، نہ دولت، غنیمت کا مال ہمارے لئے حلال کیا گیا ہے، اس سے زیادہ دنیا ہمیں درکار نہیں، نعیم آخرت ہمیں درکار ہے، اور ہمارے رب نے اسی کا ہمیں حکم دیا ہے، ہمیں صرف یہ چاہیے کہ بھوک کے لئے روٹی اور ستر کے لئے کپڑا، ہماری ہمت و توجہ پروردگار عالم کی رضامندی ہے۔ اور اس کے دشمنوں سے

جہاد کرنا، ہمارا یہی مقصد ہے۔

مقوقس اس گفتگو کو سُن کر کہنے لگا، واللہ ان کا بادشاہ ساری دنیا کو خراب کر یگا، اور سب پر غالب آجائے گا، مقوقس اس وقت بڑا پریشان تھا، اسلامی وفد سے کہا تم لوگ جاؤ اور اپنے امیر کو بھیجو کچھ راستہ نکل آئے گا، حضرت عبادہؓ اور ان کے ساتھی واپس آئے اور مقوقس سے جو بات چیت ہوئی تھی وہ پیش کی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر مقوقس کے پاس پہنچے، فریقین میں گفتگو کے بعد جزیہ پہ صلح ہوئی۔ اور حضرت عمروؓ نے قبطیوں کے لئے امن لکھ دیا، مقوقس نے ہرقل کو لکھ بھیجا کہ اس طرح جزیہ پر مصالحت ہوئی ہے، ہرقل بہت بگڑا، اور لکھا ہمیں یہ منظور نہیں، مقوقس نے ہرقل کا جواب حضرت عمرو بن العاصؓ کے سامنے پیش کیا، لیکن اپنی جانب اور قبطیوں کی جانب سے صلحنامہ پر دستخط کر دیئے، اور اپنے کو رومیوں سے منقطع کر لیا، حضرت عمروؓ نے مقوقس اور قبطیوں کو پورا پورا اطمینان دلایا، اور کہا اب تم ہمیں اسکندریہ پہنچنے کا راستہ بتلاؤ، چنانچہ ان لوگوں نے راستہ بتلا دیا، اور عرب حضرت عمروؓ کی قیادت میں اسکندریہ پہنچے اور اسکندریہ کا سخت محاصرہ کر لیا، جو عرصہ تک قائم رہا لیکن اسکندریہ والوں کے لئے دریائی راہ کھلی ہوئی تھی، خود عمروؓ اور وردان اور قائد سلمہ بن مخلد اور وردان حاکم اسکندریہ کے پاس بطور وفد پہنچے، ان حضرات کا وہی کہنا تھا، جو پہلے کہتے تھے، حاکم اسکندریہ کو شبہ ہوا کہ یہی ان عربوں کا سب سے بڑا سردار ہے، اور اپنی زبان میں ان کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا، وردان یونانی زبان جانتے تھے، سمجھ گئے کہ معاملہ دگرگون ہے، حضرت عمروؓ کو اشارہ کیا اور وردان نے تلاق شروع کر دیا، اور آخر میں سخت وسست کہنا شروع کر دیا، کہ تم کون ہوتے ہو، تم ایک دیہاتی آدمی ہو، تم نہیں جانتے کہ تمہارے امیر کا کیا منشاء ہے، اس باہمی تلخ کلامی سے حاکم اسکندریہ کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور انہیں رہا کر دیا، اور کہا جاؤ تم اپنے امیر کو بھیجو، آخر یہ لوگ اسکندریہ سے ناکام واپس لوٹے، اسکندریہ کے لوگ محاصرے سے تنگ آچکے تھے۔ دریائی راہ سے بھاگنے لگے، اور جو اسکندریہ میں رہ گئے تھے، ان میں مقاومت کی طاقت نہیں تھی، حضرت عمروؓ نے پوری طاقت سے حملہ کا حکم دیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے قلعہ فتح کر لیا، شروع محرم سنہ ۲۰ھ مطابق ۲۲ دسمبر سنہ ۶۴۲ء میں حضرت عمروؓ کا تقرر ہوا اور مین جمعہ کے دن شہر میں داخل ہوئے، حضرت عمر بن الخطابؓ کو خط لکھا، اور فتح کی خوشی میں ایک زبردست جلسہ کیا، حضرت عمروؓ نے یہاں کا امیر و عامل انہی کو مقرر کیا، حضرت عمروؓ نے نظام داخلی شروع کر دیا فسطاط کی تعمیر، جامع عمروؓ کی تعمیر، نظام عدالت کی طرف توجہ کی، اور خلیج امیر المؤمنین جو دریا سے

نیل تک جاتی ہے کھدوائی۔

فتح طرابلس غرب، برقہ وغیرہ

۲۲ھ میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے برقہ پر حملہ کیا، اس کے بعد طرابلس غرب پر حملہ کر دیا شہر کا محاصرہ کر لیا، ایک مہینہ تک محاصرہ رہا، تا آنکہ ایک روز شکار کے لیے چند سپاہی نکلے انھوں نے دریائی راہ پالی۔ وہاں سے داخل ہوئے، اور نعرۂ تکبیر بلند کر دیا ادھر حضرت عمروؓ فوج لے کر آگے بڑھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے شہر فتح کر لیا، بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا، اور جزیہ پر صلح کر لی۔

ادھر دوسرے مسلمان حملہ آور ہوئے مرج الروم، اور حمص، قنصرین، بیت المقدس وغیرہ فتح کرتے چلے گئے۔ ایلیا، جو عیسائیوں اور یہودیوں کا دینی مرکز تھا اس پر حملہ کیا، اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ سے عاجز آکر صلح کی درخواست کی لیکن شرط یہ ٹھہرائی کہ خود امیر المومنین عمر بن الخطابؓ یہاں تشریف لائیں اور ان کے ہاتھ عقد صلح ہو، حضرت عمرؓ نے شام کا ارادہ کر لیا۔ اور تمام امراء شام کو خطوط لکھے کہ جابیہ میں آکر مجھ سے مل لو، چنانچہ سب سے پہلے یزیدؓ، ابو عبیدہؓ، اور پھر خالد بن الولیدؓ پہنچے، یہ گھوڑوں پر سوار تھے، دیباج اور حریر کا لباس زیب تن تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا سواری سے اتر گئے، اور ان کو پتھر لگانا شروع کر دیا، اور کہنے لگے دو برس میں تم نے اپنا یہ حال بنا دیا، پیٹ بھر بھر کے خوب کھایا، اگر دو سو برس کے بعد بھی تم ایسا کرو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ ان حضرات نے جواب دیا حضرت ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کپڑے اوپر پہن رکھے ہیں۔ تاکہ یہاں کے دستور کے بموجب آپ کا استقبال ہو۔ اندر اسلحہ موجود ہیں۔ آپ نے کہا پھر ٹھیک ہے۔ یہاں ایلیا کا وفد بھی آیا، اور معاہدہ لکھا گیا، حضرت خالد بن الولیدؓ۔ اور حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، اور حضرت معاویہ بن سفیانؓ کے بطور گواہ دستخط ہوئے، اور ۱۵ھ کو ان لوگوں کو امان دی گئی۔ پھر بیت المقدس تشریف لائے، اور کنیسہ قیامۃ میں قیام رہا۔ نماز کا وقت آیا آپ نے کہا میں تبرک کی غرض سے نماز پڑھنا چاہتا ہوں، ان لوگوں نے کہا یہیں پڑھ لیجئے، آپ نے انکار کیا کہ میرے بعد مسلمان یہ کہہ کر کہ یہاں عمرؓ نے نماز پڑھی ہے قبضہ کریں گے، اور دوسری جانب جاکر نماز گذاری، اور لکھ دیا اس جگہ کوئی مسلمان اذان اور نماز نہ پڑھے۔

اس کے بعد آپ نے کہا یہاں میں مسجد تعمیر کرنا چاہتا ہوں، ان لوگوں نے صخرہ پر جہاں

حضرت داؤدؑ سے اللہ تعالےٰ ہم کلام ہوا تھا مسجد تعمیر کی۔

جب ایلیا والوں نے اپنی ہم قوم عیسائیوں، اور مسلمانوں کے سلوک میں زمین و آسمان کا فرق پایا کہ وہ نہایت ظلم کرتے تھے، اور مسلمان سراسر انصاف اور مساوات کا سلوک کرتے ہیں تو نہایت تیزی سے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اکثر عیسائی مسلمان ہو گئے۔

دوسری مرتبہ ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ نے سفر شام کیا، آپ کے ہمراہ مہاجرین اور انصار کافی تعداد میں موجود تھے، جب حضرت فاروقؓ مقام سرغ میں پہنچے جو حجاز و شام کی سرحد ہے خبر ملی کہ وہاں طاعون چل رہا ہے، آپ نے مہاجرین اولین کو سب سے پہلے پوچھا، اور مشورہ لیا، ان میں مسئلہ کے بارے میں اختلاف تھا، آپ نے عام مہاجرین اور انصار کو جمع کرنے کا حکم دیا، ان میں بھی اختلاف رہا، آپ نے فتح مکہ کے وقت جو مہاجر وہاں موجود تھے انہیں بلایا اور مشورہ کیا، ان میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں تھا، آپ نے اعلان کرا دیا کہ یہاں سے واپس لوٹ جائیں چنانچہ سب واپس لوٹ گئے۔

آپ کی واپسی کے بعد طاعون سخت ہو گیا، بڑے بڑے لوگ اس طاعون میں انتقال کر گئے، ابو عبیدہ بن جراحؓ، معاذ بن جبلؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، حارث بن ہشامؓ، سہل بن عمروؓ، عتبہ بن سہیلؓ وغیرہ اس طاعون میں کام آ گئے، اور اس وقت یہ طاعون گیا جبکہ عمرو بن العاصؓ یہاں کے حاکم مقرر ہوئے، اور انہوں نے کہا لوگو یہ آگ ہے، اور آگ سے بچو، پہاڑوں پر چلے جاؤ، چنانچہ لوگوں نے اس پر عمل کیا، اور مصیبت ٹل گئی، حضرت عمر بن الخطابؓ کو اس کی اطلاع دے دی گئی، تو اس فعل کے متعلق کچھ اعتراض، سوال جواب نہیں کیا۔

اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے شام کا سفر کیا، تاکہ طاعون کے مصیبت زدہ لوگوں کی دل جوئی کریں، اسی اثنا میں نماز کا وقت آ گیا، لوگوں نے کہا حضرت بلالؓ کو حکم دیدیجئے کہ وہ اذان پکاریں۔ جب بلالؓ نے اذان کہی تو تمام صحابہؓ جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا دوڑ پڑے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آ گیا، ایسے روئے کہ لوگوں کی ڈاڑھیاں وغیرہ تر ہو گئیں، حضرت عمرؓ سب سے زیادہ روئے، انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سب سے زیادہ یاد آ گیا۔

یہ ہیں وہ فتوحات جو دس سال سے بھی کم میں حاصل کیں، ایران ختم ہو گیا، ادھر نہر سندھ اور نہر جیحون تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

ادھر روم کی حکومت کا بڑا حصہ، اور شام وغیرہ اسلام کے قبضہ میں آگیا، اسلامی عدل و انصاف آسمانی دستور العمل سے بہت خوش تھے، ان کے سروں سے شاہان جبروت، اور جبابرہ ملک، فراعنہ کا وبال ٹل گیا، فطری حکومت انھیں مل گئی، ہر شخص آزاد، خداترس، خداپرست، خداشناس، عدل وانصاف کا پیکر تھا۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں بڑے بڑے کام کئے اور کتاب اللہ، کتاب الرسول کی پیروی میں ہر امکانی کوشش کی، جس سے دنیا جہان کے لوگوں نے اطمینان کی سانس لی، اور وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

هَلَكَ كِسْرٰى وَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ۔ وَهَلَكَ قَيْصَرُ وَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ وَ لَتُنْفِقُنَّ كُنُوْزَهُمَا۔	کسریٰ ہلاک ہوا اسکے بعد کوئی کسریٰ نہیں، قیصر ہلاک ہوا اسکے بعد کوئی قیصر نہیں، اور تم لوگ ان دونوں حکومتوں کے خزانے خرچ کروگے۔

محکمہ قضاء

حضرت فاروق اعظمؓ نے محکمہ قضاء قائم کیا، اور اس کو امراء۔ والی۔ حاکم سے آزاد رکھا، اور کسی طرح کا انکا اس پر اثر نہیں تھا۔

چنانچہ کوفہ میں شریح ابن الحرثؓ الکندی کو مقرر کیا، انہوں نے ۶۰ سال قضاء کی،
مصر میں قیس بن ابی العاصؓ السہمی کو مقرر کیا جو اسلام میں پہلے قاضی تھے،
ابوالدرداءؓ کو مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔

غرض! یہ کہ نظام قضا باقاعدہ قائم کردیا، اور فیصلہ کے لئے طریقۂ کار مقرر فرمایا، اور اس بارے میں آپ کا وہ خط جو عبداللہ بن قیس رضؓ کو لکھا ہے اصول کا کام دیتا ہے، اور بہت اہم ہے۔ جمہور مسلمانوں نے اس خط کو نظام قضائیہ کی اصل و اساس گردانا ہے۔

عمال اور گورنروں کی مساوات

عمال وگورنر، راعی ورعایا میں مساوات کے خواہش مند تھے، عامل، گورنر اور رعیت کے ایک معمولی فرد کو برابر سمجھتے تھے، ایک عامی آدمی کسی عامل کی شکایت کرتا تو آپ اسے محاکمہ کے لئے بھیج دیتے، اور وہاں دونوں کی ایک حیثیت ہوتی، اور شریعت کے موافق فیصلہ ہوتا،

جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو خدا کی جناب میں پہلے دعا کرتے کہ اے خدا میں اس لئے ان کو نہیں بھیجتا کہ لوگوں کا مال لے لیویں اور نہ اس لئے کہ لوگوں کو ماریں اگر امیر ظلم کرے تو میرے سوا اس پر کسی کی حکومت نہیں۔

ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں آپ نے کہا امراء انصار کے لئے فرمایا کہ اے خدا میں اس لئے ان امراء کو بھیجتا ہوں کہ لوگوں کو دین، درسنت نبوی سکھائیں، اور تقسیم کا موقعہ ہو تو عدل وانصاف کریں، اور اگر کسی بارے میں ان کو اشکال پیش آئے تو مجھ تک پہنچا دیں۔

اور اسی لئے عمال اور والیوں تک جو لوگ شکایت نہ پہنچا سکتے ہوں ان کے لئے موسم حج مقرر کر دیا، کہ ہر ایک آئے اور آزادی کے ساتھ جس سے جس کو شکایت ہو پیش کرے، چنانچہ عام طور عمال وگورنر ڈرتے رہتے تھے کہ مبادا موسم حج میں ان کی رسوائی نہ ہو، حضرت سعد بن ابی وقاص کی نسبت شکایت کی گئی، حالانکہ فاتح قادسیہ اور فاتح مدائن۔ اور کوفہ کو آباد کرنے والے تھے،

بعض لوگوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے متعلق شکایت کی حالانکہ صحابی تھے، اور امیر بصرہ بھی تھے، فتوحات اسلامیہ میں بڑا حصہ تھا ان پر تہمت لگائی، حضرت فاروقؓ نے ان کے متعلق خاص کر کے شکایت سنی، جب مجرم نہ پایا تو ان کو بری کر دیا، اور تہمت لگانے والوں پر حد جاری کی۔

حضرت عمار بن یاسرؓ جو امیر کوفہ تھے اور سابقین اولین میں جن کا شمار تھا شکایت سن کر حضرت فاروقؓ نے ان کو معزول کر دیا۔

اور پھر یہ کہ تمام عمال پر نگرانی کے لئے ایک عامل مقرر کر دیا، جو تمام عمال، حکام، والی، گورنروں کی گھوم پھر کر جانچ پڑتال کرتا، اور جو شکایت ہوتی حضرت عمر فاروق رضؓ کو لکھ کر بھیجتا۔

بیت المال کی حفاظت کرنا آپ کو بہت پسندیدہ تھا، چنانچہ کنانہ پر عقبہ بن ابی سفیان

کو والی بنا کر بھیجا، جب وہ واپس آئے تو اپنے ہمراہ بہت سا مال لائے، حضرت فاروق رض نے کہا یہ مال کہاں سے لائے؟ انہوں نے کہا میں اپنے ہمراہ لے گیا تھا میں نے اسے تجارت میں لگایا، اس میں نفع ہوا ہے، حضرت عمر فاروق رض نے وہ مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا، حضرت عمر فاروق کی شدت و سختی نے رعایا کو عام طور پہ رفاہیت و خوشحالی بخشی،

رعایا کی دیکھ بھال

حضرت فاروق اعظم کی رعایا پروری اور دیکھ بھال کے متعلق سیرت و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں واقعات کا شمار و احصار دشوار ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنی مسئولیت کا خیال کر کے فرمایا "اگر نہر فرات کے کنارے کسی کا اونٹ ضائع ہو تو مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ آل خطاب سے بازپرس کرے گا"

ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا:۔

فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَإِنْ عَدَلْتُ فَقَوِّمُونِي. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ أُخْرَيَاتِ الْمَسْجِدِ لَوْ رَأَيْنَا فِيكَ اعْوِجَاجًا لَقَوَّمْنَاكَ بِسُيُوفِنَا فَسَرَّهُ ذَٰلِكَ۔ (محاضرات خضری ص۱۸۱ ج۲)

اگر میں اچھا کروں تو میری اعانت کرو اگر کجروی کروں تو مجھے سیدھا کرو، تو ایک آدمی مسجد کی آخری صفوں سے چلایا کہ اگر ہم تمہارے اندر کجی پائیں گے تو تلوار کے ذریعہ تم کو سیدھا کریں گے، اس پر حضرت فاروق رض بہت خوش ہوئے۔

رعایا کی نگہداشت کی خاطر آپ رات کو بہت کم سوتے تھے، گشت لگاتے اور دیکھتے کہ کہیں کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے، اس شب گردی کے عجیب عجیب واقعات تاریخ میں درج ہیں۔ جن بیواؤں۔ کنواری عورتوں۔ بوڑھیوں کا وظیفہ مقرر ہوتا گھوم پھر کر اپنے ہاتھ سے پہنچا دیتے، دفتر اپنے ہاتھ میں ہوتا۔

حضرت حسن بصری رح کہتے ہیں حضرت عمر رض فرمایا کرتے تھے:۔

لَئِنْ عِشْتُ لَأَسِيرَنَّ فِي الرَّعِيَّةِ حَوْلًا فَإِنِّي أَعْلَمُ أَنَّ لِلنَّاسِ حَوَائِجَ تُقْطَعُ دُونِي أَمَّا عُمَّالُهُمْ فَلَا يَرْفَعُونَهَا إِلَيَّ وَأَمَّا هُمْ فَلَا يَصِلُونَ إِلَيَّ فَأَسِيرُ إِلَى الشَّامِ

اگر میں زندہ رہا ایک برس رعیت میں گھوموں گا میں جانتا ہوں لوگوں کی ضرورتیں مجھ تک پہنچتی نہیں ہوتیں، ان کے عمال و گورنر مجھ تک نہیں پہنچاتے اور وہ خود بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے میں شام کی سیر کروں گا

فَاُقِيْمُ بِهَا شَهْرَيْنِ ثُمَّ اَعُسُّ الْاَمْصَارَ الْكُبْرٰى يُقِيْمُوْ فِىْ كُلٍّ مِنْهَا شَهْرَيْنِ۔
(محاضرات خضری ص ۲۶۱ ج ۲)

اور دو ماہ قیام کروں گا، اس کے بعد آپ نے بڑے بڑے شہر گنوائے کہ ان میں دو دو ماہ قیام کروں گا۔

لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔

حضرت اسلمؓ کہتے ہیں، ایک روز حضرت عمرؓ اور میں سردی کے موسم میں تاریک رات میں نکلے، دیکھا ایک جگہ ایک عورت چند بچے لئے بیٹھی ہے اور سامنے آگ پر ایک ہنڈیا رکھی ہوئی ہے۔ آپ وہاں پہنچے اور پوچھا یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ کہا بھوک کے مارے! کہا اس ہنڈیا میں کیا ہے؟ کہا خالی پانی، تھپک تھپک کر بچوں کو سلا رہی ہوں، اور ہمارے اور عمرؓ کے درمیان خدا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا عمرؓ کو تمہاری حالت کا علم نہیں ہوگا۔ اس نے کہا ہمارا والی ہے، اور ایسا غافل ہے کہ ہماری خبر نہیں لیتا، اسلمؓ کہتے ہیں ہم دونوں دوڑتے ہوئے بیت المال پر پہنچے، آپ نے ایک بورہ، اور کچھ چربی لی اور اپنے کندھوں پر لادی، میں آگے بڑھا کہ حضرت مجھے اٹھانے دیجئے، آپ نے انکار کر دیا، اور کہنے لگے کیا تم قیامت کے دن میرے گناہ اٹھا لوگے، جب یہ سامان لے کر ہم اس عورت کے پاس پہنچے تو آپ فوراً چولہے کے پاس آگ دھونکنے لگ گئے، اسلمؓ کہتے ہیں آپ کی ریش مبارک بہت گھنی تھی، چولہا پھونکنے کی وجہ سے دھواں اس قدر اٹھتا تھا کہ ڈاڑھی سے دھواں نکل رہا تھا،

غرض! کھانا پکا کر آپ نے سب کو کھلایا، اس عورت نے کہا جزاک اللہ آج تم نے امیرالمؤمنین سے بڑھ کر کام کیا ہے، آپ نے کہا اچھا، جب تم امیرالمؤمنین کے پاس جاؤ تو مجھے تم وہاں ضرور پاؤ گی، تم آنا اور ان سے مل لینا،

اس قسم کے واقعات گو معمولی واقعات ہیں، لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ خوف الٰہی دامنگیر ہے کہ رعیت کا میں والی ہوں، کسی کے حق میں کوتاہی نہ ہونے پائے،

باوجود اس کے لوگ آپ کے کوڑے سے اتنے ڈرتے تھے کہ دوسرے کی تلوار سے نہیں ڈرتے تھے،

عزیمت، صلابت اور سختی کا یہ عالم تھا کہ قریب قریب دس سال کے اندر ایران و روم جیسی دیرینہ سلطنتوں پر قبضہ اور اقتدار قائم کر لیا، رقت و نرمی کا یہ عالم تھا کہ اسلم آپ کا غلام کہتا ہے ایک مرتبہ چند مسلمانوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا۔ آپ عمرؓ سے کہئے

ہمیں ان سے ڈر لگتا ہے، ہم آنکھ بھر ان کو دیکھ بھی نہیں سکتے، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس کا تذکرہ حضرت عمرؓ سے کیا، حضرت عمرؓ بولے کیا یہ لوگ ایسا کہتے ہیں قسم خدا کی میں ان کے حق میں اتنی نرمی کرتا ہوں کہ مجھے خدا کا خوف آتا ہے کہ مجھ سے باز پرس کرے گا۔[1]

عدل وانصاف مساوات ومواسات عفت وامانت کو آپ حد سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، مسلمانوں کے مال کی نگرانی اس قدر کرتے تھے کہ اپنی جان پر تنگی کر لیتے اور ایسی تنگی کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی تھی، آپ ایسا کھانا کھاتے کہ رعایا کا ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کھایا کرتا تھا اور ضرورت سے زیادہ بیت المال سے لیتے نہیں تھے، اگر زیادہ ضرورت ہوتی تو بیت المال کے امین سے قرض لے لیتے، بعض صحابہ کرام آپ کی اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے، ایک جگہ جمع ہوئے جن میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت زبیرؓ بھی تھے کہنے لگے امیر المومنین عمرؓ تکلیف نہ اٹھائیں، بیت المال سے کچھ وظیفہ بڑھا لیویں، سب مل کر حضرت حفصہؓ کے پاس گئے، اور سارا قصہ سنایا، اور کہا آپ حضرت عمرؓ کو کہیے، اور ہمارا نام نہ لیجیے حضرت حفصہؓ نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ قصہ سن کر آپ سخت برہم ہوئے، اور کہا وہ لوگ کون ہیں مجھے بتلاؤ میں ان کی خبر لوں، انہوں نے نام بتانے سے گریز کیا، کہا اچھا بتاؤ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پہنتے تھے؟ کہا پہنتے دو کپڑے، کہا وہ کیا کھاتے تھے؟ کہا جو کی روٹی، حضرت عمرؓ نے کہا آپ کیا بچھاتے تھے؟ انہوں نے کہا ایک سخت قسم کی چادر، گرمی کے موسم میں چار تہہ کر کے بچھا لیتے، اور سردی میں نصف بچھاتے اور نصف اوڑھ لیتے، آپ نے کہا اچھا تو اب تم ان سے کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یہ تھی، میری اور میرے دو ساتھیوں کی حالت یہ ہے، پہلے صاحب اپنا توشہ لے گئے، اپنی منزل کو پہنچے، دوسرے صاحب نے ان کی پیروی کی، وہ بھی منزل کو پہنچے، اب تیسرے صاحب نے اگر ان کی پیروی کی اور اپنا توشہ ساتھ لیا تو ان کے ساتھ رہے گا۔ ورنہ ان سے ملاقات نہ ہو گی۔[2]

مجلس شوریٰ

جب کوئی اہم کام پیش آتا سب سے پہلے عوام سے مشورہ لیتے اس کے بعد خواص، اور بڑے بڑے صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے، اور کہا کرتے،

[1] محاضرات خضری بک ص۱۵۱ ج ۲۔ [2] محاضرات خضری ص۱۶۱ ج ۲۔

لَاخَیْرَ فِیْ اَمْرٍ اُبْرِمَ مِنْ غَیْرِ شُوْرٰی — اس کام میں خیر نہیں جو بغیر شوریٰ طے کیا جائے

آپ کے خاص مشیر یہ حضرات تھے، عباسؓ بن عبدالمطلب، عبداللہ بن عباسؓ یہ دو حضرات سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اور حضرت علی بن ابی طالبؓ جیسے حضرات آپ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

وصف علی الجملہ

رعایا سے بہت محبت تھی۔ ان کے مال سے اکثر گریز کرتے تھے، آپ کے عہد میں قوی طاقتور کسی کو ستا نہیں سکتا تھا، اور ضعیف و کمزور کسی سے ڈرتا نہیں تھا، جو صفات اور خصائص آپ میں تھیں کسی میں نہ تھیں، ایسے ایسے کام آپ نے کئے کہ دنیا میں کوئی نہیں کرسکتا عقل و زیرکی کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ کہتے ہیں:۔

وَلَمْ یَکُنْ ذَالِكَ الْعَقْلُ الْکَبِیْرُ اِلَّا فِیْ رَأْسِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَ صَاحِبَیْهِ۔ (محاضرات ص ۱۹ ج ۲) — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقؓ کے بعد عقل کبیر عمر بن الخطابؓ کے سر میں موجود تھی۔

بعد کے خلفاء راشدین، اور ائمہ مہتدین بھی یہ صفات رکھتے تھے، لیکن یہ تمام صفات ان میں پوری نہیں تھیں، اس نسخہ کی طرح تھیں جس میں ایک جزء دکم ہوگیا ہو۔

اس لئے ہم تصریح کرتے ہیں کہ:۔

اِنَّ الْعَرَبَ بَعْدَ عُمَرَ لَمْ تَجْمَعْ عَلٰی اَیِّ خَلِیْفَةٍ فِیْ زَمَنٍ مِنَ الْاَزْمَانِ حَتّٰی وَقْتِنَا هٰذَا۔ — کہ عرب عمرؓ کے بعد آج تک کسی خلیفہ پر مجتمع نہیں ہوا۔

شہادت عمر بن الخطابؓ

اس کا کسی کو گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ ایسے عادل، محب الرعیۃ، شفیق، خداترس، خداپرست کی موت خنجر سے ہوگی، لیکن انسانی طاقت سے باہر ہے کہ ساری مخلوق کو خوش رکھ سکے، تمام عرب آپ سے خوش تھے، ان کے لئے آپ نے سب کچھ کیا، عجمی خوش تھے کہ ان پر عدل و انصاف کی برسات آپ نے برسائی، لیکن ان عجمیوں کے بڑے جن کی سلطنت چھن گئی

تھی، جن کا عرش کا سیارہ ختم ہو گیا تھا، جن کی عظمت و جلالت کے محل متزلزل ہو گئے تھے، وہ آپ سے کبیدہ خاطر ہی ہے، ایران کے کچھ غلام تھے، مدینہ منورہ میں حضرت فاروق رض نے ان کو بلایا، یہ غلام ہرمزان شاہ فارس کے پاس آیا جایا کرتے تھے، انھیں جب معلوم ہوا کہ حضرت فاروق رض مدینہ طیبہ میں عوام کی طرح رہتے ہیں، ان لوگوں نے ایک مخفی انجمن قائم کر رکھی تھی، انہیں غلاموں میں ایک فیروز نامی شخص جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی، اور وہ مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام تھا، ایک دن حضرت فاروق رض بازار میں پھر رہے تھے، آپ سے ملا۔ اور شکایت کی کہ مغیرہ مجھ سے زیادہ خراج لیا کرتے ہیں، آپ نے پوچھا کتنا خراج لیا کرتے ہیں؟ کہا ایک دن کے دو درم، آپ نے پوچھا کیا کام اور کیا صنعت و حرفت کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا حداد، نجار، نقاش ہوں، آپ نے کہا پھر تو یہ دو درم زیادہ نہیں ہیں، آپ نے کہا مجھے ایک چکی بنا دو، اس نے کہا اگر میں زندہ رہا تو ایسی چکی بنا دوں گا کہ ساری دنیا میں اس کا چرچا ہوگا۔

۲۶ ر ذی الحجہ ۲۳؁ھ کو منگل کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں ابو لؤلؤ نے آپ پر حملہ کیا، اور دو دفعہ خنجر سے جس کا قبضہ اور پھل بیچ میں تھا حملہ کیا، چھ ضربیں لگائیں جن میں سے ایک ناف کے نیچے لگائی جو نہایت سخت تھی، اور آپ کے ساتھ ہی ساتھ کلیب بن ابی البکیر اللیثی کو قتل کر دیا، جو آپ کے پیچھے کھڑے تھے، جب حضرت فاروقؓ نے خنجر کا زخم محسوس کیا نیچے گر پڑے آپ نے کہا کیا عبدالرحمٰن بن عوفؓ موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں، وہ آئے آپ نے حکم دیا کہ نماز تم پڑھا دو، نماز کے بعد فوراً آپ کو آپ کے مکان پر اٹھا کر لے گئے، اپنے بیٹے عبداللہ کو آواز دی، اور پوچھا مجھے کس نے قتل کیا ہے، انھوں نے کہا ابو لؤلؤ نے، کہا الحمد للہ کہ کسی سجدہ کرنے والے نے مجھے قتل نہیں کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دے دی، حضرت صہیبؓ نے حسب وصیت نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عائشہ رض کے حجرے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوئے۔

از روئے تحقیق آپ کی خلافت دس سال، چھ مہینہ اور چار دن تھی، ۲۲ ر جمادی الثانی ۱۳؁ھ سے لے کر ۲۶ ر ذی الحجہ ۲۳؁ھ تک خلافت کی، قتل کے وقت آپ کی عمر ۶۳ ر سال تھی، جس طرح کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رض کی تھی ۞

حضرت فاروق اعظم عمرؓ بن الخطاب کے عمال، اور امراء

حضرت فاروقؓ کے دورِ حکومت میں سارا شام فتح ہو چکا ہے، علاقہ کی دیکھ بھال کے لئے حضرت فاروقؓ دورہ کر رہے ہیں، حمص پہنچے، سربرآوردہ لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں حکم دیا کہ شہر شہر کے فقراء مساکین اور حاجت مندوں کی فہرست پیش کریں، فہرست تیار ہو کر سامنے آئی تو سرِ فہرست امیرِ شہر سعید بن عامرؓ کا نام نظر آیا، حیران ہو کر پوچھا یہ کون سعید ہیں؟ لوگوں نے کہا ہمارے شہر کے حاکم، امیر المومنین فاروق اعظمؓ کو تعجب ہوا، فرمایا یہ کیسے محتاج ہیں انہیں تو سرکاری خزانے سے رقم ملتی ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں یہ سچ ہے، لیکن ان کی فیاض طبع کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جو کچھ ملتا ہے حاجت مندوں پر تقسیم کر دیتے ہیں، یہ سن کر حضرت فاروقؓ رونے لگے پھر ایک ہزار دینار جناب سعید بن عامرؓ کے پاس بھیجے، اور قاصد سے کہا میری طرف سے ان کو سلام کہنا، اور کہنا یہ رقم امیر المومنین نے بھیجی ہے اسے اپنی ضروریات میں صرف کیجئے، قاصد رقم لے کر پہنچا خط پیش کیا، پھر تھیلی پیش کی، دیناروں پر نظر پڑی تو زور سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، پڑھا، بیوی ذرا دور تھیں، ان کے کان میں یہ آواز گئی تو گھبرا کر پوچھا خیر تو ہے، کیا امیر المومنین کی وفات تو نہیں ہوئی، فرمایا نہیں اس سے بھی سخت حادثہ پیش آیا ہے، کہا کیا کوئی خدا کی نشانی ظاہر ہوئی ہے فرمایا اس سے بھی بڑھ کر، دیکھو یہ دنیا میرے پاس آگئی ہے، ہائے ہائے فتنہ میرے گھر میں آ داخل ہوا، سعادت مند بی بی نے تسکین دیتے ہوئے کہا، آپ پریشان کیوں ہیں، یہ رقم آپ جہاں چاہیں رضاءِ خداوندی میں صرف کر سکتے ہیں، یہ سن کر آپ کو کچھ تسلی ہوئی اور تھیلی باندھ کر رکھ دی، کچھ دنوں بعد مجاہدینِ اسلام کا ایک قافلہ ادھر سے گذرا تو یہ ساری رقم ان کی ضروریات پر صرف کر دی،

ان ہی سعید بن عامر کا واقعہ ہے ایک مرتبہ ان کے علاقہ کے لوگوں نے بارگاہ فاروقی میں انکے متعلق چند شکایتیں پیش کیں، کہ جب تک اچھا خاصہ دن نہیں چڑھ جاتا وہ گھر سے نہیں نکلتے، اور رات میں کسی کی آواز نہیں سنتے، اور مہینہ میں ایک دن بالکل گھر سے باہر نہیں نکلتے حضرت فاروقؓ کو سُن کر تعجب ہوا کہ ایسا رعایا پرور آدمی ایسا کیونکر کر سکتا ہے، شکایت سامنے آچکی تھی اطلاع بھیج کر سعید کو بلا بھیجا، لوگوں سے کہا گیا ان کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرو، شکایتیں دہرائی گئیں، حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا سعید تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

حضرت سعید نے کہا! امیر المومنین! میں اظہار پسند نہیں کرتا، لیکن موقع ایسا ہے کہ

مجھے کرنا ہی پڑے گا، میرے گھر میں کوئی ملازم نہیں ہے، میری بیوی تمام کاموں کو انجام نہیں دے سکتی، جب میں صبح گھر جاتا ہوں تو آٹا گوندھتا ہوں، پھر خمیر اٹھنے تک انتظار کرتا ہوں۔ اس کے بعد روٹی پکاتا ہوں، پھر ہاتھ منہ دھو کر لوگوں کی خدمت کے لئے باہر نکلتا ہوں۔

دوسری شکایت کا جواب یہ دیا کہ دن ان لوگوں کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے، اور رات اللہ کے لئے، جب رات آتی ہے تو ان کی ضرورتوں سے فارغ ہو کر عشاء کے بعد گھر کے اندر چلا جاتا ہوں۔ اور اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو جاتا ہوں۔

تیسری شکایت کا جواب دیا۔ میرے پاس ایک کپڑے کے سوا دوسرا کپڑا نہیں ہے جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو اُسے اتار کر خود دھوتا ہوں۔ جب وہ سوکھ جاتا ہے پہن کر باہر نکلتا ہوں، اس میں دن کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا ہے۔

سعید کا جواب سن کر حضرت فاروقؓ بہت خوش ہوئے، اور کہا میری بصیرت سعید کے متعلق صحیح ہے، اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے سعیدؓ کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اس سے اپنی ضروریات پوری کر لو، ان کی بی بی نے دیکھا تو بہت خوش ہوئیں، اور کہنے لگیں ایک غلام خرید لیجئے، گھر کے مشاغل سے کچھ فرصت ملے، حضرت سعیدؓ نے کہا کیا تمھیں اس سے بہتر چیز پسند نہیں، یہ رقم ان لوگوں کی خدمت میں صرف کر دیں جو ہم سے زیادہ محتاج ہیں۔ بی بی بڑی نیک بخت تھیں اس پر راضی ہو گئیں، سعیدؓ نے ایک معتبر آدمی کو بلایا اور الگ الگ پوٹلیوں میں کچھ کچھ دینار باندھے اور اس کے حوالہ کئے، اور کہا یہ فلاں خاندان کی فلاں بیوہ کو دینا، یہ فلاں یتیم کو دینا، یہ فلاں مسکین کو پہنچا دینا، یہ فلاں مریض اور فلاں قرضدار کو پہنچا دینا، اللہ اکبر کیسا خلوص و ایثار تھا، اور مخلوق خدا کی کیسی خدمت کرتے تھے؟ آسمانی دستورالعمل، فطری نظام کو چلانے کے لئے ایسے ہی حضرات درکار تھے۔

ع۔ سروری در دین ما خدمت گری است

حضرت عمیر بن سعدؓ

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عمیر بن سعدؓ کو حمص کا حاکم بنا کر بھیجا، ایک سال تک انھوں نے اس علاقہ کی کوئی رپورٹ نہیں بھیجی، حضرت فاروقؓ نے خط لکھ کر ان کو بلایا، اور کہا جو کچھ تم نے اس دوران میں جمع کی ہو ہمراہ لے کر آؤ۔ حضرت عمیرؓ نے اپنا ڈنڈا ہاتھ میں لیا

اور ایک تھیلہ میں کچھ زادِ راہ رکھ دی، اور کندھے پر ڈال لیا، اور حمص سے مدینہ منورہ کی طرف پیدل چل کھڑے ہوئے، جب یہ مدینہ منورہ کو پہنچے تو ان کا یہ حال تھا کہ دوری سفر کی وجہ سے بال بڑھ چکے تھے، چہرہ غبار سے اٹ گیا تھا، چہرہ اور جسم کا رنگ تبدیل ہو گیا تھا، یہ حالت دیکھ کر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا حال ہے؟ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا جیسا امیر المومنین دیکھ رہے ہیں، اچھا خاصا ہوں، میرے ساتھ دنیا ہے جسے کھینچ رہا ہوں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا آخر تمہارے پاس کیا ہے؟ عرض کیا میرے پاس یہ میرا تھیلہ ہے۔ اس میں میرا زادِ راہ ہے، میرا پیالہ ہے جس میں میں کھاتا ہوں، اور جس سے میں اپنا سر دھوتا ہوں، اپنے کپڑے دھوتا ہوں، اور چھوٹا سا مشکیزہ ہے جس میں وضو اور پینے کا پانی رکھتا ہوں، اور یہ میرا ڈنڈا ہے جس سے سہارا لیتا ہوں، اور ضرورت کے وقت دشمن کا مقابلہ بھی کرتا ہوں، قسم خدا کی دنیا کسے کہتے ہیں، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا تم پیدل آئے ہو؟ عرض کیا ہاں، فرمایا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتا، تمہارے لئے سواری کا انتظام کر دیتا، کہا میں نے اس بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کیا، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا یہ لوگ بہت ہی برے ہیں، یہ سنکر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بولے، امیر المومنین خدا سے ڈریئے، خدا نے غیبت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، وہ لوگ مسلمان ہیں میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی ذمہ داریوں کا جائزہ لینا شروع کیا میں نے تمہیں کہاں بھیجا تھا، اور کس لئے بھیجا تھا، بولے مجھے جہاں بھیجا تھا میں وہاں گیا، وہاں کے اچھے لوگوں کو میں نے جمع کیا، اور ان کو محاصل کی وصولی کے لئے مقرر کیا، جو کچھ انہوں نے وصول کیا اس کے مصارف میں میں نے صرف کیا، اگر آپ مستحق ہوتے تو آپ کو بھی بھیج دیتا، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اس بیان سے بہت خوش ہوئے، اور کہا حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو پھر عہدہ پر مامور کر دیا جائے، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری سے صاف انکار کر دیا، اور کہا اب نہ آپ کے عہد میں ایسی ذمہ داری قبول کروں گا نہ آپ کے بعد، ہزار احتیاط کے بعد بھی خدا کے مواخذہ سے بچنا دشوار ہے، میں نے انتہائی کوشش کی کہ حکمرانی کی برائی سے اپنے کو محفوظ رکھوں، لیکن محفوظ نہ رہ سکا۔ ایک دن ایک نصرانی آیا، اس کے حق میں میرے منہ سے نکل گیا خدا تجھے خوار کرے، یہ کہہ کر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، جو مدینہ سے کافی فاصلہ پر واقع تھا،

ان کے جانے کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سو دینار دے کر ان کے پاس بھیجا، جب آدمی ان کے پاس پہنچا تو وہ دیوار کے سہارے بیٹھے ہوئے اپنے کرتے سے جوئیں صاف کر

رہے تھے، ان کو دیکھ کر کہنے لگے آیئے تشریف لایئے آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ قاصد نے کہا مدینہ سے پوچھا امیر المومنین کا کیا حال ہے؟ کہا اچھا ہے، اللہ کے قوانین نافذ کر رہے ہیں، یہ سنکر حضرت عُمیرؓ کہنے لگے اے خدا تو عمرؓ کی مدد فرما، وہ تیری محبت میں سرشار ہیں، قاصد یہاں تین دن ٹھہرا حضرت عمیرؓ کی یہ حالت تھی کہ مشکل سے روٹی کی ایک ٹکیہ میسر آتی تھی جسے وہ مہمان کے آگے رکھ دیتے تھے، اور خود فاقہ کرتے تھے، ان کی یہ حالت دیکھ کر قاصد نے دینار نکال کر پیش کئے اور کہا امیر المومنین نے آپ کے لئے یہ رقم بھیجی ہے، کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں اور فوراً محتاجوں اور یتیموں پہ ساری رقم تقسیم کر دی۔

قاصد نے یہ سارا ماجرا دربار فاروقی میں پیش کیا، حضرت فاروقؓ نے ان کو بلا بھیجا اور غلہ کی معقول مقدار اور کپڑے دیئے، حضرت عمیرؓ نے کہا غلہ کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ دو صاع (تقریباً سات سیر) جو میرے گھر میں پڑے ہوئے ہیں، البتہ کپڑا لے لیتا ہوں اور کہا میری بی بی برہنہ تن ہے، اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں، اور گھر واپس لوٹے،

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو شہر مدائن پایۂ تخت ایران کا فرمانروا مقرر کیا، ایرانی امراء و رؤساء کے داخلہ کے شاندار پرشکوہ مناظر کے تذکرے آپ نے تاریخ میں پڑھے ہوں گے، لیکن حذیفہؓ اس نوشیروانی عظمت و جلالت، اور کیانی شکوہ و جبروت کے مرکز مدائن میں کس شان سے قدم رکھتے ہیں وہ بھی سن لیجئے، ایک خچر پہ سوار ہیں جس پر زین بھی نہیں ہے صرف نیچے ایک بوسیدہ سا چارجامہ ہے، ایک ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا ہے اور دوسرے ہاتھ میں گوشت کی ایک ہڈی، لوگ گورنر کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آتے ہیں اور گورنر کی آمد آمد کے منتظر ہیں، گورنر آتے ہیں اور ان کے سامنے سے گذر جاتے ہیں، مگر لوگوں کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی کہ کب آئے؟ اور کب نکل گئے؟ ان کی آنکھیں کیانی امراء کے شاندار جلوس دیکھ چکی تھیں پایہ تخت مدائن کے گورنر کا ایسا سادہ تصور کہاں سے لائے، جب انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو انہوں نے آنے والوں سے پوچھا گورنر کی سواری کہاں ہے، لوگوں نے کہا وہ تو تمہارے سامنے سے شان بے نیازی کے ساتھ چلے گئے، حیران و متعجب ہو کر ان لوگوں نے گھوڑے دوڑائے، اور حضرت حذیفہؓ کو جا لیا، اور سلام کیا، حضرت حذیفہؓ اسی

بے تکلفی کے ساتھ سواری کی حالت میں کھانا کھا رہے تھے، اسلامی مہمان نوازی نے گوارا نہ کیا کہ تنہا کھائے وہیں نہایت بے تکلفی سے وہی روٹی اور ہڈی ان ایرانیوں کی خدمت میں پیش کر دی، ایران کے نازک طبع نازک مزاج لوگ ایسی معمولی چیز کس طرح کھا سکتے تھے، نظر بچا کر پھینک دی، اس کے بعد مزاج پرسی ہوئی، اور گفتگو شروع ہوئی، ایرانی افسروں اور سرداروں نے کہا آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو طلب فرمایئے گا حضرت حذیفہؓ نے فرمایا مجھے صرف پیٹ میں ڈالنے کے لئے کچھ کھانا اور جانور کے لئے چارہ چاہیئے اس کے سوا کسی کی ضرورت نہیں۔

حضرت حذیفہؓ عرصہ تک اس سادگی سے رعایا کی خدمت کرتے رہے مدائن میں مقیم رہے، کچھ عرصہ کے بعد حضرت فاروقؓ نے ان کو مدینہ منورہ بلایا، جب معلوم ہوا کہ وہ آرہے ہیں، آگے بڑھ کر راستہ میں چھپ گئے، جب حضرت حذیفہؓ ان کے قریب سے گذرے اور دیکھ لیا کہ حکومت وامارت نے ان کے اندر کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں کی، نکل کر سامنے آئے اور فرط محبت سے سینہ سے لپٹ گئے، اور فرمانے لگے حذیفہؓ تم میرے بھائی ہو، اور میں تمہارا بھائی،

اللہ اکبر! یہ خلوص و ایثار، اسلامی دستور نافذ کرنے کے لئے یہ محبت و اخلاص! قسم خدا کی اگر اسی طرح حکومت چلتی رہتی تو فرشتے ان کے قدم چومتے، اور کیوں نہ چومتے جبکہ ان کا خلیفہ بھی اسی حالت میں وقت گذار رہا ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو اس زمانہ میں دیکھا ہے جبکہ وہ خلیفہ تھے، اور ممبر پر کھڑے ہوئے لوگوں کو تلقین کیا کرتے تھے لیکن کپڑے تار تار تھے میں نے آپ کے تہمند پر شمار کیا تو بارہ پیوند لگے ہوئے تھے،

یہ ہے وہ اسلامی حکومت، آسمانی دستور العمل، ضابطۂ خداوندی، فطری نظام، کس طرح چلا رہے ہیں اور کیسے چل رہا ہے،

اے ملت اسلام کے غمخوارو، اور اے امت محمدیہ کے دل سوز بلند کردار بلند اخلاق ہستیو۔ کیا عالم برزخ میں تمھیں خبر مل رہی ہے کہ امت اسلام، ملت اسلامیہ تمہارے راستے سے بہت دُور جا گری ہے، اے خدا اس امت یتیم، ملت مسکین کا والی تو ہی ہے۔ تو ہی مدد فرما۔

خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رض

سنہ ۲۳ھ تا سنہ ۳۵ھ ؛ سنہ ۶۴۴ء تا سنہ ۶۵۵ء

۲۸ ذالحجہ سنہ ۲۳ھ کو آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی، چونکہ حضرت عثمان رض انتہائی جودوکرم، بذل وسخاوت اور شرافت نفس کے حامل تھے، اور قریب وبعید سب کے لئے یکساں برتاؤ کرتے تھے، اور اس لئے آپ کے عمال ووالی بھی اس کے خوگر ہو گئے تھے، اپنے اعزہ، اور قرابتداروں کے حق میں خاص طور پر مہربان تھے، اور اسی بنا پر والیان امصار کو معزول کرنا اور ان کے عوض دوسرے والیان ملک اور والیان امصار کا تقرر کرنا دقوع میں آیا، حضرت ابو موسیٰ اشعری رض جو اعیان صحابہؓ میں تھے انہیں بصرہ کی امارت وولایت سے معزول کردیا، اور اپنے خالو عبدالرحمٰن بن عامر رض کو والی وحاکم بنایا، اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کو ولایت مصر سے معزول کیا، ان کی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی السرحؓ کو مقرر کیا، اور حکم بن العاص بن امیہ کو پناہ دی اور ایک ہزار درہم عطیہ دیا، اور عبداللہ بن خالد کو چار ہزار درہم عطیہ دیا۔

فتوحات

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ملک کی وسعت بہت زیادہ ہو گئی تھی، اور حضرت فاروقؓ کے عہد میں جو وسعت ملک کو حاصل تھی اس سے کہیں آگے نکل گئے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر رض کو فارس وایران کی طرف بھیجا، کہ اسطخر کے ایرانیوں پر حملہ، اور فوج کشی کر کے اسے فتح کرلیں کہ یزدجرد شاہ ایران یہاں پناہ گزین تھا، یہ آخری ایرانیوں کا بادشاہ تھا۔ دارابجرد میں جاکر پناہ لی، عبداللہ نے اس کے تعاقب میں مجاشع بن مسعود رض کو روانہ کیا، اور یہ تعاقب کرتے ہوئے کرمان تک چلے گئے، اور دوسری طرف سجستان کے راستہ سے چین کا ارادہ کیا،

اللہ اکبر! آدھی صدی بھی اس نئی خلافت وسلطنت کو نہیں گذری کہ اسلامی مملکت اس قدر وسیع ہو گئی کہ دیکھنے اور سننے والوں کو حیرت ہوتی ہے، مجاشع رض سجستان پہنچے، اور یزدجرد کو وہاں نہیں پایا، تو یہ فارس کی طرف بڑھ گئے، یزدجرد بہت ڈرتا تھا اس لئے طرخان سے امداد کی درخواست کی، جب طرخان اس کی امداد کے لئے آیا یہ روپوش ہو گیا، اس کی واپسی میں طرخان نے

یزدجرد پر بہت تیز حملہ کیا، چنانچہ مجاشع ابن مسعودؓ نے مدینہ طیبہ واپس ہونے کا ارادہ کیا، واپسی میں اس نے اپنی آرزو کو پا لیا، مرزبان مل گیا، اسے قتل کر دیا، اس کے قتل ہونے سے سارا ایران مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اور وہ ایرانی جنہوں نے سارے ایران میں قتل و غارتگری کا سامان جمع کر رکھا تھا ختم ہو گیا، حضرت عمرؓ کے عہد میں جو ملک فتح کرنے سے رہ گیا تھا، حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں فتح ہو گیا۔

شروع خلافت عثمانی رضؓ میں رومی حکومت قسطنطنیہ نے اسکندر رومی کو لکھا کہ مسلمانوں سے جو معاہدہ ہوا ہے اسے توڑ دو اور مصر کو آزاد کر لو۔ چنانچہ اسکندریہ کے رومیوں نے حکومت قسطنطنیہ کے ورغلانے سے معاہدہ کو توڑ دیا، اور قسطنطنیہ کی طرف سے اپنی فوجیں اسکندریہ کی طرف بحری راستے سے روانہ کر دیں، اور اس فوج کی قیادت منویل الخصی کے سپرد ہوئی، جب رومیوں کی ٹڈی دل فوج اسکندریہ پہنچی تو مقوقس، اور قبطی لوگ چونکہ مسلمانوں کے سلوک سے بہت ہی خوش تھے، رومیوں کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا، چنانچہ ساحل پر یہ رک گئے، اور جو لوگ معاہدہ سے ناراض تھے بھاگ کر وہاں پہنچنے لگے، اور پھر فسطاط کی طرف بڑھے اسلامی افواج حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں آگے بڑھیں، (اس وقت تک حضرت عمرو بن العاصؓ معزول نہیں کئے گئے تھے) دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی، اور بالآخر رومی شکست کھا کر بھاگ نکلے، اسلامی لشکر نے تعاقب کیا، اور اسکندریہ تک جا پہنچا، اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ کی شہر پناہ اور قلعہ توڑنے کا حکم دے دیا، چنانچہ اسکندریہ کی شہر پناہ اور قلعہ توڑ دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے حضرت عمرو رضؓ کو ولایت مصر سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد رضؓ کو ان کی جگہ مامور کر دیا،

سنہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن سعدؓ نے افریقہ پر فوج کشی کی، اور افریقہ پر قبضہ کر لیا، اور افریقہ کے بادشاہ جرجیر کو قتل کر کے سارے افریقہ کو اپنے زیر حکومت کر لیا،

فتح قبرص

سنہ ۲۸ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے شام سے فوج کشی کی، اور عبداللہ بن سعد رضؓ نے مصر سے فوج کشی کی، کہ کسی طرح جزیرۂ قبرص کو فتح کر لیا جائے۔

قبرص والوں نے اس شرط پر صلح کی کہ سات ہزار دینار سالانہ اہل قبرص روم کو دیں گے،

اور مسلمانوں کو بھی اتنا ہی دیں گے، اس کے علاوہ امور میں اہل قبرص بالکل آزاد تھے، ہاں یہ ضروری تھا کہ دشمن کی نقل وحرکت سے مسلمانوں کو باخبر رکھیں گے، تاکہ مسلمان قومی نقل وحرکت سے آگاہ رہیں، اور دشمنوں سے باخبر رہیں۔

بغاوت

افسوس ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اعمال وکردار لوگوں کی نگاہ میں نہ جچے اور امصار و بلاد سے ان کے معزولی اور خلافت سے بے دخل ہونے کی درخواستیں آنے لگیں، جب متواتر اہل مدینہ کے پاس اس قسم کے خطوط آئے تو یہ لوگ حضرت عثمان رض کے پاس پہنچے اور تحقیقات کی اور تمام شکایات کو بے وجود پایا، آپ نے فرمایا:

اَشِيْرُوْا عَلَيَّ وَاَنْتُمْ شُهُوْدٌ — مجھے مشورہ دو، اور تم گواہ بھی ہو، ان لوگوں نے کہا

فَقَالُوْا لَهٗ نُشِيْرُ عَلَيْكَ اَنْ تُرْسِلَ رِجَالًا مِمَّنْ تَثِقُ بِهِمْ اِلَى الْاَمْصَارِ حَتّٰى يَرْجِعُوْا اِلَيْكَ بِاَخْبَارِهِمْ۔ — ہماری رائے یہ ہے کہ آپ باوثوق لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجیں تاکہ وہ آپ تک صحیح خبریں پہنچائیں،

چنانچہ آپ نے مختلف جہات میں آدمی بھیج دئے، بعض آدمی واپس آگئے اور بعض نہیں آئے عمار بن یاسرؓ بھی ان لوگوں میں تھے، ان کو مصر بھیجا گیا تھا، یہ اور ان کے ساتھی واپس نہیں آئے، یہاں تک کہ بعض کو خیال ہوا کہ عمارؓ مر گئے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن سعدؓ کا خط پہنچا کہ عمارؓ کو کچھ لوگوں نے اپنی طرف جھکا لیا ہے، اور ان کو اور لوگوں سے ملنے نہیں دیا جاتا،

حضرت عثمان رض نے پھر خط لکھا کہ مدینہ کے لوگ مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ میرے آدمی لوگوں کو گالیاں دیتے ہیں، اور انہیں مارا پیٹا کرتے ہیں، تو جن پہ ظلم وجور ہوا ہو وہ موسم حج میں آئیں اور مجھ سے اور میرے عمال سے جو کچھ فروگذاشت ہوئی ہو بدلہ لے لیں، یا معاف کر دیں کیونکہ اللہ تعالٰے صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَصَدِّقِيْنَ۔

مکہ میں اجتماع

۳۵ھ میں آپ نے اپنے عمال وگورنروں کو موسم حج میں بلایا، عبداللہ بن عامرؓ اور عبداللہ بن سعدؓ اور امیر معاویہ رض کو تخلیہ میں بلایا، اور کہنے لگے:

وَيْحَكُمْ مَا هٰذِهِ الشِّكَايَةُ وَاللّٰهِ إِنِّي مُخَالِفٌ أَنْ يَكُوْنُوْا صَادِقِيْنَ وَمَا يَضُرُّ هٰذَا الْأَمْرُ إِلَّا بِيْ۔

تمہارا بھلا ہو، یہ کیا شکایت ہے، واللہ میں اس کا مخالف ہوں کہ وہ سچے ہیں لیکن یہ بات میرے حق میں مضر ہے۔

ان حضرات نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی، لیکن حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا، ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے جس سے اندر داخل ہوا کرتے ہیں، جس امر سے میں ڈرتا ہوں وہ ہو کر رہے گا، جس امر کا دروازہ کھل جائے تو رفق و نرمی اور مواسات ہی سے بند ہوتا ہے، ہاں البتہ حدود الٰہی میں نرمی اور معافات کام نہیں دے گا، پھر بھی اگر یہ دروازہ کھل جائے تو مجھ پر اور میرے خلاف کوئی حجۃ پیش نہیں کر سکتا، اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے میں لوگوں کی بھلائی چاہتا ہوں، اور فتنوں کی چکی تو چل ہی رہی ہے، اور عثمان رضؓ کے لئے بشارت و خوشخبری ہے کہ موت تک اس نے اس دروازہ کو حرکت نہیں دی، لوگ خاموشی کے ساتھ حضرت عثمان کی باتیں سنتے رہے، جب موسم حج ختم ہوا تو تمام حضرات مدینہ منورہ تشریف لائے، حضرت عثمان رضؓ نے حضرت علی رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ کو بلایا، حضرت امیر معاویہ رضؓ پہلے ہی سے وہاں موجود تھے، حمد و ثنا کے بعد حضرت امیر معاویہ رضؓ نے فرمایا:۔

أَنْتُمْ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخِيَرَتُهُ وَوُلَاةُ أَمْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ اخْتَرْتُمْ صَاحِبَكُمْ عَنْ غَيْرِ غَلَبَةٍ وَلَا طَمَعٍ وَقَدْ كَبُرَ وَوَلِيَ عُمُرَهُ وَلَوِ انْتَظَرْتُمْ بِهِ الْهَرَمَ لَكَانَ قَرِيْبًا وَلَا تُطْمِعُوا النَّاسَ فِيْ أَمْرِكُمْ فَوَاللّٰهِ إِنْ طَمِعُوْا فِيْهِ مَا رَأَيْتُمْ مِنْهَا أَبَدًا إِلَّا إِدْبَارًا۔

(تاریخ دول الاسلام رزق اللہ صہ ۱۶ ج ۱)

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بہترین لوگ ہو، اس امت کے والی تم نے تمہارے صاحب کو بغیر کسی غل اور دھوکہ اور طمع کے اسے منتخب کیا ہے اور اب اسکا بڑھاپا قریب ہے اور اس کی آخری عمر ہے، اگر بڑھاپے تک تم انتظار کرلو جو قریب ہے اور تم لوگوں کو تمہارے امر میں طمع نہ کرنے دو واللہ اگر لوگوں نے اس میں طمع کی ابدالآباد تک تمہارے لئے برا ہے۔

حضرت علی رضؓ نے ان کو ڈانٹا اور کہا:۔

مَالَكَ وَلِذٰلِكَ لَا أُمَّ لَكَ۔

(تاریخ دول الاسلام صہ ۱۶ ج ۱)

تمہاری ماں مرے تم کو اس سے کیا واسطہ ہے!

حضرت امیر معاویہؓ نے جواب دیا۔

دَعْ اُمِّیْ فَھِیَ لَیْسَتْ بِشَرٍّ اُمَّھَاتِکُمْ وَاَجِیْبُوْا عُثْمَانَ قَوْلَکُمْ۔ (تاریخ دول الاسلام صفحہ ۱۷ ج ۱)

میری ماں کو چھوڑو، وہ تمہاری ماں سے بُری نہیں ہیں، اور جو میں کہتا ہوں اس کا جواب دو۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا میرا بھتیجا صحیح کہتا ہے، میرے پہلے جو دو صاحب گذرے ہیں انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے اجر و ثواب حاصل کرنے کے خیال سے کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابتداروں میں دیا کرتے تھے، میں ان لوگوں میں ہوں کہ جس کے قرابتدار بہت زیادہ ہیں، اور معاش کی طرف سے بہت پریشان ہیں، اس لئے میں نے ان کے لئے اپنا ہاتھ کچھ کھول دیا ہے، اگر تم اسے میری غلطی کہتے ہو تو تم انہیں واپس بلا لو، میرا اختیار تمہارے اختیار کے تابع ہے، ان لوگوں نے کہا:

قَدْ اَصَبْتَ وَاَحْسَنْتَ۔ (تاریخ دول الاسلام صفحہ ۱۷ ج ۱)

تم نے صحیح راہ اختیار کی اور بہت اچھا کیا۔

تم نے عبداللہ بن خالد اسید کو پچاس ہزار، اور مروان کو پندرہ ہزار دیے ہیں تم ان سے واپس لوٹا لو، اور راضی خوشی سے یہ لوگ الگ ہو جائیں، ان کے الگ ہونے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ شام تشریف لے چلیں، یا پھر اپنے گرد پہرہ رکھئے، دونوں باتوں سے حضرت عثمانؓ نے انکار کیا،

اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے شام کا سفر اختیار کیا راستہ میں مہاجرین کا ایک گروہ ملا، ان میں حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے کہا میں تمہارے پاس ایک بڈھے کو چھوڑ جاتا ہوں ان کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور تم انہیں بھلائی کی وصیت کرتے رہو، چشم پوشی کیا کرو، تمہارے لئے اس میں بہتری ہے، اتنا کہہ کر انہیں رخصت کیا، اور شام کی طرف چل کھڑے ہوئے،

مصر و کوفہ کے باغی

لیکن مسلمانوں کی خفگی حضرت عثمانؓ کی نسبت دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی تا آنکہ آخری زمانے ان لوگوں نے قائم کر لی کہ مدینہ منورہ کو چلنا چاہئے چنانچہ مصر سے عبدالرحمٰن بن عدیس البلدی

ہزار آدمیوں کے ساتھ چل پڑے، اتنے ہی آدمی لے کر مکہ مکرمہ سے لوگ لے کر چل پڑے، بصرہ سے بھی اسی قدر آدمی چل کھڑے ہوئے، اتنے ہی آدمی کوفہ سے چل پڑے، شوال کا مہینہ تھا، حج کا ارادہ ظاہر کیا، اور مدینہ منورہ کو پہنچے، مصری لوگ حضرت علی رض کے پاس پہنچے، اور بصرہ کے لوگ حضرت طلحہ رض کے پاس پہنچے، کوفہ کے لوگ حضرت زبیر رض کے پاس پہنچے، مصریوں کو حضرت علی رض نے ڈانٹا، اور نکال دیا، اسی طرح بصرہ کے لوگوں کو حضرت طلحہ رض نے ڈانٹا اور نکال دیا حضرت زبیر رض نے بھی یہی معاملہ کیا۔

مدینہ منورہ کے لوگ جو جمع ہو گئے تھے، یہ خیال کر کے کہ یہ لوگ ارادہ سے باز آکر واپس چلے گئے منتشر ہو گئے، مصر والوں کا قصد تھا کہ عبداللہ بن سعد رض کو معزول کرا کر کسی دوسرے کو مصر کا والی بنائیں، چنانچہ حضرت علی رض کے اشارہ سے حضرت عثمان رض نے عبداللہ بن سعد رض کو معزول کر دیا، اور محمد بن ابی بکر رض کو مصر کا والی بنا دیا، اور حضرت عثمان رض نے اس جدید والی کو فرمان لکھ دیا، فرمان کے بعد نیا والی اور مصر کے لوگ چل کھڑے ہوئے، یہ لوگ راستہ ہی میں تھے کہ دیکھا ایک غلام بڑی تیزی سے سواری کو ہنکا کر لے جا رہا ہے، اسے دیکھ کر ان کو کچھ شبہ ہوا، پوچھا کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا والی مصر کے پاس، انہوں نے کہا والی مصر تو یہ ہیں، ان کی مراد محمد بن ابی بکر رض سے تھی، اس نے کہا دوسرا والی عبداللہ بن سعد رض ان لوگوں نے تفتیش کی، تو اس کے پاس سے ایک خط عبداللہ بن سعد رض کے نام نکلا، جس پر حضرت عثمان رض کی مہر لگی ہوئی تھی، اور خط میں لکھا تھا ان کو پوری پوری سزا دینا اور ان کو مثلہ کر دینا، یہ لوگ اس غلام اور خط کو لے کر مدینہ منورہ لوٹے، سب سے پہلے حضرت علی رض سے ملے، حضرت علی رض نے پوچھا کیوں واپس لوٹے، انہوں نے کہا ہم ایک غلام اور خط پکڑ کر لائے ہیں، اور خط میں ہمیں قتل کرنے کو لکھا ہے، اس خط پر حضرت عثمان رض کی مہر ہے، چنانچہ حضرت علی رض حضرت عثمان رض کے پاس پہنچے، اور مصریوں کی واپسی کی خبر دی، حضرت عثمان رض نے مجمع کے سامنے خطبہ دیا اور مجمع کو ڈانٹا، ہر طرف سے آواز آئی،

اِتَّقِ اللّٰہَ یَا عُثْمَانُ وَتُبْ اِلَیْہِ۔ اے عثمان خدا سے ڈرو، اور توبہ کرو،

شہادت حضرت عثمان رض

اور حضرت عثمان رض نے بلند آواز سے کہا۔ سب سے پہلے میں نصیحت پکڑتا ہوں، اور خدا کی جناب میں توبہ و استغفار کرتا ہوں، تم اپنے اشراف کو لاؤ۔ اگر غلام کو میں نے بھیجا ہے اور

مجھے اس کی خبر ہو، اس کے بعد آپ خوب روئے، اور لوگ بھی روئے، اس کے بعد حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے، اور مصریوں کی فریاد سامنے آئی تو آپ نے قسم کھائی کہ نہ مجھے اس کا علم ہے، نہ میں نے کوئی خط لکھا ہے، ان لوگوں نے کہا تمہارے ہوتے ہوئے دوسرے کو ایسا کرنے کی جرأت کیسے ہوسکتی ہے، آپ معزول کردینے کے قابل ہیں، ایسا کمزور والی ہمیں نہیں چاہئے، آپ خود اپنے کو معزول کر دیجئے، آپ نے کہا اللہ تعالےٰ نے جو لباس مجھے پہنایا ہے میں اسے نکال نہیں سکتا، البتہ میں توبہ کرتا ہوں، انہوں نے کہا ہم دیکھتے ہیں کہ توبہ کرتے ہو اور پھر وہی کرتے ہو۔

آخر تمام نے متفقہ مطالبہ کیا کہ مروان آپ کا منشی ہے، ہمارے حوالے کردو، ہم اسے قتل کریں گے، آپ اس پر راضی نہ ہوئے، اور پھر یہ لوگ آپ کے پاس سے نکل گئے، اور آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے پاس آدمی بھیجا اور کہلوایا کہ کیا تم خوش ہو کہ تمہارا چچیرا بھائی قتل کر دیا جائے، اور تمہارا ملک چھین لیا جائے، حضرت علیؓ نے کہا ہرگز نہیں، اور حضرت عثمانؓ کے دروازے پر امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو پہرہ لگانے کو بھیج دیا، چالیسؓ دن تک محاصرہ رہا، اور بالآخر کچھ لوگ دیوار پھاند کر مکان کے اندر داخل ہوئے، ایک نے چھری کا وار کیا، اور دوسرے نے آپ کا کام ختم کر دیا، اس حالت میں آپ کی بی بی نائلہؓ بچانے کی خاطر آگے بڑھیں، چھینا جھپٹی میں ان کی انگلیاں کٹ گئیں، تین دن لاش بے گور و کفن پڑی رہی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی کہ لاش کو اٹھا سکیں۔

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے، آپ کی خلافت دس دن کم بارہ برس رہی۔

چونکہ فوجیں تمام جہاد میں مشغول تھیں، اور دُور دُور پڑی ہوئی تھیں، مدینہ منورہ کے لوگ یہ سمجھ کر کہ باہر کے لوگ تمام چلے گئے ہیں، اور ان لوگوں نے یہ اعلان کرا دیا کہ جو لوگ اپنے گھروں کے دروازے بند رکھیں گے ان کو امن ملے گی، اور جو باہر نکلیں گے مار دیئے جائیں گے، اور اس لئے اس تھوڑی سی جمعیت کو اتنی جرأت ہوئی کہ ایک بہت بڑے خلیفۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت

۳۵ھ تا ۴۱ھ ÷ ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء

حضرت عثمان رضی کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار جمع ہوئے اور انہیں لوگوں میں حضرت طلحہ رضی اور حضرت زبیر رضی بھی تھے، حضرت علی رضی کے پاس آئے کہ ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کریں، حضرت علی رضی نے انکار کیا، اور کہا میں وزیر رہنا پسند کرتا ہوں، نہ کہ میں امیر بنوں، امارت کے لئے جسے چاہو منتخب کر لو، بار بار اصرار و الحاح کیا اور کہا آپ سے زیادہ ہم کسی کو اس امر کا مستحق نہیں پاتے، آپ سابقین اولین میں ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں، حضرت علی رضی نے منظور کر لیا، اور سب کے سب مسجد نبوی میں تشریف لے گئے کہ حضرت علی رضی کے ہاتھ پر بیعت خلافت کریں، تمام حاضرین نے بیعت کی مگر بنی امیہ نے بیعت نہیں کی، مروان بن الحکم، سعید بن العاص، ولید بن عقبہ اور تمام عثمانی صحابہ نے بیعت سے انکار کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت علی رضی ایک بہادر، دلیر اور شہسوار تھے، مبارزت میں اور جنگ میں ہمیشہ کامیاب رہے، صالح، نیک بخت، صاحب ورع و تقویٰ آدمی تھے، لیکن یہ مانی ہوئی بات ہے کہ آپ کی خلافت کے لئے وقت بالکل ناسازگار تھا، زمانہ بالکل نامساعد تھا،

آپ کے عہد میں کوئی خاص ملکی فتوحات نہیں ہوئیں، ——————— بلکہ داخلی اور اندرونی شورشوں میں سارا وقت گذرا، اور سچ تو یہ ہے کہ حالات اور وقت انہیں مناسب نہ ملا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اور حضرت طلحہ رضی اور حضرت زبیر رضی کی مخالفت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی حضرت عثمان رضی کے خلاف تھیں، اور ان پر طعن و تشنیع کیا کرتی تھیں، آپ کی خواہش تھی کہ حضرت طلحہ رضی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے حضرت عثمان رضی کی شہادت کے موقع پر آپ مکہ معظمہ میں تھیں جب آپ کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپ نے مدینہ منورہ کا ارادہ کیا راستہ میں ایک سوار ملا آپ نے پوچھا مدینہ منورہ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ

حضرت عثمان رضؓ شہید کر دئے گئے، آپ کا خیال تھا کہ اب حضرت طلحہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوگی، جب آگے بڑھیں، ایک (ور) سوار ملا آپ نے اس سے پوچھا مدینہ طیبہ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر لی، یہ سن کر آپ چلا اٹھیں، واعثما ناہ! ما قتلہ الا علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے قاتل علی رضؓ ہی ہیں، قسم خدا کی حضرت عثمان رضؓ کی ایک انگلی زمین و آسمان سے بہتر ہے، یہ سن کر آپ کی ننہال میں سے ایک آدمی بولا آپ تو انھیں قتل کرنے کو کہتی تھیں، اب یہ کہہ رہی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے جواب دیا انھوں نے توبہ کر لی تھی پھر قتل کر دئے گئے۔

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹیں، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ نے بصرہ اور کوفہ کی ولایت حضرت علی رضؓ سے چاہی، حضرت علی رضؓ نے انکار کیا۔ اور کہا تم دونوں میرے پاس رہو مجھے تمہاری جدائی گوارا نہیں ہے، آخر ان دونوں حضرات نے عمرہ کی اجازت مانگی، اجازت مل گئی۔

جنگ جمل

اب یہ حضرات مکہ مکرمہ پہنچے، سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ملے، حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا، ادھر بنو امیہ وغیرہ نے ان کی امداد کی حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو ساتھ لے کر بصرہ پہنچے اور حضرت علی رضؓ کی جانب سے ابن حنیف امیر بصرہ تھے انہیں پکڑ کر ان کی ساری ڈاڑھی نوچ ڈالی، یہ سیدھے حضرت علی رضؓ کے پاس پہنچے کہنے لگے، دیکھ لیجئے مجھے آپ نے ڈاڑھی والا بھیجا تھا اب میں امرد بنا کر یہاں بھیجا گیا ہوں، حضرت علی رضؓ نے کہا، اجر و خیر تم نے پا لیا۔

جب حضرت علی رضؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ اور طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ اور ان کے ساتھیوں کی مخالفت کی تحقیق ہوگئی، مدینہ منورہ سے ۹۰۰ آدمی آپ نے ہمراہ لئے اور چھ ہزار آدمی کوفہ سے آگئے بصرہ کا ارادہ کیا، خریبہ مقام پر دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے، جنگ شروع ہوگئی، حضرت علی رضؓ نے حضرت زبیر رضؓ اور طلحہ رضؓ کو خطاب کر کے فرمایا۔ ایسا کرنے پر آپ کیوں مجبور ہوئے؟ حضرت زبیر رضؓ نے کہا ہم آپ کو اس امر کا اہل نہیں پاتے، حضرت طلحہ رضؓ سے کہا کیا تم نے پہلے میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کی؟ حضرت طلحہ رضؓ نے کہا بیعت ضرور کی لیکن تلوار ہماری گردنوں پر تھی۔

اسی اثنا میں حضرت علی رض کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سعدی آ گیا، اور حضرت عائشہ صدیقہ رض سے خطاب کر کے بولا۔ اے ام المومنین واللہ عثمان رض کا قتل اہون ہے، اس سے کہ آپ گھر سے نکلیں، اور اس ملعون اونٹ پر سوار ہو کر نکل کھڑی ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ستر وحرمت کا لباس پہنایا آپ نے اس لباس کو اتار پھینکا، اس کے بعد مسلمانوں کے دونوں فریق میں جنگ چھڑ گئی، حضرت زبیر رض بھاگ نکلے، لیکن عمر بن جرموز نے ان کا تعاقب کیا اور قتل کر دیا، اب حضرت طلحہ رض رہ گئے، تو انہیں ایک ایسا تیر لگا کہ اس کے بعد جانبر نہ ہو سکے، قریب قریب نوے آدمی حضرت عائشہ صدیقہ رض کے اونٹ کی حفاظت میں مارے گئے، حضرت عائشہ صدیقہ رض چلاتی تھیں جو باتی ہیں وہ بھی نکل آئیں، حضرت علی رض چلائے کہ اونٹ کی کوچیں کاٹ دو، ایک آدمی آگے بڑھا اور اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں ہودج گر پڑا، ہودج کو علیحدہ لے گئے دیکھا ہودج تمام تیروں سے چھلنی ہو چکا ہے، حضرت علی رض ہودج کے پاس کھڑے ہو گئے اور محمد بن ابی بکر سے کہا کہ اپنی بہن کو دیکھو کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟ محمد بن ابی بکر نے ہودج میں سر ڈالا، حضرت عائشہ صدیقہ رض چلائیں تم کون ہو؟ انھوں نے کہا تمہارے ساتھ نیکی کرنے والا تمہارا بھائی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رض نے کہا چل ہٹ، انہوں نے کہا کچھ لگا تو نہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رض نے کہا تم کو اس سے کیا واسطہ؟

آخر الامر حضرت علی رض کو فتح نصیب ہوئی، اور بصرہ میں جا کر آرام کیا، اسی واقعہ کو تاریخ میں جنگ جمل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رض کی مخالفت

حضرت عثمان رض کی شہادت کے بعد حضرت علی رض کی خلافت ہوئی تو تمام امراء اور والیان ملک جنہیں حضرت عثمان رض نے مامور کیا تھا معزول کر دیا، اور ان کے بدلہ اپنے متقربین کو مامور کر دیا، چنانچہ عثمان بن حنیف کو بصرہ کا والی بنایا ان کا حال تمہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت طلحہ رض اور حضرت زبیر رض نے ان کی ڈاڑھی نوچ ڈالی تھی، عمار بن شہاب کو کوفہ کا، اور عبداللہ بن عباس رض کو یمن کا اور قیس بن سعد رض کو مصر کا، اور سہل بن حنیف رض کو شام کا والی بنایا۔

سہل بن حنیف شام کی طرف چل کھڑے ہوئے، تبوک پہنچ کر چند گھوڑ سوار انسے ملے

کہنے لگے تم کون ہو! انہوں نے کہا امیر شام۔ انھوں نے کہا اگر عثمان کے بھیجے ہوئے ہو تو اَھْلاً وَّسَہْلاً۔ اگر کسی اور کے بھیجے ہوئے ہو تو واپس چلے جاؤ۔

اس نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ہمیں علم ہے، یہ واپس لوٹے اور سیدھے حضرت علی رضؓ کے پاس پہنچے، اور حضرت علی رضؓ کو خبر دی

قیس بن سعدؓ مدینہ منورہ سے فوج لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے، ان سے مصر کی حکومت مضبوط ہو گئی، اور افریقہ کا بڑا حصہ بھی، جہاں حضرت عثمان رضؓ کا کردہ بھی تھا۔

حضرت معاویہ رضؓ کا طریق کار یہ رہا کہ حضرت عثمان کا خون آلود کرتہ، اور آپ کی بی بی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں روزانہ منبر پر لٹکا دیتے اور خطبہ دیتے اور ان کے ذہن نشین کرتے کہ حقیقت میں حضرت عثمان رضؓ کے قاتل حضرت علی رضؓ ہیں، حضرت معاویہ رضؓ کے داعی یہی دعوت دیتے پھرتے تھے،

شامیوں نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کی نہ کہ خلافت کی، جب جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ کو شکست ہوئی تو ان کی ہمت پست نہیں ہوئی بلکہ ہمت وجراءت اور بڑھ گئی، لیکن حضرت معاویہ رضؓ جو ہر امر پر غور کرنے کے عادی تھے، انہوں نے دیکھا کہ سعد بن قیسؓ کی شجاعت کی وجہ سے حضرت علی رضؓ کے لیے مصر مضبوط ہو گیا، بصرہ تو خود حضرت علی رضؓ نے فتح کر لیا ہے، دو طرف دو مورچے سخت ہیں، آخر حیلہ سازیوں سے کام لینا شروع کر دیا، سعد بن قیس امیر مصر کے نام خط لکھا، جس میں خاص طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی حضرت عثمان رضؓ کے قاتل حضرت علی رضؓ ہیں، در اس بارے میں قلبی دلیلیں ہو سکتی تھیں پیش کیں، اور گویا شہد میں زہر ملا کر پیش کیا آخر میں لکھا کہ آپ کے لئے عراقین کی سلطنت میں تجویز کرتا ہوں اور جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک، اور آپ اپنے دوستوں میں سے جسے پسند کریں، حجاز کی سلطنت ہے اور یہ بھی جب تک میں زندہ رہوں، اور دوسرا کچھ چاہو تو اپنی لیئے لکھو۔

سعد بن قیس کو معلوم تھا کہ یہ ایک حیلہ ہے، انہوں نے خط لکھا یہ معاملہ سخت خطرناک ہے، اس میں جلد بازی اچھی نہیں ہے، اب حضرت معاویہؓ نے دوسرا راستہ اختیار کیا، آدمیوں کے ساتھ حضرت علی رضؓ تک باتیں پہنچائیں کہ سعد بن قیسؓ کا تعلق حضرت معاویہؓ سے ہے، حضرت علی رضؓ نے باور نہیں کیا، لیکن کچھ بھی ہو کچھ وہم و شک ضرور ہو گیا، حضرت علی رضؓ نے سعد بن قیس کو لکھا کہ عثمانی گروہ جو مصر میں موجود ہے اس سے جنگ لڑ لیں، اور مصر سے اس کا خاتمہ کر دیں مصر میں

جو عثمانی گروہ تھا بالکل پرامن اور خاموش تھا۔ سعد بن قیس نے اس سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور حضرت علی رض کو خط لکھا ایسے پرامن، خاموش گروہ سے خواہ مخواہ جنگ مناسب نہیں، اس سے حضرت علی رض کا شبہ اور بڑھ گیا کہ ضرور ان کا تعلق حضرت معاویہؓ سے ہے۔ انہیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر رض کو بھیجدیا، گویا اس حیلہ میں حضرت معاویہ رض کامیاب رہے۔ ادھر حضرت عمرو بن العاص رض سے اتحاد ہو ہی چکا تھا۔

واقعۂ صفین

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رض کوفہ پہنچے، ہمدان، آذربیجان کے عمال کو بلایا اور بیعت لی، حضرت معاویہؓ کے لئے تمام نے بیعت کر لی، حضرت علی رض نے اپنے نمایندوں کے ذریعہ کہلوا بھیجا کہ مہاجرین، اور انصار نے بیعت کر لی حضرت طلحہ رض حضرت زبیر رض نے انکار کیا جس کا حشر آپ کو معلوم ہے حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا شامیوں کو جمع کیجئے، حضرت عثمان رض کے خون کے اصل ملزم تو علی رض ہیں، وفد نے آکر حضرت علی رض سے کہا شامی لوگ تمام کے تمام حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہیں، اور وہ کہتے ہیں حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ ہم ضرور لیں گے، حضرت علی رض کو پوری طرح معلوم ہو گیا تو لشکر لے کر امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے چل دئے حضرت معاویہ رض بھی لشکر لے کر تیار تھے۔ حضرت امیر معاویہ رض پچاس ہزار فوج لے کر صفین کی طرف روانہ ہوئے حضرت علیؓ سے پہلے حضرت امیر معاویہ رض کا لشکر پہنچ گیا، اور فرات کے کنارے اچھی مناسب جگہ قیام کیا، اور ابوالاعور سلمی کو ایک عمدہ شاہراہ پر چالیس ہزار فوج لے کر متعین کر دیا، ادھر حضرت علی رض نوے ہزار فوج لے کر چلے مدائن اور مدائن سے انبار ہوتے ہوئے رقہ پہنچے اور یہاں گذرنے کے لئے پل تعمیر کیا، عبور کر کے شام کی طرف بڑھے، یہاں دیکھتے ہیں حضرت امیر معاویہ رض کی فوجیں صفین میں اچھا سے اچھا مقام دیکھ کر قیام کر چکی ہیں، دریا پانی پر بھی ان کا قبضہ ہے، حضرت علی رض کی فوج نے ساری رات پیاس سے گذاری، حضرت امیر معاویہ رض سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا حضرت علی رض اور ان کی نوے ہزار فوج کو پیاس سے مارا جاسکتا ہے، ان کی تلواریں تو ہماری گردنوں پر ہیں، چھوڑئے وہ بھی پانی پئیں اور ہم بھی پئیں، حضرت معاویہ رض نے کہا واللہ ایسا نہیں ہو سکتا، بلکہ جس طرح حضرت عثمان رض پیاسے مرے ہیں یہ بھی مریں، حضرت علی رض کا خفیہ محکمہ کام زوروں سے کر رہا تھا، حضرت علی رض نے چار ہزار فوج بھیجدی

کہ کسی طرح پانی پیو، یا سب کے سب مر جاؤ ، اور باقی فوج اشتر کے ساتھ کر دی ، اور حضرت امیر معاویہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا! ابو الاعور کی فوج نے اس زور کا حملہ کیا کہ حضرت امیر معاویہ رض کی فوج میں بھاگڑ پڑ گئی ، بے شمار آدمی غرق ہو کر مر گئے ، اور حضرت امیر معاویہ رض نے یہ جگہ خالی کر دی ، اور خود ان کا لشکر پیاس سے مرنے لگا، حضرت امیر معاویہ رض نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا ۔ ابو عبد اللہ ! تمہارا کیا خیال ہے ، علی رض ہم کو پانی سے روکیں گے ، جیسا کہ ہم نے انہیں روک دیا تھا ، حضرت عمرو نے کہا ہرگز نہیں روکیں گے ، انکا مقصد دوسرا ہے کہ تم ان کی اطاعت کر لو ، یا پھر وہ تمہاری گردنیں اڑا دیں ، چنانچہ حضرت امیر معاویہ رض نے آدمی بھیجا کہ ہمیں پانی پر اترنے دیجئے ، اور پانی پینے دیجئے ، حضرت علی رض نے فوراً اجازت دے دی ، غور کیجئے حضرت معاویہ رض میں اور حضرت علی میں کتنا فرق ہے ،

اب محرم کا مہینہ شروع ہوا ، لوگوں نے قتال و جنگ بند کرنے کا فیصلہ کر لیا ، اس درمیان میں نوے معرکے دونوں فریق میں ہو چکے تھے ، بہت سی مخلوق خدا دونوں فریق میں سے ہلاک و برباد ہوئی ، اور قریب تھا کہ حضرت علی رض کی فوج غالب ہو جاتی ، حضرت امیر معاویہ رض نے ایک اور چال چلی ، پانچ سو قرآن نیزوں پر لٹکا دیئے ، حضرت علی رض نے پوچھا اس کا کیا مقصد ہے؟ کہا ہم میں اور تم میں کتاب اللہ حاکم ہے ، ایک حکم تمہارا ہو ، اور ایک ہمارا ، اور وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیں ، وہ جو فیصلہ دیں ہمیں منظور ہے ، حضرت علی رض اس تجویز کو منظور کرنے پر مجبور ہو گئے ، اصل قضیہ نقل کر لیا گیا ، اور رمضان المبارک میں فیصلہ ہونا طے پایا ، اور حضرت علی رض کوفہ کو روانہ ہو گئے ، اور حضرت امیر معاویہؓ شام کی طرف روانہ ہوئے ،

جب حضرت علی رض کوفہ پہنچے بارہ ہزار قاری ان سے علیحدہ ہو گئے ، اور چلانے لگے کہ اتنی بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں اور آخر قضیہ اور فیصلہ لوگوں کے فیصلہ پر چھوڑا گیا ۔

حکم ۔ حضرت امیر معاویہ رض کی جانب سے عمرو بن العاصؓ مقرر ہوئے جو ایک کہنہ مشق سیاست دان تھے اور حضرت علی رض کی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رض مقرر ہوئے جو ایک عالم متبحر ، دیندار صاحب ورع و تقویٰ شخص تھے ،

تحکیم

اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری رض اور حضرت عمرو بن العاص رض ، مکہ مکرمہ ، کوفہ اور

شام کے درمیان جمع ہونے صفین کے واقعات کو آٹھ مہینہ ہو چکے ہیں۔ ان کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت بھی تھی، خیمے گاڑے گئے، ڈیرے لگ گئے، اور باقاعدہ اب بات چیت شروع ہوگئی، حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے کہا جو کچھ ہم تم کہیں لکھ لینا چاہیے تاکہ بعد میں جا کر انکار نہ ہو سکے، کاتب کو بلایا، اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے چپکے سے کاتب کے کان میں کہہ دیا کہ میرا نام پہلے لکھنا، چنانچہ بسم اللہ کے بعد حضرت عمرو بن العاص کا نام لکھا، مجمع میں حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے کہا میرا نام پہلے نہ لکھو، حضرت ابوموسیٰ کا نام پہلے لکھو کہ وہ مجھ سے افضل اور بہتر ہیں، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے قتل کے متعلق گفتگو شروع ہوئی حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا ان کے قتل کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا وہ مظلوم شہید ہوئے ہیں، حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے کاتب سے کہا لکھ لو، اس کے بعد کہا ابو موسیٰؓ حضرت علی رضؓ اور معاویہؓ جس میں الجھے ہوئے ہیں اس سے بہتر ہے کہ ہم امت کی بھلائی کا کوئی اور راستہ ڈھونڈیں اگر آپ چاہیں تو دونوں کو امارت سے خارج کر دیں، اور کوئی تیسرا شخص جس سے تمام مسلمان خوش اور راضی ہوں امیر منتخب کر لیں کیونکہ یہ ایک بہت بڑی امانت ہمارے سپرد کی گئی ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کوئی حرج نہیں، حضرت عمرو بن العاصؓ نے کاتب سے کہا لکھ لو، اس کے بعد کتابت ختم کر دی گئی، اور اجلاس دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دیا گیا

دوسرے دن انہیں صحابہ و تابعین کا اجلاس شروع ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ کہنے لگے اے ابوموسیٰ رضؓ

قَدْ اَخْرَجْنَا عَلِيًّا وَمُعَاوِيَةَ مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ	ہم نے علی رضؓ اور معاویہ رضؓ دونوں کو اس امر سے بے دخل کر دیا ہے ۔

اب تم جس کا نام چاہو پیش کرو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے متعدد نام پیش کئے حضرت عمرو راضی نہیں ہوئے ۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا ابوموسیٰ نے اپنے صاحب علی رضؓ کو معزول کر دیا ہے، اور میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں۔ لیکن میں اپنے صاحب معاویہؓ کو باقی رکھتا ہوں، کیونکہ حضرت عثمانؓ کے ولی، اور ان کے خون کے طالب ہیں۔ اور ان کی جگہ کے زیادہ حقدار ہیں ۔

اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ رضی گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور لوگوں سے شرمندہ تھے۔ اور حضرت عمرو رضی اور شامی لوگ حضرت امیر معاویہ رضی کی طرف لوٹے اور جا کر خلافت کی خوشخبری سنائی۔ اس وقت سے حضرت امیر معاویہ رضی کی قوت بڑھتی چلی گئی۔ اور حضرت علی رضی کی قوت گھٹتی چلی گئی۔

جب حکم کی کیفیت حضرت علی رضی کو معلوم ہوئی تو اہل کوفہ کو حضرت معاویہ رضی کے خلاف جنگ کے لئے ابھارنا شروع کر دیا، اہل کوفہ نے انکار کر دیا، اور کہنے لگے، ہمیں اب استراحت و آرام کی ضرورت ہے، ہم آرام کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف خوارج کا فتنہ تھا اسے فرو کرنا بھی ضروری تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی مصر فتح کرتے ہیں!

حضرت عمرو بن العاص رضی نے بیعت خلافت، حضرت امیر معاویہ رضی کے لئے لی مگر خود بیعت کرنے سے گریز کرتے رہے، کہ تا زیست مصر کا عامل مجھے نہ بنا دیا جائے میں خود بیعت نہیں کروں گا حضرت معاویہ رضی نے منظور کر لیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی جس طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی کو مصر فتح کرنے کے لئے ابھارتے رہتے تھے، حضرت امیر معاویہ رضی کو بھی ابھارتے رہے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص رضی اور حبیب بن سلمہ وغیرہ کو حضرت امیر معاویہ رضی نے بلایا۔ اور کہنے لگے تمہیں میں نے کس لیے بلایا ہے؟ حضرت عمرو بن العاص رضی نے کہا اس لیے بلایا ہے کہ مصر کے متعلق ہماری رائے دریافت کرو اگر اسی لئے بلایا ہے تو صبر و عزیمت سے کام لیجیے، اسی میں آپ کی عزت ہے، اور آپ کے ساتھیوں کی بھی عزت ہے، اور آپ کے دشمنوں کے لئے ذلت و خواری ہے حضرت معاویہ رضی نے کہا مسئلہ بہت اہم ہے، حاضرین سے دریافت کیا۔ انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عمرو بن العاص رضی نے جواب دیا تھا۔

اب حضرت امیر معاویہ رضی نے مصر فتح کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اور تیاری شروع کر دی، اور مصر کی قیادت حضرت عمرو بن العاص رضی کو دے دی۔

حضرت عمرو رضی نے مصر فتح کر لیا، محمد بن ابی بکر رضی جو علی رضی کے عامل تھے انھیں قتل کیا، ادھر حضرت علی رضی نے اشتر کو محمد بن ابی بکر رضی کی امداد کے لئے بھیجا، یہ قلزم تک پہنچے تھے کہ ان

نے شہد کے اندر زہر ملا کر کھلا دیا، جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے، حضرت عمرو رضہ نے محمد بن ابی بکر رضہ کے قتل پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ مردار گدھے کے اندر رکھ کر آگ دے دی، اب اہل مصر نے بھی حضرت معاویہ رضہ کے حق میں بیعت کر لی، حضرت علی رضہ نے مصر کے لئے بہت کچھ مدد چاہی، لیکن کوفہ کے شیعوں میں سے کوئی مدد پر نہ آیا، بجز تھوڑے سے آدمیوں کے کوئی جمع نہ ہو سکا، اور اسی اثنا میں فتح مصر، اور محمد بن ابی بکر رضہ کے قتل کی خبر حضرت علی رضہ کو ملی،

سنہ ۴۰ھ میں حضرت امیر معاویہ رضہ نے بسر بن ارطاۃ کو فوج دے کر حجاز روانہ کیا، یہاں حضرت علی رضہ کی جانب سے حضرت ابوایوب انصاری عامل تھے، یہ یہاں سے بھاگ کر حضرت علی رضہ کے پاس پہنچے، بسر نے مدینہ طیبہ میں خون کی ندیاں بہا دیں، کیونکہ مدینہ طیبہ کے لوگ حضرت امیر معاویہ رضہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اس کے بعد بسر یمن کی طرف بڑھے، اور ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر دیا، حضرت علی رضہ کی جانب سے حضرت عبداللہ بن عباس رضہ عامل یمن تھے، یہ بھی بھاگ نکلے، ان کے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضہ مختلف جہات میں سرایا بھیجتے رہے، تا آنکہ ان کی قوت جیسی چاہیئے تھی ویسی ہو گئی، جس قدر قوت و طاقت حضرت امیر معاویہ رضہ کی بڑھتی چلی گئی، حضرت علی رضہ کی گھٹتی گئی،

شہادت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی سال رمضان المبارک میں تین خارجی جمع ہوئے، عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی، عمرو بن بکر التمیمی، برک بن عبداللہ التمیمی، اور کہنے لگے: اگر ان ائمہ ضلال کو ہم قتل کر دیں تو خدا کے بندوں کو ہم بہت آرام پہنچائیں گے، ابن ملجم نے کہا علی رضہ کا ذمہ میں لیتا ہوں، برک نے کہا معاویہ رضہ کا ذمہ میں لیتا ہوں، عمرو بن بکر نے کہا عمرو بن العاص رضہ کی ذمہ داری میرے سر، اور سترھویں شب رمضان المبارک کو قتل کر دیں گے، جب موعودہ رات آئی ابن ملجم اور اس کے ساتھ دو آدمی دوسرے وردان اور شبیب نے حضرت علی رضہ پر حملہ کر دیا، حضرت علی رضہ اس وقت نماز کے لئے نکلے تھے، شبیب نے وار کیا اور بھاگ نکلا، ابن ملجم نے آپ کی پیشانی پر ایسی ضرب لگائی کہ آپ جانبر نہ ہو سکے، اور وردان بھاگ نکلا، لوگوں نے قاتل کو پکڑ لیا اور جیل میں دھر دیا، جب حضرت علی رضہ کی وفات ہو گئی تو جیل سے نکال کر قتل کر دیا گیا۔

ادھر برک کا یہ حال تھا کہ اس نے حضرت معاویہ رض پر حملہ کیا لیکن اس کو پکڑ لیا گیا اس نے کہا میں آپ کو ایک بہت بڑی خوشخبری سناؤں، اگر آپ مجھے قتل نہ کریں، کہا سناؤ، اس نے کہا میرے رفیق نے اسی رات کو علی رض کو قتل کر دیا ہے، حضرت معاویہ رض نے کہا شاید وہ کامیاب نہ ہوا ہو، اس نے کہا ضرور کامیاب ہوا ہے، کیونکہ علی رض کے ساتھ کوئی پہرہ وغیرہ نہیں ہوا کرتا حضرت معاویہ رض نے خوشخبری کا کوئی اثر نہ لیا، اور اسے قتل کرا دیا، کیونکہ وہ اس حد تک حضرت علی رض کے دشمن نہیں تھے۔

اب عمرو بن بکر کا حال سنئے: اس رات حضرت عمرو بن العاص رض عادت کے موافق نماز کو نہیں آئے بلکہ خارجہ بن ابی حبیب کو حکم دیا کہ آپ نماز پڑھا دیں، عمرو نے حضرت عمرو بن العاص رض سمجھ کر ان پر حملہ کر دیا، اور انہیں قتل کر دیا، لوگوں نے پکڑ لیا، حضرت عمرو بن العاص رض کے پاس لائے اس نے کہا میں نے عمرو بن العاص رض کا ارادہ کیا تھا، لیکن خدا کا ارادہ خارجہ کو قتل کرنے کا تھا، آپ نے اسے قتل کرا دیا،

غرض ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو حضرت علی رض شہید کر دیئے گئے، آپ کی خلافت کی میعاد چھ سال نو مہینے ہے، اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی ہے،

اس میں کوئی شک نہیں کہ علم وعمل، ورع وتقویٰ میں آپ کا نظیر ملنا دشوار ہے، لیکن سچ بات یہ ہے کہ آپ کے لئے زمانہ نامساعد تھا، آپ کی خلافت کا سارا وقت داخلی، اندرونی ہنگاموں میں گذرا، باہر کی فتوحات کا سلسلہ رک گیا،

خلافت حضرت حسن رض ابن علی رض

حضرت علی رض کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رض بن علی رض کے ہاتھ لوگوں نے خلافت کی بیعت کی، لیکن ایک طرف حضرت معاویہ رض تھے اور دوسری طرف حضرت امام حسن رض، وقت وزمانہ نامساعد تھا، مسلمانوں میں باہمی کشت وخون کو گوارا نہ کیا، اور تقریباً چھ مہینہ خلافت کر کے حضرت معاویہ رض کے ہاتھ بیعت کر کے خلافت سے دستبردار ہو گئے، اور دونوں بھائیوں نے یعنی امام حسن رض اور امام حسین رض نے ان کو مسلمانوں کا خلیفہ تسلیم کریں۔

غرض! یہ کہ خلافت راشدہ ختم ہو گئی جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

فرمائی تھی کہ خلافت تیس سال رہے گی۔ اس کے بعد ملک عضوض ہو جائیگا، پھر بھی یہ خصوصیت رہی کہ بیعت خلافت ہوتی تھی تو پہلی شرط یہ ہوتی تھی کہ کتاب اللہ، کتاب الرسول کے مطابق عمل ہوگا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت فاروق رضؓ عمر بن الخطاب، حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت امام حسن رضؓ کی خلافت میں پہلی شرط یہی ہوتی تھی، اور بعد میں بنو امیہ کی خلافت کے عہد میں بھی اسی شرط پر عمل ہوتا رہا گو حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں شعبہ جنگ بجائے جہاد فی سبیل اللہ کے باہمی آویزشوں میں الجھ گیا،

بنو امیہ میں بعض ایسی شخصیتیں ہوئیں کہ پوری طرح سروری در دین ما خدمت گریست کا پورا پورا نقشہ پیش کرتی رہیں، چنانچہ حضرت عمر بن العزیز کی ذات گرامی اسی نقش قدم پہ چلتی تھی۔ آپ کی سیرت قلمبند کی جائے تو بڑی بڑی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

غرض! جب تک مسلمان کتاب اللہ، کتاب الرسول کے پیرو رہے۔ اور جب تک اس آسمانی دستور العمل، نظام فطری، ضابطہ آسمانی کے پابند رہے، دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور رہے، اور جس قوم، جس ملت نے اس کو اپنایا کامیاب رہی۔ ایسی کامیاب کہ دنیا جہان کی حکومتیں ان کا منہ تکتے رہ گئیں۔

آج بھی یہ مکمل نظام حیات موجود ہے۔ اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اور اسے اپنانے والے بہرہ ور ہوں گے، جیسا کہ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے۔

لَا يَصْلُحُ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ اَوَّلُهٗ۔

اس امت کے آخری لوگ اسی راستہ سے صلاح وفلاح کو پہنچیں گے جس راستہ سے اس امت کے اگلے صلاح وفلاح کو پہنچے تھے۔

مسلمان اس آسمانی نظام، آسمانی دستور العمل، آسمانی ضابطہ حیات، اور فطری نظام کو لے کر چلے تو دنیا کی ہر قوم ہر ملت نے ان کا استقبال کیا۔ اور اسلام کی برکتوں سے سعادت حاصل کی۔

سیاست شرعیہ کی اہمیت

یہ کتاب جس کا ہم مقدمہ لکھ رہے ہیں وہ امام ہمام۔ العلامۃ ابو العباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ الحرانی الدمشقی الحنبلی ۷۲۸ھ کی کتاب

"السیاستہ الشرعیہ" ہے، جس کا ہم نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ترجمہ کو قبول فرمائے، اور دنیا کو اس سے مستفیض فرمائے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح تعارف کے محتاج نہیں، جس موضوع پر آپ کا قلم اٹھتا تھا، ایک سمندر بے کنار تھا کہ امنڈا چلا آتا تھا، بڑی خوبی آپ کی تصانیف کی یہ ہے کہ کتاب اللہ، اور کتاب الرسول ؐ سے استشہاد کرتے ہیں اور خاص طور پر بخاری اور مسلم ہی کی روایات سے استشہاد کرتے ہیں۔

چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں آپ نے لکھی ہیں جس میں منہاج السنۃ رد شیعہ میں خاص کتاب ہے، جس کا جواب آج تک شیعہ نہیں دے سکے۔

السیاستہ الشرعیہ، گو مختصر ہے، لیکن اصول امارت وسلطنت اصول جہانبانی کتاب وسنت ہی کے ذریعہ پیش کر دئے ہیں، اور نہایت جامع طریقہ سے پیش کر دئے ہیں۔

افسوس ہے کہ ایسی مفید، عالم خیز، عالمتاب عالمگیر تصنیف کے ہوتے ہوئے دنیائے اسلام غیروں کے بنائے ہوئے دستور ٹٹولتی پھرتی ہے۔ حالانکہ اسلام نے جن اصولی چیزوں پر امارت، سلطنت اور جہانبانی کی بنیادیں رکھی ہیں، وہ تمام اس کتاب میں موجود ہیں۔ اور جن پر عمل کر کے سارا عالم اسلام اپنے اندر پھر وہی زندگی پیدا کر سکتا ہے جو عہد اسلامی کے اولیں حضرات صحابہ وتابعین نے پیدا کی تھی۔

ہم سارے کرۂ زمین کے امیروں، رئیسوں، فرمانرواؤں، سلطانوں، بادشاہوں حکام عمال گورنروں کو دعوت دیتے ہیں، اور خصوصاً عالم اسلامی کو کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور بغور اسے پڑھیں، انشاء اللہ کتاب وسنت کی حقیقی سیاست سامنے آجائے گی۔ اور اس پر عمل پیرا ہو کر ساری دنیا کو اپنا بنا سکتے ہیں۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وعلی من تبعہ الی یوم الدین۔

ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ از مصنف

ہمارے شیخ، ہمارے قائد و راہ نما، ہمارے امام عالم و عامل صدر کامل، بیشمار فضائل کے حامل کہ جن کے حصر و احصاء اور شمار کرنے سے بڑے بڑے علماء فضلاء قاصر ہیں، اور دشمن بھی اس کی شہادت دیتے ہیں، اور وہ ابو العباس احمد ابن علامہ شہاب الدین عبد الحلیم ابن علامہ امام ابو البرکات عبد السلام بن عبداللہ بن ابو القاسم ابن تیمیہ ہیں، خدائے قدوس ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کے فیوض سے مستفیض فرمائے، فرماتے ہیں:۔

الحمد للہ! کہ جس نے اپنے رسولوں، پیغمبروں، کو واضح بینات دے کر بھیجا، اور ان رسولوں، پیغمبروں کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ سیدھی، مستقیم اور عدل و انصاف کی راہ پر لگ جائیں، اور لوہا اتارا جس میں بأس شدید، سخت ترین خوف، اور لوگوں کے لئے بے شمار منافع موجود ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کی نصرت و امداد کرنی چاہئے، اور کس کو رسالت و پیغمبری دینا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہی قوی عزیز اور غالب ہے، اور اسی نے آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر رسالت و نبوت ختم کردی، آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ہدایت و رشد، اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ تمام ادیان و مذاہب پر اس دین کو غالب کرکے چھوڑیں [1]۔ اور اس کی تائید و نصرت کے لئے ایک ایسا سلطان نصیر، علم و قلم، رشد و ہدایت، حجت و دلیل، قدرت و قوت اور اقتدار و سطوت اور شمشیر و تلوار دی جو عزت و غلبہ کی کفیل ہے، اور گواہی دیتا ہوں میں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، جو وحدہٗ لاشریک ہے، اس کا کوئی شریک و ساجھی دار نہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، رحمت اتارے اللہ تعالےٰ

---

[1] قرآن حکیم کے اندر ہے:۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۔ (فتح ع ۴)

وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ تمام دینوں پر اسکو غالب کردے۔ اور خدا کی گواہی اس کے لئے کافی ہے۔

(ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی)

ان پر، ان کی آل پر، ان کے صحابہ پر، اور سلامتی ان پر بے حد و بے شمار، یہ ایسی شہادت ہے کہ شہادت دینے والا ہمیشہ ہمیش کے لئے خدا کی حرز و حفاظت میں ہو جاتا ہے۔

وجہ تصنیف

امابعد! یہ مختصر سا رسالہ ہے جو سیاست الٰہیہ، نیابت نبوت کا جامع ہے، جس سے راعی و رعیت، حاکم و محکوم، کسی حال میں مستغنی اور بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔

اس رسالہ کا اقتضاء یہ ہے کہ ولاۃ امور والیانِ ملک کو جو نصیحت اللہ تعالےٰ نے واجب لازم اور ضروری قرار دی ہے وہ کی جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو بے شمار طریقوں سے مروی اور ثابت ہے، اور وہ یہ ہے:

إِنَّ اللّٰہَ یَرْضٰی لَکُمْ ثَلَاثَۃً اَنْ تَعْبُدُوْہُ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ وَاَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَّلَاہُ اللّٰہُ اَمْرَکُمْ۔

اللہ تعالےٰ تین چیزوں سے تم سے راضی ہے ایک یہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور سب مل کر حبل اللہ کو مضبوط تھامے رہو، اور گروہ گروہ نہ بن جاؤ، اور ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہو جن کو اللہ تعالےٰ نے تمہارے امور کا والی اور حاکم بنایا ہے۔

اس رسالہ کی بنیاد کتاب اللہ کی اس آیت پر ہے:-

إِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ

مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو، اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصل کرنے لگو، تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ جو تم کو نصیحت کرتا ہے تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے، مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور رسول کا حکم مانو، اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو

الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (نساء ع ۸)

اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے

علماء شریعت کا قول ہے کہ پہلی آیت یعنی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ الخ۔ ولاۃ امور۔ والیان ملک، امراء و حکام کے متعلق نازل ہوئی ہے، کہ یہ لوگ امانتیں ان کے اہل و حق داروں تک پہنچائیں، جب کوئی حکم کریں اور فیصلہ دیں تو عدل و انصاف کریں۔

دوسری آیت یعنی اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ رعیت، رعیت کے لشکروں، وغیرہ کے متعلق ہے۔ کہ وہ اپنے اولی الامر کی اطاعت کریں، جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اور تقسیم اور جنگ کے احکامات جاری کر رہے ہیں۔ اور غزوات وغیرہ میں کام کر رہے ہیں۔ ہاں اس حکم کی پیروی نہ کریں جس میں اللہ تعالےٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جب کبھی معصیت الٰہی، نافرمانی خداوندی کا حکم دیں قطعاً اطاعت و پیروی نہ کریں، اور اس بارے میں حدیث نبوی وارد ہے :۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

جس میں خالق کی معصیت و نافرمانی ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

پس جب کسی معاملہ میں آپس میں تنازع ہو جائے، تو کتاب و سنت کی طرف لوٹا دیں، اگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے کہ باہمی تنازع کو کتاب و سنت کی طرف لوٹائیں، تو والیان ملک کا فرض ہے کہ وہ اس آیت کے مطابق عمل کریں، اور حکم خداوندی کی تعمیل کریں۔

کیونکہ خدا کا فرمان ہے :۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ط وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط (مائدہ ع ۱)

اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو، اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کے مددگار نہ ہو۔

اس آیت پر عمل کرنے سے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو گی۔ اور ان کے حقوق بھی پوری طرح ادا ہو جائیں گے۔

آیت بالا کے اندر امانت کی ادائیگی، اور حق داروں کے حقوق ان تک

پہونچانے کا حکم کیا گیا ہے، تو ادار امانت، اور ادار امانت میں عدل وانصاف یہی دو چیزیں سیاست عادلہ، اور ولایت صالحہ، حکومت نافعہ کا اصل مقصد ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیاست شرعیہ

پہلی فصل کے مضامین

مستحقین ولایت امر۔ نائبین امصار۔ وامراء۔ نائبین سلطان قضاۃ۔ امراء لشکر۔ چھوٹے بڑے حکام۔ والیان اموال و وزراء۔ منشیان دفاتر خراج، صدقات و زکاۃ وصول کرنے والے فوج کے والی۔ سرداران لشکر۔

امانتیں ادا کرنے کی دو قسمیں ہیں، ایک "ولایت" اور "اولی الامر" ہے، آیت مذکورہ کے نزول کا یہی سبب ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو کعبۃ اللہ کی کنجیاں آپ نے بنی شیبہ سے لے لیں، آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے طلب کیں کہ مجھے دے دی جائیں تاکہ سقایۃ الحاج۔ حاجیوں کے پانی پلانے کے ساتھ ہی ساتھ "سدانت کعبہ"۔ کعبۃ اللہ کی خدمت بھی اپنے لئے مخصوص کرلیں، خدا کو یہ ناگوار ہوا۔ اور یہ آیت نازل فرمائی اور کعبۃ اللہ کی کنجیاں۔ بنی شیبہ کو دینے کا حکم ہوا۔ پس "ولی امر" کا یہ فرض ہے کہ مسلمانوں کا ہر کام انہیں کو سپرد کریں، جو اس کام کے لئے اصلح ہوں۔ زیادہ سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ وُلِّیَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ شَیْئًا فَوَلّٰی رَجُلًا۔ وَھُوَ یَجِدُ مَنْ ھُوَ اَصْلَحُ لِلْمُسْلِمِیْنَ فَقَدْ خَانَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ۔

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر بھی کسی ایسے شخص کو والی و حاکم بنا دیا کہ اس سے بہتر اور اصلح للمسلمین موجود ہے تو اس نے اللہ اور اللہ کے رسول سے خیانت کی۔

ایک دوسری روایت ہے:۔

مَنْ قَلَّدَ رَجُلًا عَمَلًا عَلٰی عِصَابَةٍ وَهُوَ يَجِدُ فِي تِلْكَ الْعِصَابَةِ أَرْضٰى مِنْهُ . فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَخَانَ رَسُوْلَهٗ وَخَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ .

(رواہ الحاکم فی صحیحہ)

جس نے وہ عصابہ، فوج کے دستہ پر کسی ایسے آدمی کو فوج کا سردار مقرر کیا کہ اس سے بہتر آدمی اس دستہ قومی عصابہ، قومی فوجی دستہ میں کام کرنے کیلئے موجود ہے تو یہ اللہ تعالیٰ سے خیانت کرتا ہے، اسکے رسول سے خیانت کرتا ہے اور اہل ایمان سے خیانت کرتا ہے،

بعض علماء اسے حضرت عمرؓ کا قول بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ اپنے بیٹے کو کہا تھا۔ اور ابن عمرؓ ہی اس کے راوی ہیں اور حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں:۔

مَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَوَلّٰى رَجُلًا لِمَوَدَّةٍ . أَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالْمُسْلِمِيْنَ .

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر کسی ایسے آدمی کو والی اور حاکم بنایا جو اس سے محبت اور دوستی رکھتا ہے یا قرابت دار کو والی اور حاکم بنایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول اور عام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔

اس مسئلہ پر غور و فکر کرنا، والی اور حاکم کا اولین فرض ہے، اور اس لئے واجب ہے کہ ولایت و حکومت کے اصل مستحق، اور حقدار لوگوں سے بحث کی جائے، کہ شہروں پر کیسے نائب اور حاکم مقرر کئے جائیں، اور یہ لوگ فوج کے امراء، لشکر اسلام کے سردار چھوٹے بڑے، مسلمانوں کا مال وصول کرنے والے، وزراء، منشی، کاتب خراج و صدقات، زمین کا محصول اور زکوٰۃ وصول کرنے والے، اور اس میں کوشش کرنے والے وغیرہ جو مسلمانوں سے مال اور پیسہ وصول کرتے ہیں، وغیرہ سب شامل ہیں، ان میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے نائب اور حاکم ایسے مقرر کریں جو مسلمانوں کے لئے بہتر اور اصلح ہوں، اور کوشش کریں کہ اصلح کے ہوتے ہوئے غیر اصلح کو مقرر نہ کریں، اور یہ سلسلہ نماز کے اماموں، مؤذنوں، مقریوں، معلموں، اور امیر الحاج کنوؤں، چشموں کی دیکھ بھال کرنے والوں، مال کے محافظوں، قلعوں کی حراست کرنے والوں، اور لوہار جو قلعوں پر مامور ہوتے ہیں، قلعوں کے دربانوں، فوج و لشکر کے نقیبوں، قبائل اور بازاروں کے عرفاء، دیہات اور قریوں کے دیہاتی رؤساء وغیرہ پر منتہی ہوتا ہے۔

ان لوگوں کا اولین فرض ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے کسی کام میں والی اور حاکم مقرر کریں، اپنے ماتحت ایسے لوگوں کو کام سپرد کریں جو اصلح ہوں، اور کام پر کافی قدرت و دسترس رکھتے ہوں، اور ان آدمیوں کو مقدم نہ رکھیں۔ جو خود ولایت اور حکومت طلب کرتے ہوں، یا اس کی طلب میں درخواست دی ہو، بلکہ

طلب کرنا۔ اور درخواست دینا تو جگہ نہ دینے کا ایک بہت بڑا سبب ہے، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم میں ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قَوْمًا دَخَلُوا عَلَيْهِ سَأَلُوهُ وِلَايَةً فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي أَمْرَنَا هٰذَا مَنْ طَلَبَهُ (بخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ولایت وحکومت طلب کی آپ نے فرمایا ولایت وحکومت ہم ایسے لوگوں کو نہیں دیں گے جو خود مانگتے ہیں۔

اور عبدالرحمٰن بن سمرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْئَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا۔ وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا۔ (اخرجاہ فی الصحیحین)

اے عبدالرحمٰن! تم امارت نہ مانگو۔ اگر بغیر مانگے تم کو امارۃ مل جائے تو تم کو خدا کی جانب سے مدد ملے گی، اگر مانگنے سے ملی تو تمہیں خود اس کا وکیل بننا پڑے گا۔ امداد نہیں ملے گی۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مَنْ طَلَبَ الْقَضَاءَ وَاسْتَعَانَ عَلَيْهِ وُكِلَ إِلَيْهِ وَمَنْ لَمْ يَطْلُبِ الْقَضَاءَ وَلَمْ يَسْتَعِنْ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ۔ (رواہ اہل السنن)

جس نے قضا طلب کی، اور اس کے لئے کسی کی مدد چاہی تو یہ کام اسی کے سپرد ہوگا اور جس نے قضا طلب نہیں کی اور اس کے لئے کسی کی مدد نہیں چاہی تو اللہ تعالےٰ اسکے لئے فرشتہ بھیجیگا جو اسکو صحیح راستہ پر چلاتا رہے گا۔

پس اگر والی جادۂ استقامت سے ہٹ گیا، یا زیادہ حقدار اور اصلح کو چھوڑ کر کسی قرابت، یا ولاء عتاقہ۔ یا ولاء صداقہ کی وجہ سے۔ یا کسی آبادی میں موافقت اور دوستی ہوگئی ہے اس لئے یا مذہبی موافقت کی وجہ سے یا کسی اور طریقے سے، یا باہم ایک جنس ہونے کی وجہ سے مثلاً ایرانی، ترکی، رومی ہونے کی وجہ سے یا رشوت کی وجہ سے یا کسی دوسری منفعت کی وجہ سے یا اس قسم کے دوسرے اسباب کی وجہ سے، یا حقدار اصلح سے کینہ، عداوت رکھتا ہے اس لئے حقدار مستحق، اصلح کو چھوڑ کر غیر حقدار، غیر مستحق، غیر اصلح کو مقرر کیا تو یقیناً وہ اللہ، اور اللہ کے رسول اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کر رہا ہے، جس سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللهَ

مسلمانو! اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو

وَالرَّسُوْلَ۔ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ (انفال ع ۳)

اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو، اور تم تو خیانت کے وبال سے واقف ہو۔

اس کے بعد ہی فرمایا:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (انفال ع ۳)

اور جانے رہو کہ تمہارے مال، اور تمہاری اولاد ایک فتنہ ہے، اور نیز یہ کہ اللہ وہ ذات ہے کہ اسکے ہاں بڑا اجر موجود ہے۔

خدا نے یہ اس لئے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی اپنے بچے اور غلام سے محبت کی وجہ سے ملک کے کسی حصہ کی ولایت دے دیتا ہے، اور غیر مستحق کو حکومت دے دیتا ہے، تو یقیناً وہ امانت خداوندی میں خیانت کرتا ہے، اسی طرح وہ مال کی کثرت وفراوانی کو پسند کرتا ہے اس کو محفوظ کرنے کے لئے غیر مستحق لوگوں کو ترجیح دیتا ہے، اور وہ خواہ مخواہ مال وصول کرتے ہیں۔ یا بعض اقلیموں کے والیوں اور حاکموں کو وہ ایسا پاتا ہے کہ وہ مداہنت اور چاپلوسی کرتے ہیں مگر یہ ان سے ڈرتا ہے، اور ان کو اپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے، اس لئے غیر مستحق کو حقدار بنا کر بھیج دیتا ہے، تو یہ آدمی یقیناً اللہ، اور اللہ کے رسول سے خیانت کرتا ہے، اور اس امانت میں خیانت کرتا ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے،

اور پھر یہ کہ امانتدار اگر اپنی خواہش اور ہوا کی مخالفت کرے اور اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کے اہل وعیال اور مال کی اس کے بعد بھی حفاظت کرتا ہے، اور جو آدمی اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے مقصد اور ارادوں کو توڑ دیتا ہے، اس کی اولاد وعیال کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیتا ہے، اور وہ سارا مال اس کا چلا جاتا ہے۔

اس بارے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے، وہ یہ کہ خلفاء بنو عباس میں سے کسی نے بعض علماء کو کہا کہ کچھ حالات جو تمہارے دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے ہوں لکھئے، اس نے کہا، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا ہے، کسی نے ان سے کہا، امیرالمومنین! اس مال کو آپ نے اپنے بیٹوں سے دور رکھا ہے، اور انھیں فقیر و بے نوا چھوڑ دیا ہے، کوئی چیز آپ نے ان کے لئے نہیں چھوڑی، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اس وقت مرض موت میں مبتلا تھے، انھوں نے کہا اچھا میرے لڑکوں کو میرے سامنے لاؤ۔ لڑکے لائے گئے، جو دس سے زیادہ تھے، اور سب کے سب

نابالغ تھے، لڑکوں کو دیکھ کر رونے لگے، اور کہنے لگے میرے بیٹو! جو تمہارا حق تھا وہ میں نے تم کو پورا پورا دے دیا ہے، کسی کو محروم نہیں رکھا۔ اور میں لوگوں کا مال تم کو دے نہیں سکتا، تم میں سے ہر ایک کا حال یہ ہے کہ یا تو وہ صالح نیک بخت ہوگا تو اللہ تعالےٰ صالح اور نیک بندوں کا والی اور مددگار ہے، یا غیر صالح ہوگا، اور غیر صالح کے لئے میں کچھ بھی چھوڑنا نہیں چاہتا کہ وہ مال کے ذریعہ خدائے تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا ہوگا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ! بس سب جاؤ میں اتنا ہی کہنا چاہتا تھا، اس کے بعد وہ کہتا ہے انہیں عمر بن عبدالعزیز کی اولاد میں سے بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ سَو سَو گھوڑے فی سبیل اللہ دیتے تھے کہ مجاہدین اسلام ان پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

اس کے بعد اس نے کہا، عمر بن عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین تھے، اقصار مشرق، بلاد ترک وغیرہ پر اقصار مغرب بلاد اندلس وغیرہ پر قابض تھے، جزائر قبرص، اور حدود شام اور طرسوس وغیرہ کے قلعوں پر حکومت و فرمانروائی کرتے تھے، یمن کی انتہائی سرحدوں میں جن کی حکومت پھیلی ہوئی تھی، باوجود اس کے ان کی اولاد نے باپ کے ترکہ میں سے تھوڑی چیز پائی تھی اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ بیس بیس درہم سے بھی کم تھی [۱]۔

---

[۱] صالح اور نیک بندوں کی خدا مدد و اعانت فرماتا ہے، آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ باوجودیکہ بنو امیہ کے ایسے باشوکت و سطوت خلیفہ تھے جن کے نام سے دنیا لرزتی تھی۔ ان کے لڑکوں کا یہ حال تھا کہ بیس بیس درہم باپ کے ترکہ سے ہاتھ لگے تھے، لڑکے صالح اور نیک بخت تھے، تو خدا نے ان کو بہت کچھ عطا فرمایا۔ سَو سَو گھوڑے راہ خدا میں دیتے تھے کہ مجاہدین اسلام ان پر سوار ہو کر جہاد کریں، دوسرے راستوں سے راہ خدا میں دیتے تھے وہ الگ۔

اللہ تعالےٰ صالح اور نیک بندوں کی اعانت و امداد ضرور کرتا ہے، قرآن حکیم کے اندر ہے۔

اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتَابَ وَ	در اصل وہی ہے جس نے اس کتاب کو اتارا، وہی میرا کارساز ہے
ھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ۝ (اعراف ع ۲۴)	اور وہی تمام صالح اور نیک بندوں کی امداد و حمایت کرتا ہے۔

اور سورہ نحل کے اندر ارشاد فرماتا ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی	جو شخص صالح، نیک عمل کریگا، مرد ہو یا عورت تو ہم دنیا میں بھی
وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَ	اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور ان کو آخرت میں
لَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا	بھی ان کے بہترین اعمال کا (باقی بر صفحہ ۹۰)

پھر اس عالم میں! میں نے بعض ایسے خلفار بھی دیکھے ہیں جنہوں نے اپنا ترکہ اتنا چھوڑا تھا کہ ان کے مرنے کے بعد جب لڑکوں نے باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں چھ چھ کروڑ اشرفیاں آئی تھیں لیکن میں نے ان لڑکوں میں سے بعض کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ لوگوں کے سامنے بھیک مانگا کرتے تھے۔

اور بے شمار حکایتیں اور چشم دید واقعات، اور اگلوں سے سنے ہوئے حالات اس بارے میں موجود ہیں جو عقلمندوں، اور ارباب بصیرت کی عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت وامارت اور حکومت بھی ایک امانت ہے، جس کا ادا کرنا واجب ہے، اور مختلف مواقع پر ما تقدم کی طرح حفظ اس کا ذکر ہے، مثلاً ابو ذرؓ کو امارت کے بارے میں آپ نے فرمایا:۔

(بقیہ ص۸۹) يَعْمَلُونَ۔ (نحل ع ۱۳) صلہ ضرور عطا فرمائیں گے

اعمال صالحہ دنیا اور آخرت کی فلاح وبہبود کا ذریعہ ہے، اور بد اعمال بدبختی، بدنصیبی کا ذریعہ ہے۔ گو بظاہر کچھ دنوں کے لئے بدوں اور بُروں کو اچھائی نصیب ہو، لیکن آخرکار یہ لوگ دنیا میں خوار وذلیل ہوں گے، اور آخرت میں ذلت ورسوائی ہوگی۔

آپ نے دیکھ لیا کہ بعض خلفاء عباسیہ چھ چھ کروڑ اشرفیاں اپنے لڑکوں کے لئے ترکہ میں چھوڑ گئے تھے لیکن بدعملی کے پاداش میں آخر ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔

خدا اعمال صالحہ کا بدلہ تمکنت فی الارض بتاتا ہے اور استخلاف فی الارض کا وعدہ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔

(سورہ نور ع ۷)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے خدا کا وعدہ ہے ان کو ملک کی خلافت ضرور عنایت کرے گا جیسے ان لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے، اس کو ان کے لئے جما کر رہے گا اور خوف وخطر جو ان کو لاحق ہے اس کے بعد ان کو اس کے بدلہ میں امن دے گا کہ باطمینان ہماری عبادت کیا کریں، اور کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ توحید، اعتقاد آخرت، اعمال صالحہ کی روح پھونک دیتا ہے اور اعمال صالحہ وہ کام کرتے ہیں جو بڑی سے بڑی طاقتیں پیدا نہیں کر سکتیں، اعمال صالحہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ دنیا اور آخرت کی زندگی کو سدھار دیتے ہیں اور اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں (باقی ص۹۱)

اِنَّهَا اَمَانَةٌ ۔ وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا ۔ وَاَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ فِيْهَا ۔ (رواہ مسلم)

یہ امارت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ امارت خواری اور ندامت کا موجب ہے مگر یہ کہ امارت کو حق کے ساتھ لیا ۔ اور اس کے حقوق کو اسمیں پوری طرح ادا کیا ۔

(بقیہ صفحہ ۹۰) عرب جیسے ملک میں جب خدا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خلافت کبریٰ سے نوازا تو صرف چار پانچ سال کے اندر آپ کو اتنا اقتدار حاصل ہو گیا کہ عرب کا بڑا حصہ اسلامی حکومت میں داخل ہو گیا آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت قائم ہوئی جو صرف ڈھائی سال رہی لیکن خلافت کو اللہ تعالےٰ کی امانت سمجھ کر کام کرتے رہے ، تا آنکہ روزانہ دو درہم (درہم کی قیمت ساڑھے تین آنہ ہوتی ہے) گھر کے خرچ کے لیتے تھے ، ڈھائی سال کے بعد حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ خلیفہ ہوئے تو آپ کی زندگی کا بھی یہی حال تھا ، پیوند لگے کپڑے پہنتے ، روکھی سوکھی جو کی روٹی کھاتے ، راتوں کو احتساب کے لئے پھرتے ، حالات دریافت کرتے ، اور رونے کہ الٰہی میں مسلمانوں کا راعی ہوں مجھ سے بازپرس نہ کرنا ، جب فجر کی نماز میں آپ کو خنجر لگتا ہے اور آپ زندگی سے ناامید ہو جاتے ہیں تو روتے ہیں کہ اے خدا میری کوتاہیاں تو معاف فرما ، اور مجھ سے بازپرس نہ کر ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کہتے ہیں آپ کیوں رو رہے ہیں ؟ تو جواب دیتے ہیں مجھے دنیا سے جانے کا غم نہیں ، خدا کا ڈر ہے جس کی وجہ سے میں رو رہا ہوں ، اتنی بڑی امانت میرے سپرد کردی گئی میں اسے انجام نہ دے سکا حضرت علی اور حضرت عباس کہنے لگے اے عمر! جبتک تم اسلام نہیں لائے تھے اسلام چھپا رہا ، جب تم اسلام لائے تو اسلام ظاہر ہوا ، تم امارت پر مامور ہوئے تو اسلام عرب سے نکل کر ایران و روم پر غالب آگیا ، اور یہ دونوں ملک اسلام کے قبضے میں آگئے اور تم نے عدل و انصاف کی حکومت قائم کی ، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم دونوں بارگاہ خداوندی میں یہ شہادت دو گے ؟ انہوں نے کہا ضرور ہم گواہی دیں گے ۔

آپ والی اور گورنر مقرر فرماتے ہیں تو اصلح للقدم کو تلاش کرتے ہیں ، اور پھر ان کو نصیحت کرتے ہیں اور دُور تک پا پیادہ انکے ہمراہ جاتے ہیں ، اور آخری نصیحت یہی فرماتے ہیں ۔

ایک جوڑا کپڑوں کا ہوتا ہے ، جمعہ کے دن دھوتے ہیں اور سوکھنے میں دیر ہو جاتی ہے تو جمعہ کی نماز کے لئے دیر سے آتے ہیں اور نمازیوں سے معذرت کرتے ہیں اور دیر ہونے کی وجہ پیش فرماتے ہیں

دین کے بارے میں کسی سے کوئی کوتاہی دیکھتے ہیں تو بلا لومۃ لائم اس کو نصیحت فرماتے ہیں ۔

غرض ! عدل و انصاف کی ایسی لہر دوڑ گئی کہ ہر مسلمان عدل و انصاف کا فرشتہ بن گیا ۔ تا آنکہ دوسرے ممالک کے سفراء اور وکیل آتے ہیں یہاں کے حالات دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ یہ لوگ انسان نہیں بلکہ فرشتے اور اپنے سلاطین سے جاکر کہتے ہیں کہ هُمْ فِي اللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَفِي النَّهَارِ فُرْسَانٌ (یہ لوگ شب زندہ دار ایسے ہیں کہ راتوں کو رہبان معلوم ہوتے ہیں اور دن میں وہ شہسوار ہوتے ہیں ۔)

(باقی بر صفحہ ۹۲)

02166

اور امام بخاری رحمہ نے اپنی صحیح بخاری کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضہ سے روایت کی ہے :-

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَۃُ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امانت ضائع کی جانے لگے تو ساعت (قیامت) کا انتظار کرو۔

(بقیہ ص۹۱) غرض! یہ کہ اسلام ایسا دین ہے جو جامعیت، معنویت کے لحاظ سے بالکل مکمل اور ایک ہی دین ہے، دنیوی مادی اقدار کو کچھ اس طرح اخروی اور روحانی اقدار میں ممزوج کر دیا کہ دنیا اور عقبیٰ دونوں میں رفعت و بلندی پیدا کر دیتا ہے، اور ٹھیک ٹھیک "سروری در دین ما خدمت گری است" کا نقشہ پیش کر دیتا ہے، اور یہی چیز ہے جب ۱۹۳۶ء میں کانگریس کی وزارتیں ہندوستان میں تھیں تو گاندھی جی جیسے شخص نے اپنے اخبار ہریجن میں کانگریسی زعماء کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ "میں ایسی حکومت چاہتا ہوں جو ابوبکر صدیق رضہ اور عمر بن الخطاب رضہ کی حکومت تھی"، اور حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ میں نے اس لئے کہا کہ "تاریخ میں مجھے ان دو ہی کی حکومت ایسی ملتی ہے، دوسری کوئی نظر نہیں آتی" اور واقعہ بھی یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضہ کی ہمسری نہیں کر سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح آسمانی صحیفہ عطا فرمایا، اور ایک نیا علم نئی حکمت عطا کی اسی طرح نئے جذبات و کیفیات نیا ایمان و یقین، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری نئے جذبات ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبۂ زہد و تقویٰ، نیا جذبۂ قناعت اور دنیا کی متاع فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، نیا حسن سلوک ہمدردی، بر و مواسات مکارم اخلاق پیدا کر دیا، اور اسی طرح نیا ذوق عبادت خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعاء و تضرع کی دولت عطا فرمائی، اور انہیں بنیادوں پر سیاست اور خلافت کبریٰ کی عمارت تعمیر ہوئی، نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت، عہد صحابہ رضہ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے صحابہ کرام ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمایندے اور بہترین نمونہ تھے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست دنیا کو روحانی قدروں سے کچھ اس طرح ممزوج کر دیا کہ سیاست و حکومت خدائی حکومت بن گئی، خلافت کبریٰ کو قرآن حکیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اس طرح واضح کیا کہ دنیا و عقبیٰ کی فلاح و بہبود، دنیا و آخرت کی زندگی کو اونچا سے اونچا جنبہ سے بلند کر دیا۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت تعلیم و تلقین دنیوی اخروی سعادتوں کا سرچشمہ ہے اور اس سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، اور محیر العقول انقلاب کا ذریعہ بنا، اور اسی سے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل ہوئی ہے لیکن اس نے انسانی فطرت کا رُخ آخرت کی طرف موڑ دیا، دنیا کی ہر چیز کو وہ عقیدۂ توحید اور اعتقاد آخرت کی میزان پر تولتے اور آگے اقدام کرتے۔

قرآن مجید کی صحیح تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی عملی اخلاقی زندگی تھی، آپ کی سیرت طیبہ آپ کے ارشادات و ہدایات آپ کے مواعظ و نصائح تھے، قرآن مجید کی اولین مخاطب جماعت قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق، قول و فعل کو دیکھتی (باقی برص۹۳)

قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا إِضَاعَتُهَا؛ قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ [1]

(رواہ البخاری)

کہا گیا یا رسول اللہ! امانت ضائع کرنا کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جب امرِ حکومت اور سرداری نااہلوں کے سپرد کی جائے تو تم ساعۃ یعنی قیامت کا انتظار کرو۔

(بقیہ ص۹۲) اچھی طرح اور سب سے بہتر سمجھی تھی، اور اسلئے آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام نے اسی سیرت و اخلاق کو لیکر چلنا شروع کیا اور ساری دنیا کو مسخر کرلیا اور نصف صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ نصف کرۂ زمین پر اسلام کا پرچم اڑنے لگا۔ اس طریق کار نے وہ وہ بخشا اور وہ وہ عنایت کیا اور خدا کی جانب سے ایسی ایسی نوازشات ہوئیں کہ انسانی تصور بھی اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

• آج انبیاء کرام کی صحیح اور پوری سیرت کا پتہ چلانا دشوار ہے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی زندگی و سیرت کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام کی زندگیاں ایسی محفوظ ہیں کہ دوسرے پیغمبروں کی بھی ایسی محفوظ نہیں۔

قسم خدا کی اگر اسلام کو ماننے والے صحیح صحیح اس معاشرہ کو پالیں تو پھر انہیں کرۂ ارضی کی سیادت نصیب ہوسکتی ہے، جب تک اس آسمانی دستور العمل آسمانی ضابطہ کو اپنا تی نہیں دنیا میں یہی اضطراب شبے چینی رہے گی جو آج ہو رہی ہے، دنیا کے بڑے بڑے حکمران اپنے دماغوں سے تراشے ہوئے قواعد و ضوابط بناتے ہیں اور مخلوق کو پریشان کر رہے ہیں۔

جس وقت پیغمبر اسلام مبعوث ہوئے ہیں دو بڑی طاقتیں برسر اقتدار تھیں، معمورۂ دنیا انہی دو طاقتوں کے اقتدار میں دبی ہوئی تھی جس طرح کہ آج امریکہ اور روس کے اقتدار میں دنیا دبی ہوئی ہے۔ انہیں کے تمدن و تہذیب میں ڈھلتی تھیں، انہیں کے طور و طریق اختیار کرتی تھی، اور وہ ایران اور روم کی طاقتیں تھیں، ایران کی متمولانہ عیش پرستی، علیش کوشی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ شخص جسکے سر پر ایک لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے کی ٹوپی نہ ہو، جس کی کمر میں ڈیڑھ دو لاکھ کا پٹہ نہ ہو، جس کے گھر باغ، حوض اور حمام نہ ہو اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی شب و روز شراب خواری میں مست رہنا انکا شیوہ ہوگیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:۔

هَلَكَ كِسْرَى وَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ. هَلَكَ قَيْصَرُ وَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ لَتُنْفِقَنَّ كُنُوزَهُمَا۔

کسریٰ ہلاک ہوگا اسکے بعد کسریٰ نہ ہوگا قیصر ہلاک ہوگا اور اسکے بعد قیصر نہ ہوگا ان دونوں تمہاری سلطنتوں کے خزانے تم خرچ کروگے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت میں یہ سلطنتیں مفتوح ہوگئیں، اسلام کا سیلاب کچھ ایسا آیا کہ تمام باطل قوتیں تباہ ہوگئیں، اور آسمانی سلطنت قائم ہوگئی جس نے خدمت خلق انجام دی، اور جسنے صحیح صحیح "سروری در دین ما خدمت گری ست" کا نقشہ پیش کردیا (ابو العلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہ)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] امام راغب اصفہانی نے "الساعۃ" قیامت کے تین معنی کئے ہیں، ساعت صغریٰ، ساعت وسطیٰ، اور ساعت کبریٰ، ساعت صغریٰ کسی ایک شخص کی موت کو کہتے ہیں حدیث میں ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ (جو مرگیا اس کی قیامت قائم ہوگئی) ساعت وسطیٰ سے مراد قوم کی ہلاکت ہے، اور ساعت کبریٰ یوم الجزاء یوم الدین کو کہتے ہیں، اس حدیث میں ساعت سے مراد ساعت وسطیٰ ہے یعنی جب نااہلوں کے ہاتھ میں امانت آجائے اور قوم کی سرداری کی باگ ڈور نااہلوں کے ہاتھ میں چلی جائے تو قوم کی ہلاکت و بربادی کا انتظار کرو۔ (ابو العلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہ)

اور اسی معنی کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یتیم کا والی و وصی، ناظرِ اوقاف اور کسی آدمی کا کوئی وکیل ہو، اور اس کے مال میں تصرف کرے تو الاصلح فالاصلح کے اصول کے ماتحت تصرف کرے، جیسا اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (انعام ع ۱۹)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو، یعنی سب سے اچھا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے یہ نہیں فرمایا "بِالَّتِي هِيَ حَسَنَةٌ" یعنی اس طریقے سے جو اچھا ہو، اور یہ اس لئے کہ والی اور حاکم ایسا ہی لوگوں کا راعی ہے جیسا کہ بکریوں کا راعی ہوا کرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا - وَالْوَلَدُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ - وَالْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ - أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ -

(اخرجاہ فی الصحیحین)

تم میں سے ہر ایک راعی ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا پس لوگوں کا امام راعی ہے اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی راعی ہے اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا، اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا راعی ہے اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ اور غلام اپنے سید و آقا کے مال کا راعی ہے اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ خبردار رہو کہ تم میں کا ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

مَا مِنْ رَاعٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا۔ إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔

(رواہ مسلم)

کوئی راعی نہیں کہ جسے اللہ تعالےٰ نے رعیت کا راعی بنایا جس دن مریگا مریگا۔ اور وہ رعیت کے بارے میں غاشی ہے تو اللہ تعالےٰ اس پر جنت کی بو بھی حرام کر دیگا۔

ایک دن ابو مسلم خولانی رح حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس حاضر ہوئے، اور کہا، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَجِيرُ! لوگوں نے کہا أَيُّهَا الْأَمِيرُ! کہیے۔ تو انہوں نے پھر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَجِيرُ

کہا، لوگوں نے پھر کہا اَیُّھَا الْاَمِیْرُ کہئے تو پھر انہوں نے وہی جملہ دہرایا، تین دفعہ اسی جملہ کو انھوں نے دھرایا، اور لوگ اس پر اصرار کرتے رہے کہ آپ سے اَیُّھَا الْاَمِیْرُ کہلوائیں، آخر حضرت معاویہؓ نے کہا ابومسلم کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، وہ اپنی بات کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں، اس کے بعد ابومسلم نے کہا اے معاویہؓ! تم اجیر ہو۔ ان بکریوں کے ریوڑ کے لئے تم کو ان بکریوں کے رب نے اجرت پر رکھا ہے اگر تم خارش زدہ بکریوں کی خبرگیری کروگے، اور مریض بکریوں کی دوا کروگے، اور ان بکریوں کی اچھی طرح حفاظت کروگے تو بکریوں کا مالک تمہیں پوری اجرت دے گا۔ اور اگر تم نے خارش زدہ بکریوں کی خبرگیری نہ کی، مریض بکریوں کی دوا نہ کی، بکریوں کی اچھی طرح حفاظت نہ کی تو بکریوں کا مالک تم کو سزا دے گا۔ یہ واقعہ عبرت ونصیحت کے لئے کافی ہے، کیونکہ ساری مخلوق خدا کے بندے ہیں۔ اور والیان ملک اس کے بندوں پر اس کے نائب ہیں، اور بندوں کی جانوں کے وکیل وکفیل۔ اور ایسے وکیل وکفیل کہ دو شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل وکفیل ہوا کرتے ہیں، والیوں اور حاکموں میں ولایت ووکالت کے معنی موجود ہیں۔

جب ولی اور وکیل اصلح للتجارۃ یا زمین کے بارے میں اصلح ہو اسے چھوڑ کر ایسے شخص کو نائب مقرر کرے کہ اصلح للتجارۃ نہیں۔ اور زمین کے بارے میں بھی وہ غیر اصلح ہے تو وہ یقیناً خائن ہے۔ کیونکہ جو اصلح للتجارۃ نہیں ہے وہ سامان واسباب کو سستے داموں فروخت کردیگا۔ اور اس خریدار سے اچھا اور بہتر خریدار دوسرا موجود ہے۔ دام زیادہ دینے کو تیار ہے، پھر بھی خریدار سے بوجہ خوف کے یا بوجہ دوستی اور مودت کے یا قرابت کی وجہ سے سستے داموں مال کو اٹھا دیتا ہے تو یہ یقیناً خائن ہے، مال کا مالک یقیناً اس سے بغض رکھے گا۔ اور اس کی مذمت اور برائی کرے گا۔ اور اس کو خائن قرار دے گا، یا قرابتداروں اور دوستوں کو نوازنے والا کہے گا۔ اور اس لئے والی اور وکیل کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو نائب نہ بنائے، اور اصلح للتجارۃ ہو یا زمین وغیرہ کے بارے میں اچھی مہارت رکھتا ہو اس کو نائب مقرر کرے۔

دوسری فصل کے مضامین

اصلح موجود ہے تو اسے ولائت و حکومت دینی چاہیے
اگر اصلح موجود نہیں ہے تو صالح کو ولایت و حکومت دیجائے
ہر منصب کیلئے الامثل فالامثل کو ولایت و نیابت دی جائے
ولایت کیلئے قوت اور امانت ضروری ہے تاکہ نفاذ احکام اور
ادائیگی امانت میں سہولت پیدا ہو، قاضی تین قسم کے ہیں۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ولی الامر کا فرض کیا ہے؟ ولی الامر کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسے آدمی کو عامل، نائب اور والی و حاکم بنائے جو اصلح ہو۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کام کے لائق آدمی موجود نہیں ہوتا۔ اور ایسے شخص کا ملنا دشوار ہوتا ہے، جس میں کام کی صلاحیت موجود ہو، تو اس وقت ولی الامر کا فرض ہے کہ الامثل فالامثل کو مقرر کرے، ہر منصب، اور ہر عہدے کے مناسب حال الامثل فالامثل کو قائم کرے، اگر پورے اجتہاد، پوری کوشش، اور جدوجہد کے بعد والی امر نے ایسا کر دیا، اور ولایت و نیابت کا حق ادا کر دیا تو اس نے، اور اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام۔ والی امر عادل ہے، اور عند اللہ وہ مقسطین میں سے ہے، اگرچہ بعض وجوہ، اور بعض اسباب کی بنا پر بعض امور میں خلل واقع ہو جائے لیکن اس کے سوا دوسرا امکان اور چارہ کار بھی نہیں ہے، اور خدا نے بھی اسی قسم کی کوشش کا حکم فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن ع ۲)

مسلمانو! جہانتک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور فرماتا ہے:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ ع ۴۰)

اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جس کی اس کو طاقت ہو۔

اور جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ (نساء ع ۱۱)

تو تم اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑو تم پر اپنی ذات خاص کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں، اور ہاں مسلمانوں کو بھی ابھار دو۔

اور فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (مائدہ ع ۱۴)

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو، جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پس جس نے اپنی مقدور بھر امکانی کوشش کی اور اپنا فرض ادا کیا تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے ہدایت کی راہ پالی۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخرجاہ فی الصحیحین)

جب میں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق کر گزرو۔

لیکن اگر وہ ایسا کرنے سے اس لئے قاصر ہے کہ وہ اپنے کو عاجز پاتا ہے، یا کسی غیر شرعی ضرورت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے، تو وہ یقیناً خیانت کرتا ہے، اور اُسے خیانت کی سزا دی جائے گی، اور اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ اصلح کو پہچانے، اور ہر منصب اور ہر عہدہ کے لئے اصلح تجویز کرے، کیونکہ ولایت امر کے دو رکن ہیں، ایک قوت، دوسری امانت، جیسا کہ قرآن مجید کے اندر ہے :-

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ۝ (قصص ع ۳)

کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہئے۔

اور شاہ مصر نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کہا ہے :-

إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ۔ (یوسف ع ۷)

تم ہماری سرکار میں آج سے بڑے باوقار اور صاحب اعتبار ہو۔

اور جبریلؑ کی شان اور صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالے فرماتا ہے :-

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ (تکویر ع ۱)

قرآن بیشک معزز فرشتے کا پہنچایا ہوا پیام ہے اور وحی کے بار گراں اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے، اور مالک عرش کی جناب میں اس کا بڑا درجہ ہے اور وہاں افسر اور امانت دار ہے۔

اور ہر ولایت ہر حکومت کی قوت اور طاقت اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے۔

امارت حرب ولایت جنگ کی قوت یہ ہے کہ والی جنگ شجاع، بہادر، دلیر اور جنگ کے تمام تر امور سے واقف اور ماہر ہو، اور مخادعت، اور چال بازیوں کو اچھی طرح جانتا ہو، کیونکہ اَلْحَرْبُ خَدْعَۃٌ (جنگ فریب اور دھوکہ کا نام ہے) اور یہ کہ وہ قتال و جنگ کے طریقوں کو جانتا ہو، اوران طریقوں پر عمل کرنے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہو، تیراندازی سے اچھی طرح واقف ہو، حملہ اور وار اچھی طرح کرسکتا ہو، گھوڑے کی سواری خوب جانتا ہو کرّ و فر وغیرہ پوری طرح رکھتا ہو جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔ (انفال ع ۸)

اور مسلمانو سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لئے سازوسامان مہیا کئے رہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِرْمُوْا وَارْكَبُوْا۔ وَاِنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا وَمَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْيَ ثُمَّ نَسِيَهُ فَلَيْسَ مِنَّا۔

تیر مارا کرو، اور سواری کیا کرو، اور تیر چلانا مجھے سواری سے زیادہ محبوب ہے اور جو تیر چلانا سیکھا پھر بھول گیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے:۔

نِعْمَۃٌ جَحَدَهَا۔ ؎ (رواہ مسلم)

تیر چلانا ایک نعمت ہے بھولنے والے نے اس نعمت سے انکار کر دیا۔

اور قوت حکم کا مرجع علم و عدل اور قدرت تنفیذ احکام ہے، جس پر کتاب و سنت دلالت کرتی ہے۔

اور امانت کا مرجع خشیت الہٰی خوف خداوندی ہے، اور یہ کہ حقوق الہٰی کو دنیا کی قلیل متاع کے عوض فروخت نہ کرے، اور لوگوں کا خوف قطعاً ترک کر دیوے۔

؎ اُس زمانے کے اسلحہ اور ہتھیار یہی تیر و تلوار، شمشیر و سنان تھے، اور گھوڑے کی سواری کو بہت اہمیت حاصل تھی، آج کے اسلحہ اور سواری دوسری ہے، اور اس لئے جو اسلحہ ہتھیار اور سواریاں جنگ کے لئے موجودہ دور میں کارآمد اور مفید ہیں اس میں اپنی طاقت کے مطابق پوری طرح تیار رہنا چاہئے، اور یہ تیاری فرض ہے جنگی موٹریں چلانا، جنگی ہوائی جہاز چلانا، بم، ایٹم بم، مشین گنیں، ٹامی گنیں، بندوقیں چلانے سیکھنا مسلمانوں کا دینی، مذہبی فرض ہے۔ (ابوالعالیہ محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

یہ تین خصلتیں جن کو اللہ تعالٰے نے ہر والی، ہر حاکم، ہر ولی الامر، اور حکم، اور ہر حکم کے لئے فرض اور ضروری قرار دیا ہے، اور قرآن حکیم اس پہ ناطق ہے، اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ ۔ وَاخْشَوْنِ	اور تم لوگوں سے نہ ڈرو، اور ہم سے ہی ڈرتے رہو، اور
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ وَمَنْ	ہماری آیتوں کے معاوضے میں ناچیز فائدے نہ لو۔
لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ	اور جو خدا کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے
هُمُ الْکٰفِرُوْنَ ہ (مائدہ رع ۷)	تو یہی لوگ کافر ہیں۔

اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضیوں کی تین قسمیں گردانی ہیں، جن میں سے دو قسم کے قاضیوں کے لئے جہنم بتلائی ہے، اور ایک قسم کے قاضیوں کے لئے جنت، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلْقُضَاۃُ ثَلَاثَۃٌ ۔ قَاضِیَانِ	قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو قسم کے قاضی جہنم میں
فِی النَّارِ ۔ وَقَاضٍ فِی الْجَنَّۃِ ۔ فَرَجُلٌ	جائیں گے، اور ایک قسم کے قاضی جنت میں، جو
عَلِمَ الْحَقَّ وَقَضٰی بِہٖ فَھُوَ فِی الْجَنَّۃِ ۔	وہ آدمی جو حق کو پہچان کر حق فیصلہ کرے وہ
(رواہ اہل السنن)	جنت میں جائے گا۔

اور قاضی ہر اس آدمی کو کہتے ہیں جو دو فریق کے درمیان فیصلہ کرے، اور دونوں فریق کو حکم دیوے، اب وہ شخص خلیفہ ہو، یا سلطان، یا اس کا نائب، یا والی اور حاکم، اور جو اس عہدے پر مامور ہو وہ یا ایسے عہدیدار کا نائب ہو۔ تا آنکہ جو بچوں کی تحریر وخط کے نگران ہیں ان کو بھی یہ حکم شامل ہے، ایسا ہی ذکر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اور وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور یہ ظاہر ہے۔

تیسری فصل کے مضامین

آج دنیا میں ایسے لوگ جن میں قوت اور امانت دونوں موجود مجتمع ہوں کم ہیں۔ دو آدمی ایسے کہ ایک ان میں سے امین ہے، دوسرا طاقتور، تو ایسے آدمی کو ولایت امر اور سرداری دینی چاہئے جو قوم و رعایا کے لئے مفید و نافع ہے قوم و رعایا کو نقصان نہ پہنچے، امام احمدؒ سے پوچھا گیا دو آدمی ہیں ایک جنگ جو شجاع، دلیر ہے لیکن فاجر ہے۔ دوسرا صالح، نیک مگر کمزور، کم ہمت، کس کے ساتھ رہ کر جہاد کیا جائے؟ انھوں نے فرمایا فاجر قوی کے ساتھ رہ کر کیونکہ قوت مسلمانوں کے لئے ہے، اور اس کا فجور اس کی جان کے لئے، اور صالح اور نیک اس کے بالکل برعکس ہے۔

قوت اور امانت دونوں کسی ایک آدمی میں جمع ہوں ایسے لوگ آج بہت کم ہیں اور اسی بنا پر حضرت عمر بن الخطابؓ کہا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْا اِلَیْکَ جَلْدَ الْفَاجِرِ وَعَجْزَ الثِّقَۃِ — اے اللہ میں تیری جناب میں فاجر کی سختی اور بزدل کی عاجزی کا شکوہ کرتا ہوں۔

پس ہر ولایت، ہر اقلیم، ہر ملک کے لئے باعتبار اس کی مرز بوم کے، اصلح تلاش کرنا چاہیے، جب کسی اقلیم کسی ملک کے لئے امام والی اور حاکم مقرر کرنا چاہتا ہے تو ایسے دو آدمی ملتے ہیں۔ ایک امانت دار ہے۔ دوسرا طاقتور ہے، امام کا فرض ہے کہ اس اقلیم و ملک اور ولایت کے لئے اسے مقدم رکھے جو اس اقلیم و ملک اور ولایت کے لئے زیادہ مفید اور زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ اور ضرر و نقصان اس سے کم سے کم ہو

پس امارت حرب، جہاد و جنگ کی سرداری کے لئے ایسا آدمی مقرر کرے جو قوی، دلیر شجاع اور بہادر ہو، اگرچہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ اور ضعیف و عاجز کمزور کے مقابلہ میں اسے ترجیح دیوے، اگرچہ وہ امین ہو، امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا دو آدمی ہیں دونوں کے دونوں حرب و جہاد کے امیر و سردار ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک فاجر مگر قوی ہے، دوسرا صالح اور نیک ہے مگر ضعیف و کمزور ہے تو دونوں میں سے کس کے ساتھ رہ کر

جہاد کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا فاجر قوی کی قوت مسلمانوں کے لئے ہے، اور اس کا فجور اس کی جان کے لئے ہے، اور صالح و نیک ضعیف و کمزور ہے تو اس کی صلاح و نیک بختی اس کی جان کے لئے ہے، اور مسلمانوں کے ضعف کا موجب ہے۔ تو جہاد قوی و فاجر کے ساتھ رہ کر کرنا چاہیے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ — اللہ تعالےٰ فاجر آدمی سے بھی اس دین کی مدد کرا دیتا ہے۔

اور ایک روایت بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (فاجر آدمی) کی جگہ بِأَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ (ایسی قوم اور ایسے لوگوں سے مدد کرا دیتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں)

پس اس وقت جبکہ امیر و سالار قوی القلب شجاع و بہادر اور دلیر میسر نہ آئے، اور اس جگہ کو پُر کرنے کے لئے کوئی ایسا آدمی نہ مل سکے جو امیر حرب اور سالار جنگ مقرر کیا جائے تو اس وقت اصلح فی الدین کو مقرر کر دیوے، اور اسی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو امارت حرب، اور سپہ سالار اسلام بنایا تھا جب سے وہ اسلام لائے تھے اس وقت سے یہ خدمت انہی کے سپرد رہی اور ان کی شان میں آپ فرمایا کرتے تھے۔

سَيْفٌ سَلَّهُ اللّٰهُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ۔ — خالد ایسی تلوار ہیں جو خدا نے مشرکوں کی ہلاکت کے لئے کھلی رکھی ہے۔

باوجود اس کے حضرت خالدؓ سے کبھی کبھی ایسی حرکتیں ہوا کرتی تھیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بُرا سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا فَعَلَ خَالِدٌ۔ — اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے، اس سے میں بری ہوں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت کہا تھا جبکہ آپ نے خالدؓ کو قبیلہ جذیمہ کی طرف بھیجا تھا، اور خالد نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ اور معمولی شبہ کی بنا پر ان کا مال و متاع لوٹ لیا تھا، حالانکہ یہ قطعاً جائز نہیں تھا، اور ان کے ساتھ جو صحابہؓ موجود تھے انہوں نے بھی اس حرکت سے ان کو روکا تھا، اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جذیمہ سے ہمدردی برتی، مودت و محبت کا اظہار فرمایا، اور ان کا مال و متاع واپس کرنے کی ضمانت کی، باوجود

اس قسم کی لغزشوں کے آپ نے حضرت خالدؓ کو ہمیشہ امارت لشکر اور فوج کی قیادت میں انہیں کو مقدم رکھا، اور یہ اس لئے کیا کہ امور جنگ میں وہ دوسروں کے مقابلہ میں اصلح تھے، اور غلطی معمولی سے معمولی تاویلوں کی بنا پر کر لیا کرتے تھے، اور ابوذرؓ اگرچہ امانت و صداقت میں اصلح تھے لیکن باوجود اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا۔

یَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاكَ ضَعِیْفًا	اے ابوذر میں تمہیں ضعیف نکمزور پاتا ہوں
وَاِنِّیْ اُحِبُّ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا	اور تمہارے لئے میں وہی پسند کرتا ہوں جو میں خود
تَأَمَّرَنَّ عَلٰی اِثْنَیْنِ وَلَا تَوَلَّیَنَّ مَالَ	اپنے لئے پسند کرتا ہوں، تم کسی دو آدمیوں کا بھی امیر
یَتِیْمٍ (رواہ مسلم)	نہ بننا اور یتیم کے مال کی کبھی ولایت نہ کرنا

ابوذرؓ کو آپ نے امارت اور تولیت سے منع فرمادیا، حالانکہ آپ سے مروی ہے

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ	نہ سبز گنبد نے سایہ کیا نہ غبار مٹی نے
الْغَبْرَاءُ اَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ	جگہ دی ابی ذر سے زیادہ سچے کو۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کو غزوہ ذات سلاسل میں آپ نے اس لئے بھیجا تھا وہاں ان کے رشتہ دار و قرابتدار رہتے تھے، اور آپ ان سے مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے۔ ان سے بہتر آدمی موجود تھے مگر آپ نے ان کو نہیں بھیجا اور حضرت عمرو بن العاصؓ ہی کو بھیجا اور اسامہ بن زیدؓ کو ایک مرتبہ آپ نے امارت اس لئے دی کہ ان کے باپ کا بدلہ لے سکیں۔

غرض! یہ کہ بعض لوگوں کو کسی مصلحت راجح کی بنا پر عامل اور گورنر بنا دیتے تھے حالانکہ ان سے بہتر اور افضل اور علم و ایمان کے لحاظ سے بہت اچھے موجود ہوتے تھے

اسی طرح خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فتنۂ ارتداد جب کھڑا ہو گیا تو حضرت خالدؓ کو ہی امیر لشکر بنایا تھا۔ اور فتوح عراق و شام میں بھی انہیں کو امیر و سالار بنا کر بھیجا تھا، حالانکہ حضرت خالدؓ سے بربنائے تاویل بعض ہفوات صادر ہوتی رہیں اور کہا گیا ہے کہ ان ہفوات میں ان کی خواہش کو دخل تھا لیکن پھر بھی ان کو معزول نہیں کیا، بلکہ عتاب کر کے چھوڑ دیا۔ اور مصلحت کو مفسدہ کے مقابلہ میں ترجیح دی، اور انھیں کو باقی رکھا کہ کوئی دوسرا ان کا قائم مقام بن سکے ایسا نہیں تھا۔

علاوہ ازیں یہ کہ جب متولی کبیر، خلیفہ، والی امیر، کے خلق میں نرمی ہو تو اس کے نائب میں

شدت و سختی ہونا چاہیئے۔ اور اگر متولی کبیر اور امیر میں سختی ہو تو نائب میں نرمی ہونی چاہیئے، تاکہ ایک کی سختی دوسرے کی نرمی سے اعتدال قائم رہے، اور اسی بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت خالدؓ کو باقی اور قائم رکھنے پر مصر تھے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نرم دل نرم خو تھے، اور حضرت عمرؓ ان کو معزول کرنا چاہتے تھے، اور ان کی جگہ ابوعبیدہؓ بن جراح کو لانا چاہتے تھے، اس لئے کہ حضرت خالد میں سختی تھی جیسی عمر بن الخطابؓ میں سختی تھی، اور ابوعبیدہؓ نرم دل، نرم خو تھے، جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، اور اس وقت اصلح وہی تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کیا۔ حضرت خالدؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں لشکرِ اسلام کے والی رہے، اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں لشکرِ اسلام کے والی حضرت ابوعبیدہ رضؓ بن جراح رہے۔ اور اس طرح معاملہ اعتدال پر رہا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے یہ فرمایا:

أَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ۔ أَنَا نَبِيُّ الْمَلْحَمَةِ — میں نبی رحمت ہوں اور میں نبی ملحمہ (حرب و جنگ) ہوں

اور آپ کا ارشاد ہے:

أَنَا الضَّحُوكُ الْقَتَّالُ وَأُمَّتِيْ وَسَطٌ۔ — میں زیادہ خندہ پیشانی لڑنے والا ہوں اور میری امت وسط ہے۔

اور صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی شان میں خدا فرماتا ہے۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (فتح ع ۴) — کافروں کے حق میں بڑے سخت، آپس میں رحم دل تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں۔ اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں، خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہیں۔

اور خدا کا فرمان ہے:

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ (مائدہ ع ۸) — مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کیساتھ کرڑے ہیں۔

اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی ولایت و امارت کامل تھی، اور ولایت کے معاملات کامل طریقہ پر انجام پاتے رہے، اور اعتدال قائم رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ دونوں اپنی اپنی جگہ دو بازو سمجھے جاتے تھے، ایک نرم دل، نرم خو تھے، دوسرے سخت دل اور سخت طبیعت تھے، اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

ان دونوں کی شان میں فرمایا:۔

اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ۔ میرے بعدتم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدار کرنا۔

چنانچہ اہل ردۃ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے شجاعت قلب کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی حیران تھے، اور اس کی امید قطعاً نہیں رکھتے تھے، اور تمام صحابہ کرام رضؓ بھی اس سے بے خبر تھے، اور کہتے تھے صرف زکوٰۃ سے انکار کرنے پر آپ جہاد کیسے کرتے ہیں۔

پس اگر امانت وغیرہ کی ولایت اور امارت ہے، اور شدید و سخت آدمی کی ضرورت ہے تو شدید و سخت آدمی کو مقدم رکھا جائے، مثلاً مال کی حفاظت وغیرہ میں سخت آدمی کی ضرورت ہے، لیکن مال نکلوانا اور اس کی حفاظت کے لئے قوت اور امانت کی ضرورت ہے اور اس لئے قوی اور سخت امیر و والی کی ضرورت ہے، کہ اس کی طاقت سے مال وصول کیا جا سکے، اور امین کاتب و منشی کی ضرورت ہے کہ ان کی قابلیت سے مال محفوظ رہے، اور مال کی حفاظت ہو سکے، اور یہی حال و حکم ہے، امارت جنگ کا صاحب علم و دین کے مشورے سے امیر جنگ سپہ سالار قائم کیا جائے، اور یہ ہر دو مصلحتیں ملحوظ رکھی جائیں اور یہی حال و حکم تمام ولایتوں، اور ہر قسم کی امارتوں کا ہے۔

اگر ایک آدمی سے مصلحت امارت پوری نہ ہو سکے تو دو یا تین یا زیادہ آدمی رکھے جائیں، اور ترجیح اصلح کو دی جائے۔ اور متعدد والی، گورنر اور سردار مقرر کئے جائیں، جب ایک سے کام انجام نہ پاتا ہو، بہر حال اصلح کو مقدم رکھا جائے۔

اور ولایت قضاء کے لئے اعلم اورع، اور اکفاء کو مقدم رکھا جائے، اور اگر ایک اعلم ہے اور دوسرا اورع صاحب تقویٰ تو غور کیا جائے کہ اورع کی خواہش اور اعلم کا اشتباہ حکم کے ظہور، اور حکم کے اشتباہ میں خلل انداز تو نہیں ہے، کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْبَصِیْرُ النَّاقِدُ عِنْدَ وُرُوْدِ الشُّبُہَاتِ وَیُحِبُّ الْعَقْلَ عِنْدَ حُلُوْلِ الشَّہَوَاتِ۔

اللہ تعالیٰ بصیر و ناقد کو دوست رکھتا ہے ورود شبہات کے وقت، اور شہوات کے حلول کے وقت عقل کو محبوب رکھتا ہے۔

اور اکفار کے مقابلہ میں ان کو مقدم رکھا جائے گا۔ اگر قاضی کو والی حرب، امیر جنگ یا والی عامہ کی تائید حاصل ہے، تو قضاء کے لئے اعلم اور اورع کو ترجیح دی جائے گی، قاضی اعلم اور قاضی اورع کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور اگر علم و ورع کے مقابلہ میں قوۃ و اعانت کی ضرورت زیادہ ہے۔ تو اکفاء کو مقدم رکھا جائے۔ کیونکہ قاضی مطلق کی شرط یہی ہے کہ وہ عالم، عادل اور نفاذ حکم پر قادر ہو، اور قضاء پر یہ موقوف نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر والی کے لئے ایسا ہی ہونا چاہیئے، پس مذکورہ صفات و اوصاف میں سے کسی صفت کسی وصف میں بھی نقصان ہوگا۔ تو اس کی وجہ سے خلل واقع ہونا ضروری ہے، اور کفایت جس قسم اور جس طرح کی بھی ہو، قہر و غضب کی ہو۔ یا احسان و رغبت کی، بہر حال کفایت کی ضرورت ہے۔

بعض علماء سے پوچھا گیا کہ قضاء کے لئے کوئی آدمی نہیں ملتا۔ اور ملتا ہے تو ایسا کہ عالم فاسق ہے، یا جاہل دیندار، ان دو میں سے کسے ترجیح دی جائے۔ انہوں نے جواب دیا، اگر غلبہ فساد کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو دیندار کو مقدم رکھا جائے اور غفلت احکام کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو عالم کو مقدم رکھا جائے، اور اکثر علماء دیندار کو مقدم رکھتے ہیں، کیونکہ تمام ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ متولی، امیر ایسا شخص ہو جو عادل اور شہادت کا اہل ہو۔

اور شرط علم میں اختلاف ہے کہ کس قسم کا متولی امر ہونا چاہیئے! آیا وہ مجتہد ہو، یا مقلد! یا امثل فالامثل کہ جیسا آدمی مل جائے مقرر کر لیا جائے۔ اس مسئلہ میں بحث و کلام کے لئے دوسری جگہ ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں ہے، بہر حال اغیر اہل کو متولی امر بنانا ضرورت کے لئے جائز ہے، اور اصلح کے موجود ہوتے ہوئے بھی جائز ہے، حالات کی اصلاح کا خیال رکھنا فرض ہے، تاکہ ولایت امر اور امارت کی رعایا اور عامۃ الناس کو ضرورت ہے وہ پوری ہو جائے، جس طرح کہ معسر و تنگ دست کے لئے یہ ضروری ہے کہ قرض اور دین ادا کرنے کے لئے کوشش کرے، لیکن فی الحال اس سے اسی قدر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جس قدر ادا کرنے کی اس کو توفیق ہو، اور جس طرح کہ جہاد کی تیاری کے لئے قوت اور گھوڑے باندھنے کا حکم ہے، لیکن عجز و بے بسی کے وقت ساقط ہو جاتا ہے اور حسب استطاعت جو کچھ میسر آئے کرنا فرض ہے، اور ضروری ہے کہ جس قدر واجب و

فرض ہے اُسے پورا کیا جائے، بخلاف حج اور دوسری عبادتیں کہ ان میں یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ حج وغیرہ اس پر فرض ہے جو۔

مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران ع ۱۰) جس کو اس تک پہنچنے کا مقدور ہو۔

یہ فرض نہیں ہے کہ وہ استطاعت وقدرت پیدا کرے، کیونکہ حج واجب ہی اس وقت ہوتا ہے جب استطاعت موجود ہو۔ استطاعت پیدا کرنا اس پر فرض نہیں ہے۔

چوتھی فصل کے مضامین

اصلح کی پہچان، مقصود ولایت، مقاصد و وسائل کی معرفت، مقصد ولایت دین کی اصلاح، جمعہ اور جماعت کا قیام، اور مخلوق کی دینی اصلاح،

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں تمہارے پاس عمال اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب، اور نبی کی سنت سکھائیں اور دین کو جاری اور باقی رکھیں۔

اس باب میں اہم ترین چیز اصلح کی پہچان ہے۔ اور مقصد ولایت و حکومت اور طریق مقصود کی پہچان سے اصلح کی پہچان ہوتی ہے۔ جب تمہیں مقاصد و وسائل کی پہچان ہو جائے گی تو سمجھ لو اس کام کو تم نے پوری طرح سمجھ لیا۔

جب بادشاہوں اور سلاطین پر دنیا غالب آگئی، اور دین چھوڑ دیا تو ان کی ولایت و سلطنت میں ایسے لوگوں کو مقدم رکھا گیا جو ان کے مقاصد کو پورا کریں، جو شخص اپنی ذات کے لئے ریاست کا طالب تھا اس نے اس کو مقدم رکھا جو اس کی ریاست کو قائم رکھے۔ اور سنت ہوئی یہ تھی کہ امراء حرب جو سلطان کے نائب اور فوج و لشکر کے سپہ سالار ہیں وہ مسلمانوں کی نماز جمعہ اور جماعت پڑھائیں۔ اور انہیں خطبہ دیویں۔ اور اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کے لئے آگے کھڑا کیا تھا۔ اور اسی لئے مسلمانوں کی امارت حرب اور سپہ سالاری وغیرہ میں انہیں کو مقدم رکھا گیا۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی کو امیر حرب سپہ سالار لشکر بنا کر بھیجتے تھے سب سے پہلے سے نماز جماعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ اسی طرح جب کسی کو کسی شہر کا عامل بنا کر بھیجتے تھے تو اسے جماعت سے نماز پڑھانے کا حکم فرماتے، مثلاً عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، اور عمرو ابن حزم کو نجران کا حاکم بنا کر بھیجا، تو یہ آپ کے نائب ہی جماعت کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور حدود وغیرہ بھی یہی لوگ قائم کرتے تھے اور امیر الحرب جو کیا کرتے تھے یہ بھی کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ کے خلفاء نے بھی یہی کیا۔

بنو امیہ کے بادشاہوں، اور بعض عباسیوں نے بھی یہی کیا، اور یہ اس لئے کیا کہ سب سے زیادہ اہم دین کے بارے میں نماز اور جہاد ہے، اور یہی وجہ ہے جو اکثر احادیث نبویہ میں نماز اور جہاد کو ساتھ ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ جب آپ کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو کہا کرتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ لِیَشْھَدَ لَكَ صَلٰوۃً وَّیَنْكَاءَ لَكَ عَدُوًّا ۔ — اے اللہ تو اس بندے کو شفا دے تاکہ تیری نماز میں حاضری دیوے، اور تیرے دشمن کا مقابلہ کرے۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضؓ کو یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا۔

یَا مُعَاذُ اِنَّ اَھَمَّ اَمْرِ عِنْدِیْ الصَّلٰوۃُ ۔ — اے معاذ سب سے اہم امر تمہارے لئے میرے نزدیک نماز ہے۔

اور حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے عمال اور گورنروں کو لکھا کرتے تھے :

اِنَّ اَھَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا وَحَفِظَھَا حَفِظَ دِیْنَہٗ وَمَنْ ضَیَّعَھَا کَانَ سِوَاھَا مِنْ عَمَلِہٖ اَشَدُّ اِضَاعَۃً ۔ — میرے نزدیک تمہارے لئے اہم ترین چیز نماز ہے، جو شخص اس کی محافظت کرتا ہے اس نے اپنے دین کی حفاظت کرلی، اور جس نے نماز کو ضائع کیا تو نماز کے سوا دوسرے اعمال کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

اور یہ اس لئے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

— اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ ۔ — نماز دین کا ستون ہے۔

جب متولی امر اس ستون کی حفاظت کرے گا تو نماز اسے فحشا، اور منکرات سے بچائے گی۔ اور دوسری طاعات و عبادات میں معین و مددگار ہوگی۔

اللہ تعالے فرماتا ہے :۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ وَاِنَّھَا لَكَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ۝ (بقرہ ع ۵) — اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو، اور البتہ نماز شاق ہے، مگر ان پر نہیں جو خاکسار ہیں۔

اور فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا — مسلمانو! تم کو کسی طرح کی مشکل پیش آئے

لے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ (بقرہ ع ۱۹)

تو اس کے مقابلہ کے لئے صبر اور نماز سے مدد لو۔ بیشک اللہ صبر کرنیوالوں کا ساتھی ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ٥ (طٰہٰ ع ۸)

اے پیغمبر اپنے گھر والوں پر نماز کی تاکید رکھو اور خود بھی اس کے پابند رہو ہم تم سے کچھ روزی تو طلب کرتے نہیں بلکہ ہم روزی دیتے ہیں اور انجام بخیر تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

اور اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ٥ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ٥ (ذاریات ع ۳)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کیا کریں ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں ہیں نہیں، اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہم کو کھلائیں، اللہ خود بڑا روزی دینے والا۔ قوت والا زبردست ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ولایات و امانات اصل مقصود مخلوق خدا کی خدمت و اصلاح ہے۔ اور جب دین کو لوگ چھوڑ دیں گے تو سخت ترین گھاٹا اٹھائیں گے۔ اور جو دنیوی نعمتیں ان کو دی گئی ہیں ان کو قطعاً مفید اور نفع بخش نہ ہوں گی، اور جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح حاصل ہوتی ہے وہ دو ہو گی۔

جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح حاصل ہوتی ہے، وہ دو قسم کی ہے، ایک یہ کہ مال کو مستحق لوگوں میں تقسیم کر لیا جائے، دوسری یہ کہ زیادتی اور ناحق لینے والوں کو عقوبت اور سزا دی جائے، لیکن جو آدمی تعدی اور زیادتی نہیں کرتا تو سمجھ لو اس نے اپنے دین کی اصلاح کر لی، اور اسی لئے خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

اِنَّمَا بَعَثْتُ عُمَّالِيْ اِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوْكُمْ كِتَابَ رَبِّكُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَيُقِيْمُوْا بَيْنَكُمْ دِيْنَكُمْ۔

میں اپنے عمال دگورنر تمہاری طرف اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تم کو تمہارے رب کی کتاب اور نبی کی سنت سکھائیں اور تم میں تمہارا دین باقی اور قائم رکھیں۔

پس اس وقت جبکہ رعیت بھی من وجہ بگڑ گئی ہے، اور رعاۃ بھی من وجہ بگڑ چکے ہیں، اور اس کی وجہ سے تمام امور درہم برہم ہوگئے تو ان کی اصلاح بھی دشوار ہے، پس جو راعی حسب امکان لوگوں کے دین اور دنیا کی اصلاح کرے گا۔ وہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر و افضل اور افضل المجاہدین ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

يَوْمٌ مِنْ إِمَامٍ عَادِلٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔

امام عادل کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور مسند امام احمدؒ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:۔

أَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ إِمَامٌ عَادِلٌ۔ وَأَبْغَضُهُمْ إِلَيْهِ إِمَامٌ جَائِرٌ۔ (مسند امام احمد)

مخلوق میں سب سے زیادہ خدا کو محبوب امام عادل ہے، اور خدا کے نزدیک مبغوض ترین آدمی ظالم امام ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ۔ إِمَامٌ عَادِلٌ۔ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ۔ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ۔ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ إِلٰى نَفْسِهَا۔ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ (متفق علیہ)

سات آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالے اپنے سایہ میں رکھے گا جبکہ خدا کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہو گا: امام عادل، اور جوان آدمی جو عبادت میں اپنا وقت گذارتا ہے، اور وہ آدمی جسکا قلب مسجد سے لگا ہوا ہے جب مسجد سے نکلتا ہے تا آنکہ وہ پھر لوٹ کر مسجد میں پہنچے، اور وہ دو آدمی جن کی دوستی محض خدا کے واسطے ہو، دوستی کی وجہ سے وہ ملتے ہیں اور دوستی کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں، اور وہ آدمی جو خالص اللہ تعالے کا ذکر کرتا ہے، اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے اور وہ آدمی جس کو کسی صاحب منصب و جمال عورت نے نفس پرستی کیلئے بلایا، اور اس نے کہہ دیا میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں

اور وہ آدمی جو خیرات دلیوے اور اسکو چھپائے
تا آنکہ اس کا داہنا ہاتھ خرچ کرتا ہے تو اسکا
بایاں ہاتھ نہیں جانتا۔

اور صحیح مسلم کے اندر عیاض بن حماد رضہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ۔ سُلْطَانٌ مُقْسِطٌ۔ وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَقِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٍ وَرَجُلٌ غَنِيٌّ عَفِيفٌ مُتَصَدِّقٌ۔

تین قسم کے لوگ جنتی ہیں۔ عادل سلطان، اور جو رحمدل رقیق القلب ہے ہر قرابتدار اور ہر مسلمان پہ رحم کرتا ہے۔ اور وہ آدمی جو غنی اور با عفت ہے اور خیرات کرتا ہے۔

اور سنن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

اَلسَّاعِي عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ۔

اللہ کیلئے جو صدقہ و خیرات کی کوشش کرتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔

اللہ تعالے نے جہاد کا حکم فرمایا، تو فرمایا

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ط (بقرہ ع ۲۴)

اور وہاں تک ان سے لڑو کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے، اور ایک خدا کا دین چلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آدمی کبھی شجاعت دکھانے کو جنگ کرتا ہے، کبھی حمیت کی وجہ سے، اور کبھی ریا، اور دکھاوے کے لئے تو ان میں سے کونسا فی سبیل اللہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ۔

جو اس لئے جنگ کرتا ہے کہ کلمہ خداوندی بلند ہو۔ وہ سبیل اللہ ہے،

(اخرجاہ فی الصحیحین)

پس معلوم ہوا کہ جہاد کا مقصد بھی یہ ہے کہ سب کا سب اللہ کا دین ہو، اور کلمہ خداوندی بلند ہو۔ اور کلمۃ اللہ ایسا جامع اسم ہے جو کتاب اللہ پہ بھی مشتمل اور متضمن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ

تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ع ۳)

معجزے دے کر بھیجا ہے اور انکی معرفت کتابیں اتاریں اور نیز ترازو تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

رسولوں، پیغمبروں کو بھیجنے اور کتاب نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں قسط وعدل قائم کریں۔ اس کے بعد خدا فرماتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ۔ (حدید ع ۳)

اور ہم نے لوہا پیدا کیا، اس میں بڑا خطرہ ہے اور اس میں لوگوں کے فائدے بھی ہیں، اور ایک غرض یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو معلوم کرے جنہوں نے اللہ کو دیکھا نہیں، اور پھر بھی اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے اسے لوہے سے سیدھا کیا جائے۔ اسی لئے کہ دین کا قوام، دین کی مضبوطی اور پائیداری مصحف کتاب اللہ اور سیف وشمشیر ہوتی ہے۔

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ اَنْ نَّضْرِبَ بِهٰذَا۔ یعنی ہم تلوار سے اسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑیں۔

پس جبکہ مقصود یہ ہے تو اقرب فالاقرب طریقے سے مقصود حاصل کیا جائے، اور ایسے دو آدمیوں کو دیکھا اور جانچا جائے کہ اقرب الی المقصود دونوں میں سے کون ہے؟ جو دونوں میں اقرب الی المقصود ہو اُسے ولی امر، اور امیر مقرر کیا جائے۔

پس اگر صرف ولایت وامامت ہے تو ایسے شخص کو مقدم رکھنا چاہیئے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مقدم رکھا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ۔ فَاِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً

قوم کی امامت وہ کرے جو زیادہ قرأۃ جاننے والا ہو، اگر قرأۃ میں سب برابر ہیں تو سنت کو جاننے والا امامت کرے، اگر سنت جاننے میں سب برابر ہیں تو امامت وہ کرے

فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا۔ وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ۔ وَلَا يَجْلِسْ عَلَىٰ تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ (رواہ مسلم)

جو ہجرۃ میں مقدم ہے، اگر ہجرۃ میں تمام برابر ہیں تو زیادہ عمر والے کو امام مقرر کرنا چاہیئے، اور کوئی آدمی اس کی حکومت میں امامت نہ کرے، اور اس کی عزت کی جگہ اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے،

جب دو آدمی برابر ہیں، اور دونوں میں سے کسی ایک کا اصلح ہونا معلوم نہ ہو سکے تو قرعہ ڈالنا چاہیئے، جس طرح کہ سعد بن ابی وقاص رضؓ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر کیا تھا۔ لوگ باہم مشاجرۃ اور جنگ کے لئے تیار ہوگئے کہ اذان ہم کہیں گے اور بہت سے آدمی اپنا استحقاق جتانے لگے، اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی اتباع کی گئی کہ:-

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا۔

اور لوگ اذان کی حقیقت اور صف اول کا ثواب سمجھ لیں، تو اذان اور صف اول کیلئے قرعہ ڈالنے کی ضرورت پڑے تو قرعہ ڈالیں مگر ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

جب وجہ ترجیح مخفی ہو تو قرعہ ڈالے، ایسا کر لیا تو متولی امر نے حق امامت ادا کر دیا، اور اس کی ولایت مستحق وحقدار کو پہنچا دی۔

پانچویں فصل کے مضامین

امانتوں کی دوسری قسم مال ہے، اور یہ دیون خاصہ وعامہ، ودیعت شرکت، توکل، مضاربت، یتیم کے مال، اور وقف وغیرہ پر مشتمل ہے اور صدقہ، خیرات فقراء کو مسکینوں کو، اور عاملین، مؤلفۃ القلوب کو، غلام آزاد کرانے میں، قرضداروں کو دینا، اللہ کی راہ میں دینا وغیرہ کو شامل ہے۔

امانتوں کی دوسری قسم مال سے تعلق رکھتی ہے [1] جیسا کہ قرض اور دین کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۔ (بقرہ ع ۳۹)

پس اگر تم میں سے ایک دوسرے کا اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اس کو چاہئے کہ قرض دینے والے کی امانت کو ادا کر دے، اور خدا سے جو اس کا کارساز ہے ڈرے۔

اس قسم میں اعیان، دیون خاصہ وعامہ، مثلاً ودیعتیں، اور شریک، مؤکل، مضارب یتیم کا مال، وقف، بیعات، کی قیمت ادا کرنا، قرض، عورتوں کے مہر، منافع کی اجرتیں وغیرہ شامل ہیں، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ الی قولہ - وَالَّذِيْنَ

بیشک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے جب اسکو نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، اور جب اسکو فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر جو نماز گذار ہیں وہ اپنی نمازوں کو کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے اور جنکے مالوں میں منہ پھوڑ کر مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حصہ معین ہے، خدا کے اس فرمان تک

---

[1] امانتیں دو قسم کی ہیں ایک کی تشریح پہلی فصل میں ہو چکی، دوسری قسم کی تشریح اس فصل میں کی جا رہی ہے (ابوالعلاء)

وَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ○ (معارج ع ۱)

اور جو اپنی تحویل کی امانتوں کا اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرَاكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِيْنَ خَصِيْمًا ○ (نساء ع ۱۶)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے کتاب برحق تم پر نازل کی ہے کہ جیسا تم کو خدا نے بتا دیا ہے اسکے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو۔ اور دغا بازوں کے طرف دار نہ بنو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ۔

تمہارے پاس جس نے امانت رکھی ہے تو اسے تم دے دو، اور تمہارے ساتھ کوئی خیانت کرے تو تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ عَمَّا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ۔

مومن وہ ہے جسے مسلمان امین سمجھیں خون کے بارے میں اور مال کے بارے میں، اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو سلامتی ملے، اور مہاجر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے رک جائے اور مجاہد وہ ہے جو ذات خداوندی کیلئے اپنی جان سے جہاد کرے۔

یہ حدیث صحیح ہے، حدیث کے بعض ٹکڑے بخاری اور مسلم کے اندر ہیں۔ اور بعض سنن ترمذی کے اندر۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ أَدَاءَهَا أَدَّاهَا اللّٰهُ عَنْهُ۔ وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيْدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ۔ (رواہ البخاری)

جو لوگوں کا مال اس ارادہ سے لیتا ہے کہ اسے ادا کر دیگا، تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرا دیتا ہے، اور جو اس ارادہ سے لیتا ہے اسے تلف کر دیگا، تو اللہ تعالیٰ اسے تلف کرا دیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ان امانتوں کے متعلق فرض کیا ہے جن پر کسی حق سے فیصلہ کیا گیا ہے، اور تنبیہ فرماتا ہے کہ جب اس میں غصب یا چوری کی گئی ہو، یا خیانت وغیرہ ہوئی ہو یا کسی قسم کا ظلم ہوا ہو۔ تو ان کا ادا کرنا فرض ہے، اسی طرح عاریت اور مستعار چیزیں بھی واپس کرنا فرض ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے۔

اَلْعَارِیَۃُ مُؤَدَّاۃٌ وَالْمِنْحَۃُ مَرْدُوْدَۃٌ وَالدَّیْنُ مُقْضٰی وَالزَّعِیْمُ غَارِمٌ۔ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ۔

عاریۃ لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور اونٹ کا بچہ جس کیلئے مخصوص کیا گیا ہو اسے دیدیا جائے، اور قرض ادا کردیا جائے، اور زعیم وقائد پر جو لازم ہے ادا کرے، بیشک اللہ تعالےٰ نے ہر صاحب حق کو اسکا حق دیدیا پس وارث کیلئے وصیت نہیں ہے

اس قسم میں والیان امر، والیان ملک، اور رعیت سب شامل ہیں، والیان امر، والیان ملک اور رعیت دونوں کا فرض ہے کہ ایک دوسرے پر جو واجب ہے اُسے ادا کریں، پس سلطان اور نائبین سلطان کا فرض ہے کہ وہ عطا میں کوتاہی نہ کریں، اور مستحقین، حقداروں کے حقوق پورے پورے دے دیں، اور اہل دیوان کا فرض ہے کہ وہ سلطان کو وہ دے دیں جس کا دینا ان پر فرض کیا گیا ہے، اسی طرح رعیت پر فرض ہے کہ ان پر جو حقوق لازم کئے گئے ہیں ادا کردیں، اور رعیت کے لئے یہ جائز نہیں کہ والیان ملک سے وہ ایسا مطالبہ کرے جس کا ان کو حق نہیں دیا گیا۔ اگر یہ مطالبہ کریں گے تو اس خداوندی حکم کے ماتحت آجائیں گے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي

اور اے پیغمبران میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خیرات میں تم پر الزام لگاتے ہیں، پھر اگر ان کو اس میں سے دیا جائے تو خوش رہتے ہیں، اور اگر اس میں سے ان کو نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں، اور جو اللہ تعالےٰ نے اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اگر یہ اس کو خوشی سے لے لیتے اور کہتے کہ اللہ ہم کو بس کرتا ہے، اور اب نہیں دیا تو کیا ہے، آگے کو اپنے کرم سے اللہ اور اس کا رسول ہم کو دینگے ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے بیٹھے ہیں، خیرات تو بس فقیروں کا

الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

(توبہ ع ۷-۸)

حق ہے اور محتاجوں کا، اور ان کارکنوں کا جو خیرات وصول کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جنکے دلوں کا پرچانا منظور ہے اور نیز قید و غلامی سے غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں، اور قرضداروں کے قرضے میں اور خدا کی راہ میں، اور مسافروں کے زادِ راہ میں یہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا بڑا باتدبیر ہے۔

اور انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ والی، سلطان کے وہ حقوق جو ان لوگوں پر واجب ہیں روک لیں۔ اور نہ دیں، اگرچہ سلطان ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور یہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب والیانِ ملک کے ظلم و جور کی شکایت کی گئی تھی فرمایا:۔

اَدُّوْا اِلَيْهِمُ الَّذِيْ لَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ.

جو انکا تم پر حق ہے، ادا کردیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ رعیت کے حقوق کا سوال انسے کرے گا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُوْا خُلَفَاءَ وَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ اَوْفُوْا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ۔ ثُمَّ اَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ.

(صحیح بخاری و مسلم)

بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرام کیا کرتے تھے، جب کسی پیغمبر کی وفات ہوتی تھی دوسرے پیغمبر کو خلیفہ بنا لیتے، اور میرے بعد کوئی نبی و پیغمبر نہیں ہوگا، خلفاء ہونگے، اور بہت ہوں گے صحابہ نے عرض کیا ایسے وقت میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا، تم اپنی بیعت کو پوری دیانتداری سے پورا کرو جس سے پہلے بیعت کی ہے اسے پورا کرو جو حقوق تم پر ہیں ان کو دیے دو، رعایا کے حقوق اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ لے گا۔

اور صحیح بخاری۔ اور صحیح مسلم کے اندر حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً ۔ وَتُنْكِرُوْنَهَا ۔ قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَدُّوْا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ ۔ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمْ ۔

میرے بعد دولت و ثروت تم بہت دیکھو گے اور ایسے امور بھی دیکھو گے اور ایسی باتیں دیکھو گے جنہیں تم بُرا سمجھو گے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے وقت میں آپ ہمیں کیا فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا ان کے حقوق جو تم پر ہیں تم ادا کر دیا کرو، اور اپنے حقوق تم اللہ تعالےٰ سے مانگا کرو۔

پس والیان مال کو کسی طرح حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کو اپنی خواہشات کے مطابق تقسیم کریں۔ جس طرح کہ مال کے مالک اپنا مال تقسیم کر لیتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں لیتے دیتے ہیں۔ کیونکہ والیان مال اس مال کے مالک نہیں ہیں بلکہ امین۔ نائب اور وکیل ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أُعْطِيْ أَحَدًا وَلَا أَمْنَعُ أَحَدًا إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ۔ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ ۔ (رواہ البخاری)

قسم خدا کی میں نہ کسی کو دیتا ہوں، نہ کسی سے مال کو روکتا ہوں میں تو حقداروں پر اسی طرح تقسیم کرتا ہوں جیسا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے۔

غور کیجئے پیغمبر خدا رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں، لیکن فرماتے ہیں دینے اور نہ دینے میں اپنے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، اور تقسیم کرنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں، جس طرح کہ مال کے مالکوں کو حق اور اختیار ہوا کرتا ہے۔ ہر طرح اس میں تصرف کر سکتے ہیں، اور سلاطین شاہان دنیا بغیر کسی حق اور بغیر استحقاق کے جس سے محبت کرتے ہیں انہیں دیتے ہیں، اور جس سے ناراض ہوتے ہیں اسے محروم کر دیتے ہیں، بلکہ پیغمبر خدا، خدا کے بندے ہیں، اور جہاں خدا کا حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ بھی کیا کرتے تھے کسی نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے کہا اگر آپ کچھ اپنے لئے وسعت کر لیا کریں تو بہتر ہے، اللہ تعالےٰ کے مال میں سے کچھ زیادہ لے لیا کریں تو اچھا ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا میری اور ان لوگوں کی مثال تمہیں معلوم نہیں ہے، ان کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ سفر کر رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنا مال جمع کر کے ایک کے سپرد کیا کہ یہ مال ہمارے لئے مناسب طریقہ سے خرچ کرنا، تو کیا اس کے لئے جائز ہو گا کہ وہ اپنے لئے اس مال میں سے لے لیوے، اور جس طرح چاہے خرچ کرے؟

ایک مرتبہ خمس میں بہت سا مال حضرت عمرؓ کے پاس آیا، حضرت عمرؓ مال دیکھ کر بولے انھوں نے امانتیں دے دیں خوب کیا، بعض حاضرین بولے آپ امانت کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں تو لوگوں نے امانتیں آپ کو دے دیں، اگر آپ اس میں خرد برد کرتے تو یہ لوگ بھی خرد برد کرتے۔

اور سزاوار اور لائق یہ ہے کہ لوگ اس حقیقت کو سمجھیں کہ اولی الامر کیا ہے اور اسکی حیثیت کیا ہے، اولی الامر کی مثال بازار کی سی ہے، بازار میں جیسا کرو ویسا لے لو، جیسے دام ویسا مال۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے۔ اگر تم صدق وصداقت، بر و نیکی، عدل و انصاف امانتداری کروگے تو تمہیں اس کے بدلہ میں یہی چیزیں ملیں گی، اگر تم کذب و جھوٹ، ظلم و جور خیانت بد دیانتی کروگے تو تمہیں اس کے جواب میں یہی ملے گا، اسی لئے ولی امر، سلطان کا فرض ہے کہ حلال وطیب طریقہ سے حاصل کرے، اور جہاں حق ہو وہاں خرچ کرے اور مستحق، حقداروں کو محروم نہ کرے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک مرتبہ اطلاع ہوئی کہ آپ کے بعض نائب رعایا پر ظلم و جور کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اللّٰهُمَّ إِنِّي لَمْ آمُرْهُمْ أَنْ يَظْلِمُوا خَلْقَكَ وَلَا يَتْرُكُوا حَقَّكَ۔ — اے اللہ میں نے ان کو ظلم و جور کا حکم نہیں دیا نہ تیرا حق چھوڑنے کا حکم دیا ہے

چھٹی فصل کے مضامین

سلطانی مال جس کا کتاب وسنت میں ثبوت موجود ہے، مال تین قسم کا ہے، مال غنیمت، مال صدقہ وخیرات، مال فیٔ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پانچ چیزیں تمام انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ دی گئی ہیں، تمہارے کمزوروں کی وجہ سے تمہیں روزی اور نصرت ملتی ہے، مال غنیمت غانمین میں تقسیم کیا جائے، بنو امیہ، بنو عباس نے بھی ایسا کیا:

وہ سلطانی مال جس کی اصل کتاب وسنت میں ہے، تین قسم کا ہے، مال غنیمت، مال صدقہ وزکوٰۃ، مال فیٔ، مال غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے قتال وجنگ کر کے لیا جائے، اس کا ذکر خدا نے سورۂ انفال میں کیا ہے، اور یہ سورۃ غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے، خدا نے اس سورت کو انفال اس لئے کہا ہے کہ مسلمانوں کے مال میں زیادتی ہو رہی ہے، چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ط اِلٰى قَوْلِهٖ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الاٰیۃ)

(انفال از ابتدا سورۃ تا ع ۵)

اے پیغمبر! مسلمان سپاہی تم سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہدو کہ مال غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے (الیٰ قولہ) اور جان رکھو کہ جو چیز تم لڑائی میں لوٹ کر لاؤ، اس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور رسول کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا، محتاجوں کا، اور مسافروں کا ہے۔

اور فرماتا ہے:۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (انفال ع ۹)

تو جو کچھ تم کو غنیمت سے ہاتھ لگا ہے اس کو حلال طیب سمجھ کر کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور صحیح بخاری، اور مسلم کے اندر حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے، آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:۔

أُعْطِيتُ خَمْسًا۔ لَمْ يُعْطِهِنَّ نَبِيٌّ قَبْلِي۔ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ۔ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ۔ فَلْيُصَلِّ۔ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ۔ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي۔ وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ۔ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔

مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں، مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ایک یہ کہ ایک مہینہ کی مسافت سے میرا رعب پڑتا ہے، اور مجھے فتح دی گئی ہے، اور تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے کی جگہ بنائی گئی پس میری امت میں سے جس کو نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لیوے، اور میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے نبی اور پیغمبر اپنی قوم کیلئے بھیجے جاتے تھے اور میں تمام لوگوں کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ۔ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي۔ وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي۔ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (رواہ احمد فی المسند)

میں قیامت کے قریب تلوار لیکر مبعوث ہوا ہوں، تاکہ لوگ اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں، جس کا کوئی شریک نہیں، اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ کے نیچے کر دیا ہے، اور جو میری مخالفت کرے گا اس کے لئے ذلت و خواری ہے، اور جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ انھیں میں سے ہوگا۔

پس فرض ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس، پانچواں حصہ نکال لیا جائے، اور اس خمس کو اللہ تعالےٰ کے حکم کے بموجب خرچ کیا جائے، اور باقی کا مال غانمین یعنی غنیمت کا مال جمع کرنے والوں پر تقسیم کر دیا جائے، حضرت عمرؓ کا قول ہے "وہ مال غنیمت ان لوگوں کے لئے ہے جو جہاد میں شریک ہیں، اور وہ ایسے لوگ جو قتال و جہاد کے لئے حاضر اور موجود ہیں، قتال و جنگ کریں یا نہ کریں) اور غنیمت کا مال تقسیم کرنے میں نہ کسی کی ریاست و حکومت سے ڈرنا چاہیئے نہ خاندان و نسب کی افضیلت سے مرعوب ہونا چاہیئے، اور پورے عدل و انصاف سے تقسیم کر دینا چاہیئے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے خلفاء کیا کرتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری کے اندر ہے، کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اوروں کے مقابلہ میں اپنے کو افضل و اولیٰ سمجھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ — تم لوگوں کو نصرت اور رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

اور مسند احمد میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ ایک آدمی قوم کی حمایت و سرداری کی حیثیت سے لڑ رہا ہے۔ تو اس کا حصہ دوسروں کے برابر ہی ہونا چاہیے؟ آپ نے فرمایا:۔

ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا ابْنَ اُمِّ سَعْدٍ — اے ابن ام سعد، تمہاری ماں تم پر روئے

وَهَلْ تُرْزَقُوْنَ وَ تُنْصَرُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔ — کیا تم کو رزق اور نصرت تمہارے کمزوروں کی وجہ سے نہیں دی جاتی؟

چنانچہ دولت بنی امیہ، اور دولت بنی عباس میں مال غنیمت غانمین۔ غنیمت حاصل کرنے والوں پر تقسیم ہوتا رہا۔ جبکہ مسلمان روم اور ترکوں اور بربر کے خلاف جنگ و جہاد کرتے تھے، ہاں امام کے لئے یہ جائز ہے کہ کوئی خطرناک اور اہم کام کوئی انجام دیوے، مثلاً بلند قلعے پر چڑھ گیا، اور اس کی وجہ سے فتح و نصرت حاصل ہوئی، یا دشمنوں کے سردار پر ٹوٹ پڑا، اور دشمن کو شکست ہوئی۔ اس کے مثل کوئی دوسرا کام کیا تو اس کو نفل یعنی زیادہ دیوے، کیونکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے نفل دیا تھا، چنانچہ سریہ بدایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے علاوہ ایک ربع اور دیا تھا، اور غزوہ رجفہ میں خمس کے بعد ایک ثلث دیا تھا، اور اس نفل و اضافہ کے متعلق علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں یہ نفل اور زیادتی خمس کے مال میں سے دی جائے۔ اور بعض کہتے ہیں خمس کے پانچویں حصہ میں سے دی جائے، تاکہ بعض غانمین کو بعض پر فضیلت و برتری نہ ہو سکے، اور صحیح یہ ہے کہ خمس کے چوتھے حصہ میں سے نفل و زیادتی دی جائے۔ گو بعض لوگ افضل و برتر ہی کیوں نہ ہوں لیکن یہ نفل کسی دینی مصلحت کی بنا پر ہونا چاہیے خواہش نفس کو اس میں دخل نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ مصلحت کی بنا پر نفل دیا ہے، اور یہی قول فقہاء شام، اور امام ابوحنیفہ؟، امام احمد وغیرہ کا ہے، اور اسی قول کے مطابق کہا گیا ہے کہ بلا کسی شرط کے ربع اور ثلث دیا جائے، اس سے زیادہ کیلئے

شرط لگائی جائے، مثلاً امام یا سپہ سالار لشکر یہ کہے کہ جو شخص فلاں قلعہ سر کرے گا، یا جو فلاں کو گھیر لائے گا اس کو یہ یہ دیا جائے گا۔

اور بعض کہتے ہیں ایک ثلث سے زیادہ نفل نہ دیا جائے، ہاں شرط لگا کر دیا جا سکتا ہے، یہ ہر دو قول امام احمدؒ وغیرہ کے ہیں۔

اور اسی طرح صحیح قول کے بموجب امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ کہے جس شخص نے جو چیز لے لی وہ اس کی ہے، جیسا کہ غزوہ بدر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا، لیکن یہ اس وقت جبکہ مصلحت راجح ہو، اور مفسدہ کی امید کم ہو۔

جب امام مال غنیمت جمع کرے یا اسے تقسیم کرے تو کسی کو حق نہیں کہ اس میں کسی قسم کا غلبن کرے، اور جو شخص غلبن کرے گا قیامت کے دن اس کی پوچھ ہو گی، کیونکہ غلول اور غلبن بھی خیانت ہے، نیز مال غنیمت میں نہب و غارتگری بھی جائز نہیں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہب و غارتگری کو روکا ہے۔

جب امام نے مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے عام اجازت دے دی کہ جس کے ہاتھ لگے وہ اس کا ہے، تو اس صورت میں خمس ادا کرنے کے بعد ایسا کرنا حلال و جائز ہے، اور اذن و اجازت کے لئے کوئی خاص الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح بھی اور جس طور پر بھی اذن و اجازت دی جائے وہ اذن و اجازت ہے، اور جب عام اذن و اجازت نہ دی گئی ہو۔ اور اس صورت میں کوئی شخص کچھ لے لیوے تو وہ قسمت اور حصہ میں آئے اتنی ہی مقدار عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے لے سکتا ہے۔

اگر امام نے مال غنیمت جمع کرنے سے روک دیا ہے، اور حالات کچھ ایسے ہی ہیں۔ اور امام نے حالات کی بنا پر یہ طے کر لیا کہ وہ جو چاہے گا کرے گا۔ تو اس وقت دو قول متقابل ہوتے ہیں۔ تو دونوں قول چھوڑ دیے جائیں گے[1]۔ اور درمیانی راہ اختیار کی جائے، اس لئے کہ دِیْنُ اللهِ وُسْطٌ۔ اللہ کے دین کی راہ متوسط ہے۔

اور مال کی تقسیم میں عدل و انصاف یہ ہے کہ پیادہ کو ایک حصہ، اور سوار کے لئے جو عربی گھوڑا رکھتا ہے تین حصے، ایک حصہ اس کا اور دو حصے گھوڑے کے، جنگ خیبر کے موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

---

[1] اذا تعارضا تساقطا جب دونوں متعارض ہوں تو دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

بعض فقہاء کہتے ہیں سوار کو دو حصے دیئے جائیں ایک حصہ اس کا، اور ایک اسکے گھوڑے کا مگر پہلا قول صحیح ہے، صحیح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ گھوڑے کے ساتھ اس کا سائیس وغیرہ بھی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے گھوڑا زیادہ امداد کا محتاج ہے، اور پیادہ کے مقابلہ میں سوار سے بہت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے،

بعض فقہاء کا قول ہے عربی گھوڑے اور ہجین گھوڑے کو برابر حصہ دیا جائے، اور بعض کا قول ہے عربی گھوڑے کو دو حصے دئے جائیں اور ہجین کو ایک حصہ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی ہے، اور ہجین اس گھوڑی کو کہتے ہیں جس کی ماں نبطیہ ہو، اسے برذون بھی کہتے ہیں، بستری بھی کہتے ہیں۔ خصی اور غیر خصی گھوڑے کا یہی حکم ہے۔

سلف امت اس گھوڑے کو جو کسی گھوڑے پر نہ کودا ہو، کچھ حیثیت سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں قوت اور تیزی زیادہ ہوا کرتی ہے، اس کا کوئی صہیل نہیں ہے، اور اس کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے۔

اگر مال غنیمت میں مسلمان کا مال ہے خواہ زمین ہو یا مال منقولہ اور تقسیم سے پہلے لوگ اسے جانتے بھی تھے، تو یہ مال اسے واپس کر دیا جائے، اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مال غنیمت کے متعلق بہت سی تفریعات اور بہت سے احکام ہیں۔ اور بہت سے آثار اور اقوال سلف موجود ہیں۔ بعض متفق علیہ ہیں بعض میں اختلاف ہے، لیکن موقع اس کے بیان کا نہیں ہے۔ یہاں چند جامع جملے ہم نے پیش کر دیئے ہیں۔

ساتویں فصل کے مضامین

صدقہ زکوٰۃ آٹھ قسم کے لوگوں کو دی جائے، دینے میں اللہ تعالےٰ کے حکم کی ضرورت ہے۔

صدقہ وزکاۃ ان لوگوں کے لئے ہے، جن کا ذکر اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے زکوٰۃ مانگی تو آپ نے فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ فِي الصَّدَقَةِ تَقْسِيمَ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ وَلٰكِنْ جَزَّأَهُ ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ۔

صدقہ وزکات کی تقسیم میں اللہ تعالےٰ نہ کسی نبی سے راضی ہے نہ غیر سے۔ بلکہ اس نے خود آٹھ قسم کے لوگوں میں تقسیم کردی ہے۔ اگر تم ان آٹھ قسموں سے کسی میں ہو تو تم کو بھی دونگا۔

آٹھ قسمیں یہ ہیں:۔

۱۔ اَلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ۔ فقراء اور مساکین ہیں۔ ان کو اس قدر دیا جائے جو انکی ضرورت وحاجت کے لئے کافی ہو، غنی مالدار کے لئے صدقہ وزکوٰۃ جائز نہیں ہے، قوی طاقتور کماکر کھا سکے اس کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

۲۔ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا۔ اور عاملین زکوٰۃ، یہ صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے والے، اس کو جمع کرنے والے، اس کی حفاظت کرنے والے، اس کے لکھنے والے وغیرہ تمام اس میں شامل ہیں۔

۳۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ تالیف قلوب کے لئے، اور ہم اس کا ذکر مال فیٔ میں کریں گے،

۴۔ وَفِي الرِّقَابِ۔ گردنیں آزاد کرانے کے لئے۔ مکاتب غلام آزاد کرانے، قیدیوں کو چھڑانے، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کی جائے، یہ قوی ترین قول ہے۔

۵۔ وَالْغَارِمِيْنَ۔ غارمین وہ لوگ ہیں جو قرضدار ہوں، اور کسی طرح وہ اس کو وفا نہ کرسکتے ہوں۔ ان کو اتنا دیا جائے کہ ان کا قرض ادا ہو جائے۔ اگرچہ قرض بہت زیادہ کیوں نہ ہو ہاں اگر معصیت خداوندی کی وجہ سے قرض ہوگیا ہے تو جب تک وہ اس معصیت سے

توبہ نہ کرلیوے نہ دیا جائے۔

۶۔ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اور جو اللہ کی راہ میں ہیں انہیں دی جائے۔ اس میں وہ لوگ ہیں جو غازی ہیں۔ جنہیں اللہ کے مال میں سے اتنا نہیں ملا۔ جو ان کو کافی ہو سکے۔ اور جہاد کرسکیں، تو ان کو اتنا دیا جائے کہ جہاد میں شرکت کر سکیں، یا پورا پورا جہاد و غزوہ کا سامان مثلاً گھوڑے اسلحہ اور دوسرا خرچ اور اجرت ادا کر سکیں، اور حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

۷۔ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ اور ابن سبیل وہ آدمی ہے جو شہر بشہر پھرا کرتا ہے۔

آٹھویں فصل کے مضامین

مال فئی کسے کہتے ہیں؟ اس کا مصرف کیا ہے؟ عہد نبوی میں مال کا کوئی دیوان دفتر نہیں تھا۔ نہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب فتوحات ہوئیں اور بے شمار مال و دولت آنے لگی تو حضرت عمرؓ نے دیوان دفتر بنانے کا حکم فرمایا۔

رشوت قطعاً حرام ہے جو امراء حکام کو ہدیہ کے نام سے دیا جاتا ہے رشوت ہے۔

فئی کی اصل سورہ حشر کی یہ آیتیں ہیں، غزوہ بنی النضیر کے وقت جو غزوہ بدر کے بعد ہوا ہے۔ یہ آیتیں نازل ہوئیں ہیں، اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ لِلْفُقَرَاءِ

اور جو مال خدا نے اپنے رسول کو بے لڑے مفت میں ان سے دلوایا، تو مسلمانو! تم نے اس کیلئے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں، نہ گھوڑوں سے نہ اونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قابض کر دیتے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال اللہ نے رسولوں کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوائے[1] تو وہ اللہ کا حق ہے، اور رسول کا، اور رسول کے قرابتداروں کا، اور یتیموں کا، اور محتاجوں کا، اور بے توشہ مسافروں کا، یہ حکم اسلئے دیا گیا کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ مال ان ہی میں دائر نہ رہے۔ اور مسلمانو! جو چیز پیغمبر تم کو ہاتھ اٹھا کر دے دیا کریں لے لیا کرو، اور جس چیز کے لینے سے تم کو منع کریں

---

[1] مال دو قسم کا ہے ایک وہ جو کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس کو غنیمت کہتے ہیں ایک وہ جو بے لڑے ہاتھ لگے جیسا کہ بنی نضیر یہودیوں سے ملا تھا اسے فئی کہتے ہیں جس کا ترجمہ مفت ہوتا ہے (ابوالعلاء محمد اسمٰعیل)

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○

(سورۂ حشر ع ۱)

اس سے دست کش رہو، اور خدا کے غضب سے ڈرتے رہو، کیونکہ خدا کی مار بڑی سخت ہے، وہ مال جو بے لڑے مفت میں ہاتھ لگا منجملہ اور حقداروں کے محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو کافروں کے ظلم سے اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دیے گئے اور اب وہ خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں، اور خدا اور اس کے رسولوں کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہی تو سچے مسلمان ہیں اور ہاں وہ مال جو بے لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے کہ ان سے پہلے مدینہ میں بستے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور مال غنیمت میں سے مہاجرین کو جو کچھ بھی دیا جائے اسکی وجہ سے یہ اپنے دل میں کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائینگے اور ہاں جو مال بغیر لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے جو مہاجرین اولین کے بعد ہجرت کر کے آئے اور دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ان کو جو ایمان لا چکے ہیں انکی طرف سے ہمارے دلوں میں کسیطرح کا کینہ نہ آنے پائے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالے ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار اور ان لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو بعد میں ان اوصاف سے متصف ہیں، پس تیسری قسم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو۔ اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے جس طرح کہ اس قول خداوندی میں داخل ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ۔ (انفال رع ۱۰)

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد بھی کئے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں۔

اور جس طرح اس قول خداوندی میں داخل ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ (توبہ رع ۱۲)

اور وہ جو ان کے بعد خلوص دل سے داخل ایمان ہوتے۔

اور جس طرح اس قول خداوندی میں داخل ہیں۔

وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (جمعہ رع ۱)

اور دوسرے وہ لوگ جو ابھی تک ان میں شامل نہیں ہوئے مگر آخر کار ان میں آملینگے خدا زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور "اوجفتم عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ" کے معنی یہ ہیں کہ تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت نہیں دی۔ نہ جہاد کے لئے ان کو چلایا اور دوڑایا ہے۔ اور فقہاء کرام نے اسی معنی کے لحاظ سے کہا ہے "مال فئی وہ ہے جو کفار سے بغیر قتال و جنگ لیا گیا ہو" اوجفتم کا مصدر ایجاف ہے اور "ایجاف" کے معنی قتال و جنگ ہے۔ اِیْجَافُ الْخَیْلِ وَالرِّكَابِ کے معنی ہی قتال و جنگ کے ہیں۔ یعنی تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت نہیں دی نہ چلایا۔

اور اس قسم کے مال کو "فئی" اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو کفار سے یہ مال بلا قتال و جنگ دلوایا ہے۔

پس اصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مال و دولت اسی لئے دی ہے کہ اس کی عبادت کے لئے معین و مددگار رہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا فرمایا ہے۔ پس جبکہ کفار خدا کی عبادت نہیں کرتے نہ اپنے مال کو عبادت خداوندی میں خرچ کرتے ہیں۔ تو یہ مال مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کر دیا۔ تاکہ یہ اس مال سے قوت حاصل کریں۔ اور خدا کی عبادت کریں۔ کیونکہ مسلمان بندے خدا ہی کی عبادت کیا کرتے ہیں اور اس لئے "مال فئی" ان کو دیا گیا جس کے وہ حقدار اور مستحق تھے۔ اس طرح جس طرح کسی کی میراث و ترکہ غصب کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر اُسے واپس دلوایا جاتا ہے، اگرچہ اس سے پیشتر

وہ دوسروں کے قبضے میں تھا۔ اس کا قبضہ نہیں تھا۔ یا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ سے جزیہ لیا جاتا ہے، یا وہ مال جس سے دشمن کے ساتھ صلح کی جاتی ہے، یا وہ مال جو سلطان کو غیر مسلموں سے ہدیہ میں ملتا ہے، یا جس طرح کہ نصاریٰ وغیرہ آبادیوں سے گذرتے وقت سواری کا انتظام کیا کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض! یہ کہ مال فئی مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کر دیا۔ تاکہ مسلمان اس مال سے قوت حاصل کریں۔ اور خدا کی عبادت کیا کریں۔

اور سوداگران اور تجار اہل حرب سے جو کچھ لیا جاتا ہے، وہ مال کا دسواں حصہ یعنی عشر ہے۔ اگر یہ سوداگر ذمی ہیں اور اپنی آبادیوں سے نکل کر دوسروں کی آبادیوں میں تجارت کرتے ہیں تو ان سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جائے، خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطاب ؓ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اور وہ مال بھی اس میں داخل ہوگا۔ جو عہد شکنی کرنے والوں سے لیا جاتا ہے۔ اور خراج کا مال بھی اس میں شامل ہوگا۔ جو کفار پر لاگو کیا گیا ہے، اگرچہ اس میں سے کچھ حصہ بعض مسلمانوں پر بھی لاگو ہو جائے گا[1]۔

اور پھر یہ کہ مال فئی کے ساتھ ہر قسم کا مال جمع کر دیا جائے گا۔ اور جس قدر بھی سلطانی مال ہے وہ سب مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیئے جائیں گے، مثلاً وہ مال جس کا کوئی مالک نہیں، اور اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ کوئی مسلمان مر گیا اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے، یا مال مغصوب، یا مال عاریت یا مال ودیعت کہ جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور یہ مال زمین ہے یا مال منقولہ۔ اور اس قسم کے دوسرے مال۔ یہ سب کے سب مسلمانوں کا مال ہے۔ اور بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید میں صرف مال فئی کا ذکر ہے، دوسرے مال کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں جس قدر موتیں ہوئیں ان کے وارث موجود تھے۔ صحابۂ کرامؓ کا نسب تمام کو معلوم تھا[2]۔

---

[1] اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ پہلے کافر کے پاس کوئی زمین تھی اور اب وہ مسلمان کے پاس آگئی تو اصل چونکہ خراجی زمین ہے۔ مسلمان پر بھی وہی خراج ہوگا۔ جو اصل زمین پر مقرر کیا گیا تھا۔

[2] صحابۂ کرامؓ کا نسب سب کو معلوم تھا۔ علاوہ ازیں، اسلام عرب ہی میں تھا اور عربوں کا نسب سب کو معلوم اور سب پہ واضح تھا اس لئے ایک ہی کے مال کا ذکر کیا گیا۔ قرآن مجید میں فقط فئی کا ذکر ہے۔ (ابوالعلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

ایک مرتبہ کسی قبیلہ کا ایک آدمی مرگیا تو آپ نے اس کی میراث وترکہ اس قبیلہ کے سردار کے حوالہ کردیا جو نسب کے اعتبار سے دادا کے قریب تر تھا۔ اور یہی مسلک علماء کے ایک گروہ کا ہے، مثلاً امام احمدؒ وغیرہ، امام احمدؒ نے اس کی تصریح کردی ہے، اور ایسا آدمی اگر مر جائے جس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کی میراث وترکہ اس کے آزاد کردہ غلام کو دیا جائے گا۔ امام احمدؒ کے شاگردوں میں ایک بڑی جماعت کا یہی قول ہے۔

اور اگر کوئی مرجائے اور کوئی بھی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ اس آبادی میں رہنے والوں کو دے دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کا یہ طریقہ تھا کہ میراث وترکہ کے لئے ادنیٰ سے ادنیٰ سبب کافی تھا جو میت میں اور اس میں پایا جائے۔

اور مسلمانوں سے باقاعدہ جو مال لیا جاتا تھا وہ صدقہ زکوٰۃ تھا۔ صدقہ زکوٰۃ کے سوا ان سے کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ اور آپ مسلمانوں کو یہ فرماتے مسلمان فی سبیل اللہ مال وجان سے غزوہ وجہاد میں شرکت کریں اور حکم خداوندی بجا لائیں۔

عہد نبوی اور عہد ابوبکر صدیقؓ میں مال مقبوضہ جو تقسیم کیا جاتا تھا اس کا کوئی جامع دیوان و دفتر نہیں تھا، بلکہ مناسب طریقہ سے مسلمانوں کو بانٹ دیا جاتا۔ عہد عمر بن الخطابؓ میں مال اور ملک کی وسعت بہت زیادہ ہوگئی تو مقاتلین، مجاہدین اور اہل بخشش کے لئے دیوان و دفتر بنائے گئے، اور خود حضرت عمرؓ نے یہ دیوان و دفتر بنوائے جن میں اکثر مجاہدین اور فوج کے نام درج تھے، یہ دیوان اور دفتر آج مسلمانوں کے لئے نہایت اہم اور شاندار ہیں۔

شہروں اور آبادیوں سے جو خراج اور فئی وغیرہ کا مال لیا جاتا تھا اس کے دیوان و دفتر علیحدہ تھے۔

عہد فاروقی میں اور اس سے پہلے جو مال آتا تھا تین قسم کا تھا، جن میں ایک قسم کے مال پہ امام وامیر کا قبضہ ہوتا تھا۔ اور امام وامیر ہی اس کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ کتاب اللہ اور سنت نبوی، اور اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اور ایک قسم کا مال وہ ہے جس کا لینا امام وامیر کے لئے حرام تھا۔ جیسے جنایات اور گناہ کی وجہ سے کوئی آدمی قتل کردیا گیا، اس کا مال اور کسی آبادی سے بیت المال کے لئے مال وصول کیا جائے گو اس کے وارث موجود ہوں یا کوئی حد کا مستحق ہے۔ اور کسی وجہ سے مال لے کر حد ساقط کردی گئی۔

اور ایک قسم وہ ہے جس کے متعلق اجتہاد کو دخل ہے، اور علماء کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

مثلاً کوئی آدمی مرگیا اس کا مال ہے، اس کے ذی رحم موجود ہیں، لیکن ذوی الفروض میں کوئی نہیں ہے، نہ کوئی عصبہ موجود ہے، اور اس کے مثال اور واقعات، تو اس میں علماء کی راہ اور مسلک علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اکثر والیان ملک اور رعیت مظالم سے دوچار ہوتے ہیں۔ والی، اور امیر حلال وحرام کا پاس نہ رکھتے ہوئے رعایا سے مال وصول کرتے ہیں، اور رعایا اپنے فرض سے غافل رہتے ہوئے مال کو روک لیتی ہے، مثلاً جند و لشکر اور فلاحین زراعت ہمیشہ لوگوں میں ظلم ہوتا ہے یا مثلاً لوگ فرض جہاد کو ترک کر دیتے ہیں، اور والیان ملک بیت المال میں خداوندی مال جمع کرتے ہیں۔ لیکن حلال وحرام کا قطعاً پاس و لحاظ نہیں کرتے، اور مال نہ ادا کرنے پر عقوبت وسزا دی جاتی ہے، مباح یا واجب چیز کو چھوڑ کر ایسے کام کر گذرتے ہیں جو والیان ملک کے لئے کسی طرح جائز اور حلال نہیں ہیں۔

اور اصل یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس ایسا مال ہے جس کا ادا کرنا اس کے لئے فرض ہے مثلاً اس کے پاس کسی کی ودیعت وامانت رکھی ہوئی ہے، یا کسی سے مضاربت یا شرکت ہے یا موکل کا مال ہے، یا کسی یتیم کا یا وقف مال ہے، یا بیت المال کا مال ہے، یا مثلاً قرض دار ہے، اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ قرض ادا کر سکتا ہے، جب ایسا آدمی واجب و حق کو روک لیوے، اور نہ دیوے خواہ بعینہٖ ہو، یا قرض ہو اور امام جان لیوے کہ یہ آدمی قرض ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے، تو ایسے آدمی کو عقوبت اور سزا دی جائے گی، تاآنکہ وہ اپنا مال بتائے، یا مال کی جگہ بتلا دیوے کہ فلاں مقام پر مال ہے، جب یہ یقین و باور ہو جائے کہ اس کے پاس مال ضرور ہے، اس کو قید و بند میں رکھ دیا جائے، اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے کہ وہ مال ظاہر کرے، اور بتلا دیوے، مار مارنے کی ضرورت نہیں، اگر مال بتلانے اور ادائے دین سے انکار کرے تو اسے مارا پیٹا جائے تاآنکہ حقداروں کا حق ادا کرے۔ یا ادا کرنا ممکن ہو جائے۔ اور یہی حکم نفقۂ واجبہ کا ہے، جبکہ وہ نفقہ دینے پر قدرت رکھتا ہو، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرو بن شرید عن ابیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

لَیُّ الْوَاجِدِ یُحِلُّ عِرْضَہٗ وَعُقُوْبَتَہٗ۔ (رواہ اہل السنن)

جو پائے اور نہ دیوے اسکا مال عزت و آبرو اور اسکو عقوبت وسزا دینا حلال ہے۔

پانے والے کا مال لے لیا، اس کو عقوبت وسزا دینا حلال اور جائز ہے۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر ہے:۔

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ۔ (رواہ الصحیحین) مالدار نادہند ظالم ہے۔

اور حقدار کے حق کی ادائیگی میں دیر کرنا سراسر نادہندگی اور ظلم ہے۔ اور ظالم عقوبت وسزا کا مستحق ہے۔ اور یہ متفق علیہ اصول وکلیہ ہے کہ حرام کا مرتکب اور واجب کا ترک کرنے والا مستحق عقوبت وسزا ہے، پس اگر شریعت میں اس کی سزا مقرر نہیں ہے تو ولی الامر اجتہاد سے کام لیوے، اور اسے تعزیر کرے۔ اور نادہندہ مال دار کو سزا دیوے۔ اگر وہ نہ دینے پر مُصر ہے تو مار ماری جائے۔ تا آنکہ وہ واجب ادا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس پر فقہاء کی صریح نص وتصریح ہے۔ امام مالکؒ کے شاگردوں۔ اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ نے اس کی پوری طرح تصریح کر دی ہے، اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں سب کے سب اس پر متفق ہیں۔

اور امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے سونا چاندی اور اسلحہ وہتھیار کے عوض صلح کی اور یہودیوں نے اس کا وعدہ کیا، تو بعض یہودیوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اور پوچھنے والا سعید جو حیی بن اخطب کا چچا تھا۔ اس نے حیی بن اخطب کے خزانے کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا:۔

اَذْهَبَتْهُ النَّفَقَاتُ وَالْحُرُوْبُ۔ مال خرچ ہو گیا اور لڑائیاں لے گئیں۔

اس نے کہا آپ سے ابھی تو معاہدہ ہوا، اور معاہدہ کی رو سے یہ مال بہت زیادہ ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سعید کو حضرت زبیرؓ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے اس کو سزا دی۔ راوی کہتا ہے میں نے حیی بن اخطب کو فلاں خرابے میں گھومتے دیکھا ہے، لوگ وہاں پہنچے، اور خرابے کو گھوم پھر کر دیکھا، ٹٹولا تو بہت سا مشک اس خرابے سے نکلا۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی ذمی تھا۔ اور ذمی کو بغیر گناہ اور حق کے عقوبت وسزا نہیں دی جاتی۔ اور یہ حکم ہر واجب اور ضروری چیز کو چھپانے والے کا ہے، جب کہ وہ واجب وضروری چیز کے بتلانے میں کوتاہی کرے۔ ترک واجب کی بنا پر اسے سزا دی جائے گی۔

وہ مال جو والیان امراء نے مسلمانوں کا مال بغیر حق بلا استحقاق لے لیا ہو۔ ولی الامر

عادل کا فرض ہے کہ اس مال کو ان سے وصول کرے، مثلاً وہ ہدایا اور تحفے جو انہوں نے اپنے عمل اور عہدے کے ذریعہ حاصل کئے ہیں، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضؓ کہتے ہیں:-

هَدَايَا الْعُمَّالِ غُلُوْلٌ ۔ عمال کے ہدایہ غلول و غبن ہیں۔

اور ابراہیم حربی رحؒ اپنی کتاب الہدایا کے اندر حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں:-

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَدَايَا الْأُمَرَاءِ غُلُوْلٌ ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امراء کے ہدایا اور تحفے غلول و غبن ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر ابی حمید ساعدی رضؓ سے مروی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ ازد کے ایک آدمی کو جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، صدقہ زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل مقرر کیا، اس نے آکر مال پیش کیا اور کہنے لگا یہ مال آپ کا ہے۔ اور یہ مجھے ہدیے میں ملا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَا بَالُ الرَّجُلِ نَسْتَعْمِلُهٗ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانَا اللّٰهُ ۔ فَيَقُوْلُ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ إِلَيَّ فَهَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ أَبِيْهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهٖ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى إِلَيْهِ أَمْ لَا ۔ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهٗ عَلٰى رَقَبَتِهٖ ۔ إِنْ كَانَ بَعِيْرًا لَهٗ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْنَا عُفْرَةَ إِبْطَيْهِ ۔ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا ۔

کیا حال اس شخص کا جس کو ہم عمل اور کام سپرد کرتے ہیں اور وہ کام جو اللہ تعالےٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے، اور وہ آکر کہتا ہے، یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیے میں ملا ہے کیوں وہ باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ یہ تحفے اور ہدایا اسے ملتے ہیں؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چیز بھی وہ لے گا قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی اگر اونٹ ہے تو وہ چلا رہا ہوگا اگر گائے ہے تو وہ بلبلاتی چیختی ہوگی، اور بکری ہے تو وہ میں میں کرتی ہوگی، اسکے بعد آنحضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغل ہم نے دیکھی اور فرمایا اے اللہ میں نے پہونچا یا اوراے اللہ میں نے پہنچا دیا۔ تین دفعہ آپ نے یہ فرمایا۔

اور یہی حکم ان والیان امر کا ہے جو معاملات میں ہدایا اور تحفے لے کر کسی کی امداد و اعانت

ہیں۔ مثلاً بیع وشراء، مواجرۃ، مضاربت مساقات، مزارعۃ وغیرہ۔ اس قسم کے معاملات میں کسی قسم کا بھی ہدیہ اور تحفہ لے کر کام کریں، تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور اسی بنا پر حضرت عمر ابن الخطابؓ نے بعض عمال سے کہ جن کے پاس مال بھی تھا، اور قرض بھی تھا، اور خیانت سے بھی وہ متہم نہیں تھے، آدھا آدھا کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عمال کے ساتھ ایسا سلوک اس لئے کیا کہ انھوں نے ولایت امر کی وجہ سے ہدایا اور تحفے لئے تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے ان کو والی وعامل مقرر کیا تھا، اور یہ امر اس کا مقتضی بھی تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ امام عادل تھے، اور مال کی صحیح تقسیم انہی کا کام تھا۔

جب امام اور رعایا دونوں میں تغیر آ جائے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق اپنے فرض کو انجام دیوے، حرام کو چھوڑ دے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مباح کی ہے اسے حرام نہ کرے۔

کبھی لوگ والیان ملک سے اس لئے ابتلا و مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں کہ یہ ہدایا اور تحفے نہیں دیتے، کہ ہدایا اور تحفے دے کر ان کے مظالم سے چھوٹیں۔ اور جو فرض والی امر کا ہے وہ چھوڑ دیتا ہے، پھر بھی کف ظلم کے عوض ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا ان کے نزدیک محبوب ہے۔ اور باوجود اس کے کف ظلم کے عوض وہ مال لیتا ہے۔ اور اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے لئے بیچتا ہے، اور ایسا آدمی زیادہ خسران اور ٹوٹے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔ اس کا تو فرض یہ تھا کہ حسب قدرت وطاقت ظلم کو روکتا، اور لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری کرتا۔ ان کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھتا، سلطان تک ان کی حاجتیں اور ضرورتیں پہنچاتا، اور سلطان کو ان امور سے آگاہ و باخبر کر دیتا، ان کے مصالح سے بھی آگاہ کر دیتا، اور ان کو مفاسد سے بچاتا، اور اس بارے میں مختلف طریقے لطیف غیر لطیف اختیار کرتا جس طرح کہ کاتب منشی وغیرہ اپنی اغراض کے لئے کیا کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث ہند بن ابی ہالہؓ کے اندر ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَبْلِغُوْنِیْ حَاجَۃَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَہَا فَاِنَّہٗ مَنْ اَبْلَغَ ذَا السُّلْطَانِ حَاجَۃَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ	ان لوگوں کو جو اپنی حاجتیں اور ضرورتیں مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، مجھ تک پہنچاؤ کیونکہ جو شخص صاحب سلطنت تک ایسے لوگوں کی حاجتیں

إِبْلَاغُهَا۔ ثَبَّتَ اللهُ قَدَمَيْهِ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ الْأَقْدَامُ

پہنچائیں جو خود نہیں پہنچا سکے تو اللہ تعالے پلصراط پر اسے ثابت قدم رکھے گا کہ جس دن بڑوں بڑوں کے قدم لڑکھڑا جائیں گے۔

اور امام احمدؒ سے، اور سنن ابی داؤد کے اندر ابی امامہ باہلیؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ عَلَيْهَا هَدِيَّةً فَقَبِلَهَا فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا۔

جس نے اپنے کسی بھائی کی سفارش کی، اور اس کے بدلہ اس نے ہدیہ بھیجا، اور اس نے اسے قبول کر لیا۔ تو وہ سود کے بڑے دروازے میں داخل ہو گا۔

اور ابراہیم حربی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، کسی آدمی نے کسی سے اپنی حاجت پوری کرنے کو کہا، اور اس نے اس کی حاجت پوری کر دی، اور دوسرے نے ہدیہ بھیجا اور اس نے قبول کر لیا تو یہ حرام ہے۔

حضرت مسروقؓ سے روایت ہے انہوں نے ابن زیاد سے کسی مظلمہ کے متعلق بات چیت کی، اور انہوں نے ظلم کو دفع کر دیا۔ اس نے تحفہ میں ایک غلام دیا۔ انہوں نے اسے مسترد کر دیا، اور کہا میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے جس مسلمان کا ظلم دور کیا، اور اس نے اس کے مقابلہ میں تھوڑا یا بہت کچھ دیا تو یہ حرام ہے، تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا اے ابو عبدالرحمانؓ ہم تو سحت رشوت کے سوا کسی چیز کو نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا "رشوت تو کفر ہے"۔

پس اگر والی، امیر اپنے لئے ایسی چیز عمال سے نکلواتا ہے جو انہوں نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے مخصوص کر رکھی ہے۔ تو اس صورت میں دونوں میں سے کسی کی اعانت نہیں کرنی چاہیئے، دونوں کے دونوں ظالم ہیں، جس طرح کہ ایک چور دوسرے چور کا مال چرا لیتا ہے، یا دو گروہ عصبیت اور ریاست کے لئے لڑتے ہیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ آدمی ظلم کی اعانت و امداد کرے۔ کیونکہ تعاون و امداد دو طرح کی ہے۔ ایک نیکی، اور تقویٰ کا تعاون امداد مثلاً جہاد کرنا حدود قائم کرنا حقوق العباد دلوانا مستحق اور حقداروں کے حقوق دلوانا وغیرہ۔ ایسی اعانت و امداد ایسا تعاون تو مامور من اللہ ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایسا تعاون فرض قرار دیا ہے، اور اگر ڈر کے مارے نیکی اور نیک کام سے رک جائے، اور ظالم سے ڈر جائے مظلوم کی اعانت و امداد نہ کرے تو یہ بھی فرض عین یا فرض کفایہ کا تارک ہے، اور تارک فرض کا مجرم ہے، اگرچہ اپنی خوش فہمی سے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں ورع و تقویٰ کا پابند ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ اکثر جبن بزدلی، اور ورع و تقویٰ میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اور جبن و بزدلی اور ورع دونوں میں انسان حق کی اعانت سے رُک جاتا ہے۔

دوسرا تعاون اثم و عدوان کا تعاون ہے، مثلاً معصوم بے گناہ کا خون کیا جائے، یا اس کا مال لے لیا جائے، اور جو مار کا حقدار نہیں اسے مارا پیٹا جائے، یہ اور اس قسم کے گناہوں میں اعانت و امداد کرنا اثم و عدوان کی اعانت و امداد ہے، اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ نے ایسی اعانت و امداد کو حرام قرار دیا ہے۔

البتہ جبکہ کسی کا مال بلا استحقاق لے لیا گیا یا چھین لیا گیا، اور مال کے مالکوں تک اس کا پہنچانا کسی وجہ سے دشوار ہے مثلاً سلطانی مال کہ ایسا مال مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرنا چاہئے جیسے جہاد، اور لڑائی کے مورچے وغیرہ قائم کرنے پر خرچ کیا جائے۔ یا مجاہدین اور جنگ کرنے والوں پر خرچ کیا جائے تو یہ نیکی و تقویٰ کی اعانت و امداد ہوگی کیونکہ سلطان پر واجب و لازم ہے کہ اس قسم کا مال جبکہ اصل مالکوں کی وجہ سے نہ پہنچا سکے، اور نہ دے سکے، اور اس کے وارثوں کو نہ دے سکے تو سلطان کا فرض ہے کہ اگر اسی نے ظلم کیا ہے تو پہلے توبہ کرے، اور پھر مال کو مسلمانوں کی مصلحتوں پر مسلمانوں کے کاموں میں خرچ کرے، اور یہ جمہور علماء کا قول ہے، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور بہت سے صحابہؓ سے بھی ایسا منقول ہے، اور ادلۂ شرعیہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ منصوص ہے۔

اگر وہ مال دوسروں نے لے لیا ہے تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ اس مال کو اسی طرح خرچ کرے۔ اگر وہ مال جو سلطان نے کسی وجہ سے اصل مالک کو نہ دیا ہو تو مالک مال کی مصلحتوں پر خرچ کرنے میں اعانت کرے، کیونکہ مال ضائع کرنے کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اس مسئلہ کی شریعت کا دارومدار خدا کے اس قول پر ہے:-

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (تغابن ع ۲) مسلمانو! جہاں تک تم سے ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

جو۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (آل عمران ع ۱۱) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

کی تفسیر کرتا ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر دار و مدار ہے۔

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخرجاہ فی الصحیحین) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق اسے انجام دو۔

اور اس قول پر دار و مدار ہے، وہ مصالح کی تحصیل و تکمیل کرنا۔ اور مفاسد کو کلیتہً دور کرنا یا کم کرنا واجب و ضروری ہے

جب مصالح اور مفاسد میں باہم ٹکر ہو تو دو مصلحتوں میں سے جو بڑی ہو اختیار کی جائے۔ اور ادنیٰ کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جو بڑا مفسدہ ہو اسے دُور کیا جائے، ادنیٰ مفسدہ کے احتمال کے مقابلہ میں یہی مشروع ہے لے۔

اور اثم، عدوان کی اعانت کرنے والا وہ ہے جو ظالم کی اعانت کرے، لیکن وہ شخص جو

لے اصلاح کے لئے پہلے اصول اصلاح کی اعانت فرض ہے، جب کوئی شخص کسی غیر مشروع منکر کی اصلاح کا قصد کرے تو پہلے اسے سوچ لینا چاہیئے کہ غیر مشروع منکر کس درجہ کا ہے، اگر اس کی اصلاح کی گئی تو کیا اس کی بجائے کوئی دوسرا غیر مشروع منکر تو نہیں پیدا ہوتا، جو اس سے بڑھ کر ہو۔ اگر اس سے بڑھ کر نہیں تو پھر اس کے مساوی اور باعتبار ثمرات و مفاسد اس سے بڑھ کر تو نہیں ہے، ان ہر دو صورتوں میں اصلاح کا قصد کرنا قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ ایک مفسدہ کی جگہ اس سے بڑھ کر مفسدہ پیدا ہو رہا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کی اصلاح کا ارادہ رکھتے تھے، حطیم کے حصہ کو کعبۃ اللہ میں داخل کر کے پورا کر لینا چاہتے تھے۔ اور دو دروازے بنانا چاہتے تھے۔ ایک سے کعبۃ اللہ میں داخل ہوں دوسرے سے نکل جائیں، لیکن اس اصلاح سے مفاسد پیدا ہونیکا اندیشہ تھا۔ نو مسلم لوگ طرح طرح کے خیالات دوڑانے لگتے اور بری طرح کی خرابیاں پیدا ہونیکا اندیشہ تھا، اس لئے آپ نے اصلاح کا خیال ترک فرما دیا۔

اگر اصلاح کی یہ صورت ہے کہ اس کی اصلاح سے دوسرا منکر اس کے مساوی پیدا ہوتا ہے لیکن باعتبار مفاسد اس سے کم درجہ رکھتا ہے، یا اس کی جگہ کم درجہ کا مفسدہ پیدا ہوتا ہے، یا جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں کم درجہ کے ہوتے ہیں۔ یا امر مستحسن پیدا ہوتا ہے، ان تین صورتوں میں اصلاح کے لئے اقدام فرض ہے۔ اور اقدام میں کوتاہی کرنا گناہ ہے۔

(ابوالعلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

مظلوم کی اعانت کرتا ہے، یا جو ظلم ہو رہا ہے اس میں کمی ہو اس کی اعانت کر رہا ہے، یا جو ظلم ہوا ہے اس کا بدلہ دلوانے کی کوشش کر رہا ہے تو یہ مظلوم کا وکیل ہوگا۔ نہ ظالم کا۔ اور یہ بمنزلہ اس شخص کے ہوگا جس نے قرض دیا۔ یا ظالم کے ظلم سے بچانے کے لئے کسی کے مال کا وکیل ہوا۔ مثلاً یتیم کا مال، یا وقف کا مال ہے، اور یتیم اور وقف کے مال میں سے کسی ظالم نے خواہ مخواہ طلب کیا، اور اس کے ولی نے بدرجۂ مجبوری کم سے کم دینے کی کوشش کی، ظالم کو دیا، یا ظالم نے دلوایا، اور ولی نے پوری پوری کوشش کر کے کم سے کم دیا تو یہ محسن ہوگا۔ وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ۔

اور اس حکم میں وہ وکیل بھی داخل ہیں جو مال ادا کرانے میں شہادت دیتے ہیں۔ اور اس کے لکھنے میں شریک ہیں۔ اور جو عقد میں قبضہ کرنے میں اور مال دلوانے میں شریک ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

اس ظلم کے متعلق جو کسی آبادی، قریہ، یا راستہ، یا بازار، یا کسی شہر پر کیا جائے اور کوئی محسن شخص اس ظلم کو دفع کرنے میں درمیانگی کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے، اور ہر امکانی کوشش عدل و انصاف کے ساتھ برتنے، اور بقدر طاقت بلا خوف، بلا لومۃ لائم۔ بلا رشوت لئے مال دلوانے اور دینے میں کوشش کرے تو وہ بھی محسن ہوگا۔

لیکن آج کل غالب یہ ہے کہ جو شخص بھی مداخلت کرتا ہے ظالم لوگوں ہی کی وکالت کرتا ہے۔ ان سے ڈرتا ہے، اور جو رشوت ملتی ہے، اس پر فخر کرتا ہے، اور جن سے جو چاہتا ہے لیتا ہے، اور یہ اکثر و بیشتر ظالم ہیں۔ جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ان کے اعوان، و مددگار بھی جہنمی ہیں یقیناً ایسے لوگ جہنم میں جھونک دئے جائیں گے۔

نویں فصل کے مضامین

مال کی تقسیم اہم فالاہم کے اصول کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اہل نصرت و جہاد تمام سے زیادہ مستحق ہیں۔ مال فئی میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ تمام مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے یا خاص مجاہدین کے لئے ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کو بھی فئی سے دیا کرتے تھے اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا کی صحیح راہ۔

مال کے مصارف اور اس کی تقسیم مسلمانوں کے مصالح میں ہونی چاہیئے۔ اور اہم فالاہم کے اصول کو مدنظر رکھنا واجب اور ضروری ہے۔ مثلاً عام مسلمانوں کو عمومی نفع اور فائدہ پہنچے، انہی لوگوں میں ارباب نصرت وجہاد بھی ہیں، اور مال فئی میں تمام سے زیادہ مستحق مجاہدین اسلام ہیں، کیونکہ مجاہدین کے بغیر مال فئی کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ انہی مجاہدین کے ذریعہ ہی یہ مال وصول ہوتا ہے، اور اسی لئے فقہاء اسلام نے اختلاف کیا ہے کہ مال فئی انہیں مجاہدین پر صرف کیا جائے، یا یہ کہ ہر قسم کے مصالح میں صرف کیا جائے؟ مال فئی کے علاوہ جس قدر بھی مال ہے اس میں تمام مسلمان، اور مسلمانوں کے تمام مصالح شامل ہیں، اور اس میں تمام کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ صدقات، زکوٰۃ، اور مال غنیمت کو مخصوص کر دیا ہے، اور مستحقین وحقدار یہ لوگ ہیں عاملین صاحب ولایت وغیرہ، مثلاً والیان امر، قضاۃ، علماء اور وہ لوگ جو مال جمع کرنے، اس کی حفاظت اور تقسیم وغیرہ جن کے سپرد ہے، تاآنکہ نماز کے امام اور مسجدوں کے مؤذن وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں، اسی طرح وہ اجرت بھی اس میں داخل ہے جس سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً سرحدوں پر مورچے باندھنا، اسلحہ وغیرہ کے لئے خرچ کرنا، اور وہ عمارتیں بنوانا جن کی تعمیر ضروری ہے، لوگوں کے لئے راستے درست وہموار کرنا، چھوٹے بڑے پل تعمیر کرنا، پانی کے راستے ہموار کرنا، نہریں وغیرہ بنوانا، یہ تمام چیزیں مال کے مصارف میں شامل ہیں، صاحب ضرورت اور مستحق لوگ بھی اس میں شامل ہیں۔

فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ صدقہ زکوٰۃ کے علاوہ مال فئی وغیرہ میں ضرورت مند لوگوں کو مقدم رکھا جائے، یا نہیں؟ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں دو قول ہیں، کچھ لوگ

کو مقدم رکھتے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں نہیں بلکہ اسلام کا استحقاق ہے گا۔ یہ لوگ سب کو شریک اور برابر کے حقدار مانتے ہیں جس طرح کہ وارث میراث و ترکہ میں مشترک ہیں۔

لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ ضرورت مندوں کو مقدم رکھا جائے، اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حاجت مندوں کو مقدم رکھتے تھے، مثلاً بنی نضیر کے مال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کو آپ نے مقدم رکھا تھا، چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَيْسَ أَحَدٌ أَحَقَّ بِهٰذَا الْمَالِ مِنْ أَحَدٍ إِنَّمَا هُوَ الرَّجُلُ وَسَابِقَتُهُ وَالرَّجُلُ وَغِنَائُهُ وَالرَّجُلُ وَبَلَاؤُهُ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهُ۔	یہ مال سب میں مشترک ہے یہ مال اس آدمی کو ملیگا جس نے جہاد میں سبقت کی، اسکو ملیگا جسنے مشقت برداشت کی، اس آدمی کا حق ہے جو ابتلا میں پھنس گیا، اور وہ حقدار ہے جو ضرورت مند ہے،

حضرت عمرؓ نے مال چار قسم کے لوگوں پر تقسیم فرمایا ہے،

۱۔ سوابق پر جن کی مسابقت کی وجہ سے مال وصول ہوا ہے

۲۔ ان لوگوں پر جو مسلمانوں کے لئے خاص قسم کی سعی و کوشش کرتے ہیں، مثلاً والیان امر، اور وہ علماء جو لوگوں کو دین و دنیا کے منافع حاصل کرنے کے راستے بتلاتے ہیں! اور جو نقصان اور ضرر کی مدافعت کے لئے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ مثلاً مجاہدین فی سبیل اللہ جو اسلام کے لشکر میں موجود ہیں۔

۳۔ اور وہ خاص خاص لوگ جو جہاد و قتال کے طریقے بتلاتے ہیں اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اور ان کے مثل۔

۴۔ وہ لوگ جو حاجت مند اور ضرورت مند ہیں۔

جس وقت ان چار قسم کے لوگوں کی جانب سے اطمینان ہو جائیگا تو سمجھ لو اللہ تعالے نے اس مال سے لوگوں کو غنی کر دیا، اس کے بعد کفایت کے مطابق دیا جائے، یا اس کے عمل کے مطابق۔

جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ مال باعتبار آدمی کی منفعت اور بلحاظ اس کی ضرورت و حاجت کے دیا جائے گا اور یہ مال فئی ہو گا جو مسلمانوں کے مصالح کے لئے ہے، صدقہ و زکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ مال ہے، اس میں بھی اسی قدر استحقاق ہے جس قدر اس جیسے مال میں حقداروں کا حق ہے، مثلاً مال غنیمت۔ اور مال میراث، ان کے حقدار بھی متعین و مقرر ہیں۔

امام المسلمین کو کسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ، اپنے نفس کی خاطر یا قرابت کی وجہ سے یا دوستی اور محبت کی وجہ سے غیر مستحق، غیر حقدار کو کچھ دیوے، چہ جائیکہ حرام میں خرچ کرے مثلاً مخنث لڑکوں اور امرد آزاد اور غلاموں کو دیا جائے، طوائف بازاری عورتوں کو یوں، مسخروں کو دیا جائے، یا عرافین کاہنوں، منجموں وغیرہ کو دیا جائے، ہاں تالیف قلوب کے لئے جن کی تالیف ضروری ہے ان کو دینا فرض و واجب ہے، اگرچہ فی نفسہ لینے والا ایسا شخص ہے کہ اس کے لئے یہ مال لینا حرام و ناجائز ہے۔ قرآن مجید میں مؤلفۃ القلوب کے لئے صدقہ زکوٰۃ دینا بھی مباح کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مؤلفۃ القلوب کو فئی کے مال میں سے دیا کرتے تھے، اور ان لوگوں کو بھی دیا جائے، جو اپنے قبیلہ کے جانے ہوئے سردار ہوں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع بن حابس سردار بنی تمیم۔ اور عیینہ بن حصن سردار بنی فزارہ، اور زید الخیر الطائی سردار بنی نبہان، اور علقمہ بن علاثہ سردار بنی کلاب کو دیا تھا، اور جیسا کہ سرداران قریش اور طلقاء وغیرہ کو دیا تھا۔ مثلاً صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل رض، ابوسفیان بن حرب، سہیل بن عمرو رض، حرث بن ہشام رض اور بہت سے لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر ابو سعید خدری رض سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں حضرت علی رض نے یمن سے ایک سونے کا ہار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ اقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن حصن فزاری، علقمہ بن علاثہ العامری، اور بنی کلاب کے آدمی زید الخیر الطائی جو بنی نبہان کا سردار تھا۔

وہ کہتے ہیں اس تقسیم سے قریش اور انصار بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے، آپ صنادید نجد کو دیتے ہیں، اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ ان کی تالیف قلوب منظور ہے، اس وقت ایک آدمی آیا جس کی ڈاڑھی بہت گھنی تھی، رخسارے اٹھے ہوئے آنکھیں چمکدار، اور پیشانی بڑی، اور سر منڈا ہوا تھا اور کہنے لگا

اِتَّقِ اللّٰهَ يَا مُحَمَّدُ۔ اے محمد خدا سے ڈرو!

آپ نے فرمایا

فَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ اِنْ عَصَيْتُهُ أَيَأْمَنُنِيْ أَهْلُ الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُوْنِيْ۔

اگر میں خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر کون اس کی اطاعت کرتا ہے؟ کیا سارے اہل زمین مجھے امین سمجھیں اور تم مجھے امین نہ سمجھو۔

راوی کہتا ہے یہ آدمی اتنا کہہ کر چلتا ہو گیا، اس وقت قوم میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا کہ اسے قتل کر دیوے، صحابہ کہتے ہیں یہ آدمی خالد بن ولیدؓ تھے، غیرت اسلامی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اٹھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اُسے قتل کرنے کی اجازت مانگی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمًا يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَ يَدَعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ ـ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ ـ	اس کی نسل میں سے ایک قوم ہو گی جو قرآن پڑھے گی۔ لیکن انکے حنجرے سے نیچے نہیں اترتا مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے اسلام سے وہ اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل بھاگتا ہے اگر میں انہیں پاؤں گا تو انہیں اسی طرح قتل کرونگا جس طرح قوم عاد قتل ہوئی تھی۔

رافع بن خدیجؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حربؓ، اور صفوان بن امیہؓ، اور عیینہ بن حصن، اور اقرع بن حابسؓ کو سَو سَو اونٹ دیئے، اور عباس بن مرداسؓ کو کچھ کم دیئے تھے، عباس بن مرداس نے یہ اشعار پڑھے۔

اَتَجْعَلُ نَهْبِيْ وَنَهْبَ الْعُبَيْـ ـدِ بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْاَقْرَعِ

کیا آپ میری اور میرے گھوڑے عبید کی لوٹ عیینہ اور اقرع کو دیتے ہیں؟

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ يَفُوْقَانِ مِرْدَاسَ فِي الْمَجْمَعِ

حصن اور حابس اجتماع میں مرداس سے فوقیت نہیں لے جاتے تھے

وَمَا كُنْتُ دُوْنَ امْرِئٍ مِنْهُمَا وَمَنْ يَخْفِضُ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ

ان دونوں میں میں کسی سے کم تھا؟ وہ پلہ جو اٹھایا نہیں جاتا کس نے جھکا دیا؟

یہ سُن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی سَو اونٹ دے دیئے، مسلم کے اندر یہ روایت موجود ہے اور عبید مرداس کے گھوڑے کا نام تھا۔

اور مؤلفۃ القلوب دو قسم کے ہیں، کافر اور مسلمان، کافر کی تالیف یہ ہے کہ اس سے فائدہ کی امیدیں وابستہ کی جائیں، کہ یہ اسلام لے آئیں گے، یا جو نقصان ان سے پہنچتا ہے وہ کم ہو جائیگا کہ دیئے بغیر یہ نقصان دور نہیں ہوتا۔

اور مسلمان مؤلفۃ القلوب وہ ہیں جنہیں دینے سے فائدہ کی امیدیں وابستہ ہوں، مثلاً وہ مسلمان ہیں۔ مال دیا جائیگا تو پختہ اسلام، سچے مسلمان بن جائیں گے، یا ان جیسے لوگ اسلام میں پختہ اور اچھے بن جائیں گے، یا دشمنوں سے مال وصول کرادیں گے۔ دشمنوں کو ڈرا کر ان سے مال نکلوائیں گے۔ یا جن مسلمانوں کو نقصان اور ضرر پہنچ رہا ہے اس سے بچالیں گے۔ کہ دئے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔

اس قسم کے عطیات گو بظاہر رئیسوں، مالداروں کو دئیے جاتے ہیں، اور ضعیف اور کمزور چھوڑ دئے جاتے ہیں جیساکہ بادشاہوں کا دستور ہے، لیکن نیتیں مختلف ہوتی ہیں کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر دینے سے دینی مصلحت، اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود مقصود ہے تو یہ دینا اسی قبیل سے ہوگا جیساکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاءؓ دیا کرتے تھے، اور اگر اس دینے سے مقصد علو فی الارض کبر وغرور اور فساد مقصود ہے تو یہ دینا اسی قبیل سے ہوگا جیساکہ فرعون اپنے لگے بندھے لوگوں کو دیا کرتا تھا۔

ان عطیات کو وہی لوگ برا سمجھتے ہیں جو فاسد دین رکھتے ہیں۔ اور بدنیت ہوتے ہیں جیسے ذی الخویصرہ کہ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عطیئے کو برا سمجھا تاآنکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا، اور بددعا کی۔ اور جیسے کہ اس کے گروہ خوارج نے حضرت امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم بناکر فیصلہ کیا کسی مصلحت کی بنا پر کیا تھا، لیکن خوارج کھڑے ہوگئے۔ بگڑ گئے اور بغاوت شروع کردی، اور حضرت علی رضؓ کا نام تک اس تحکیم و فیصلہ سے مٹا دیا۔ مسلمانوں کی عورتوں، بچوں کو اسیر بناکر لے گئے۔ یہی لوگ تھے جن کے خلاف جہاد و جنگ، قتال اور لڑائی کرنے کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس فاسد اور باطل دین تھا، جس سے نہ ان کی دنیا درست ہوتی تھی نہ آخرت۔

بسا اوقات ورع فاسد اور جبن وبزدلی اور بخل میں اشتباہ ہوجاتا ہے، کیونکہ ترک عمل دونوں میں پایا جاتا ہے، خشیت خداوندی سے فساد کو ترک کرنے اور بوجہ جبن و بزدلی۔ اور بخل کے جہاد مامور میں خرچ نہ کرنے میں اشتباہ ہوجاتا ہے، جیساکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

شَرُّ مَا فِي الْمَرْءِ شُحٌّ هَالِعٌ — آدمی میں بری سے بری بدی بخل اور حرص

وَالْجُبْنُ خَالِعٌ۔ (قال الترمذی حدیث صحیح)   اور جبن و بزدلی ہے۔

اسی طرح بسا اوقات انسان عمل ترک کر دیتا ہے، اور گمان کرتا ہے، یا ظاہر کرتا ہے یہ ورع و تقوی ہے حالانکہ یہ کبر و غرور اور اپنے کو بلند و برتر لے جانے کا قصد ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا جامع کامل مکمل جملہ فرمایا ہے جو ترازو کا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔   اعمال نیتوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔

عمل کے لئے نیت ایسی چیز ہے جیسی جسم کے لئے روح، اگر ایسا نہیں ہے تو ایک شخص اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے، دوسرا شخص سورج اور چاند کے سامنے سجدہ کرتا ہے کیا فرق ہے! دونوں اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں، دونوں کی صورت اور وضع ایک ہی ہے، غور کرو کہ خدا کے سامنے پیشانی ٹیکنے والا تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اقرب الخلق ہے، اور سورج و چاند کے سامنے ٹیکنے والا خدا سے بعید سے بعید ہے، یہ نیت ہی کا تو فرق ہے۔

اور خدا کا فرمان ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (سورۂ بلد ع ۱)   اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور نیز ایک دوسرے کو رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔

اور اثر میں ہے:۔

اَفْضَلُ الْاِیْمَانِ السَّمَاحَۃُ وَالصَّبْرُ۔   بہترین ایمان سماحت اور صبر ہے۔

حقیقت یہ ہے مخلوق خدا کی نگرانی۔ رعایا پروری، ان کی سیاست بغیر جود و سخا کے جس کو عطیات کہتے ہیں اور بلا تجرد و شجاعت۔ بہادری۔ دلیری کے ہو ہی نہیں سکتی بلکہ کہنا چاہئے کہ دین و دنیا کی اصلاح فلاح و بہبود ان دو چیزوں کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، پس جو شخص ان دو چیزوں میں قائم اور مستقیم نہیں ہے اس سے امر و حکومت اور ولایت چھین لینی چاہئے۔ اور دوسرے کو دے دینی چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ   مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں لڑنے کے لئے نکلو تو تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو، کیا آخرت کے مقابلے دنیا کی زندگی پر قناعت کر بیٹھے ہو، اگر یہ بات نہ

الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(توبہ ع ۶)

تو یہ تمہاری سخت غلط فہمی ہے کیونکہ آخرت کے فائدوں کے مقابلے دنیا کی زندگی کے فائدے محض بے حقیقت ہیں، اگر تم بلائے جانے پر بھی راہ خدا میں لڑنے کیلئے نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی دردناک مار دے گا، اور تمہارے بدلے دوسرے لوگوں کو لا موجود کر دیگا، اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اللہ تعالے کا ارشاد ہے:۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝

(سورۂ محمد ع ۴)

تم لوگ سن رکھو کہ خدا کو تم کیا دو گے تم تو ایسے تنگ دل ہو کہ تم کو خدا کے راستے میں اپنے قومی فائدے کیلئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے، اس پر بھی تم میں ایسے بہتیرے ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو بخل کرتا ہے تو حقیقت میں خود اپنے لئے بخل کرتا ہے، ورنہ اللہ تو بے نیاز ہے، تم اس کے محتاج ہو، اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو لا بٹھائے گا اور وہ تم جیسے تنگ دل بھی نہیں ہوں گے۔

اور اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى [1]۔

(حدید ع ۱)

تم مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کئے اور دشمنوں سے لڑے وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے یہ لوگ درجے میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے پیچھے خرچ کئے ہیں اور حسن سلوک کا وعدہ تو اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے۔

---

[1] فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے کا اجر و ثواب اس لئے بہت بڑا تھا کہ اسلام صرف مدینہ طیبہ ہی میں محدود تھا۔ اور مدینہ طیبہ بھی منافقوں اور اسلام کے دشمنوں سے بھرا ہوا تھا (باقی بر صفحہ ۱۴۷)

پس اللہ تعالٰے نے اعظم ترین درجہ کو انفاق و سخاوت، قتال و جنگ، شجاعت و بہادری کے ساتھ معین کر دیا

(بقیہ ص ۱۴۶) مدینہ کی ہجرت سے پیشتر کفار مکہ آپ کے خلاف جیسی جیسی سازشیں کرتے تھے وہ ظاہر ہے۔ مجبوراً طائف کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہاں کچھ کامیابی نصیب ہو، لیکن وہاں کے لوگوں کی سرکشی سے مایوس ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کا بائیکاٹ کیا گیا شعب ابی طالب میں تین سال نظر بند رکھا گیا۔ چند صحابہ کو مجبوراً ہجرت حبشہ کی اجازت دی، تو کفار مکہ کا وفد ان کے خلاف بھیجا گیا۔ کفار مکہ دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے خلاف تدبیریں سوچا کرتے ہیں اور بالآخر سرداران مکہ آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ آپ ہجرت کے لئے مجبور ہوتے ہیں ہجرت کرتے ہیں تو آپ کی گرفتاری کے لئے بڑے بڑے انعامات کے وعدے ہوتے ہیں۔ مکہ میں آپ اور آپ کے رفقاء خدا کی عبادت بھی کھلی طور پر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ باہر تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے ہیں تو آپ کے پیچھے پیچھے کفار کے نمائندے چلے جاتے ہیں اور آپ کے خلاف آوازیں کستے ہیں۔ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے ہیں تو یہود و نصاریٰ اور منافقوں سے آپ کو پالا پڑتا ہے یہ لوگ شب و روز مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ کفار مکہ کو روزانہ یہاں کی خبریں بھیجتے ہیں۔ کفار مکہ دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے خلاف تدبیریں سوچا کرتے ہیں۔ غزوہ بدر، غزوہ احد ان کی تدبیروں کا ادنیٰ سا کرشمہ تھا۔

غرض! اسلام محدود جگہ میں محدود تھا۔ اور مسلمان ہر طرح بے بس تھے، مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کھانے پینے کے سامان سے بھی قاصر تھے، کفار ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ اور طاقتور تھے، کفار سارے ملک میں پھیلے پڑے تھے۔ اور سارا ملک یہ سوچ رہا ہے کہ اسلام کو کس طرح مٹا دیا جائے، فتح مکہ سے پہلے اسلام کا خاتمہ صرف یہی ہے کہ صرف چند مسلمان ہیں ان کو ختم کر دیا جائے، اسلام عام طور پر پھیلا نہیں تھا۔ کہ اگر ایک جگہ کے مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے تو دوسری جگہ باقی ہیں، آج اگر چین میں ختم کر دئے جائیں تو ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ملک کے دوسرے خطوں میں موجود ہیں لیکن فتح سے قبل یہ صورت نہیں تھی، کفار یہ چاہتے تھے اسلام کا خاتمہ کر دیں، اور وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ چند نفر ہیں ان کو مٹانا کیا دشوار ہے؟ لیکن خدا ان کی حمایت کر رہا تھا۔ مسلمان پیغمبر اسلام کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں تھے۔ کفار یہ یقین کئے بیٹھے تھے کہ ان چند مسلمانوں کو مٹا دینا اور اسلام کا خاتمہ کر دینا کیا مشکل ہے اگر آج نہیں تو کل ہم انہیں ختم کر دیں گے لیکن خدا کی امداد و اعانت مسلمانوں کے ساتھ تھی۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (توبہ ع ۵)	اور وہی ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے گو مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

غرض ان حالات میں ایسی بے بسی و بے کسی میں جہاد کرنا جہاد کے لئے خرچ کرنا، جان و مال کی (باقی بر ص ۱۴۸)

اور قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ (توبہ ع ۳)

اور اپنے جان و مال سے اللہ کے رستے میں جہاد کئے۔

اور بخل کو کبیرہ گناہ کہا ہے۔ فرماتا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران ع ۸)

اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم دیا ہے اور وہ اسکے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے کیونکہ جس مال کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت کے دن اسکا طوق بنا کر ان گلے میں پہنایا جائیگا۔

اور فرماتا ہے:-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ ع ۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو روز قیامت کے عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو۔

اسی طرح جبن اور بزدلی کی مذمت فرمائی ہے مثلاً فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ۔ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔

اور جو شخص ایسے موقع پر کافروں کو اپنی پیٹھ دیگا تو سمجھنا وہ خدا کے غضب میں آگیا اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت بری جگہ ہے

(بقیہ ص۱۴۷) کی بازی لگا دینا جس قدر دشوار اور قابل قدر ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے اسی لئے وجہ ہے جو فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والوں، خرچ کرنے والوں کا درجہ بہت بڑا ہے خدائے قدوس ان سربلندوں۔ اور بزرگوں ایمان و یقین اور احسان کے ستونوں کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق دے۔ ان بزرگوں کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آج ہم انہیں کی کوششوں کی وجہ سے اسلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اور قیامت تک دنیا میں اسلام کو قائم کر دیا۔ اور اسلام ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا۔ سربلند رہے گا۔ کوئی اسے مٹا نہیں سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ پھیلتا۔ پھولتا ہی رہے گا، اور انہیں بزرگوں کی کوششوں کی وجہ سے پھلتا پھولتا رہے گا۔

(ابوالعلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (انفال ع ۲)

مگر ہاں لڑائی کے لئے پینترا کاٹتا ہو یا اپنے لوگوں میں جا شامل ہونے کیلئے ٹل جائے تو مضائقہ نہیں۔

اور فرماتا ہے :-

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ٥ (توبہ ع ۷)

اور مسلمانو یہ منافق تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں کے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں کے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بُزدلے لوگ ہیں۔

اور کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بے شمار جگہ اس چیز کا بیان ہے اور یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ روئے زمین کے بسنے والے اس پر متفق ہیں۔ تا آنکہ عام ضرب المثل ہوگئی ہے کہ

لَا طَعْنَةَ وَلَا جَفْنَةَ ۔

نہ نیزہ چلانا جانتا ہے نہ سخی مرد ہے۔

اور کہا کرتے ہیں :-

لَا فَارِسَ الْخَيْلِ وَلَا وَجْهَ الْعَرَبِ ۔

نہ گھوڑے کی سواری جانتا ہے نہ عرب کا وجیہ انسان ہے۔

یہاں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن پر حب دنیا غالب ہے۔ ان کا مقصد صرف زمین خداوندی پہ اپنی برتری، علو اور بڑائی۔ غرور وکبر، فساد وافساد ہے۔ آخرت کا انہیں مطلقاً خیال نہیں ہے۔ اور یہ سمجھ بیٹے ہیں کہ عطیہ اور انعام واکرام کے بغیر ان کی سلطنت باقی نہیں رہ سکتی۔ اور یہ اس کی قدرت نہیں رکھتے اور اس لئے وہ حرام مال وصول کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ غارتگر۔ اور لٹیرے بن جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ولایت و امارت سلطنت وحکومت اسی کو ملتی ہے جو کھاتے کھلاتے دیتے دلاتے رہتے ہیں۔ عفیف پاک دامن لوگ قطعاً محروم رکھے جاتے ہیں، اور اس پر اس کے امراء رؤساء خفا ہوجاتے ہیں۔ بگڑ جاتے ہیں اور اسے معزول کردیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا کے عاجل کو دیکھتے ہیں۔ اور کل آنے والی دنیا کو بھول جاتے ہیں۔ اور آخرت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ ان کی عاقبت اور انجام برا ہوتا ہے، دنیا اور آخرت دونوں خراب ہوجاتے ہیں۔ اگر انہیں توبہ نصیب نہ ہوئی۔ اصلاح آخرت کی توفیق میسر نہ آئی تو خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔

دوسرا فریق وہ ہے جو خوف خدا رکھتا ہے، مخلوق و رعایا پر ظلم کرنا بُرا سمجھتے ہیں حرام مال سے بچنے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ عمدہ سے عمدہ اور اچھا سے اچھا فرض ہے باوجود اس کے وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ سیاست پوری طرح انجام نہیں پاتی جب تک حرام نہ لیا جائے۔ اور حرام نہ کھایا جائے اور اس لئے وہ سیاست ہی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس قسم کے کاموں سے مطلقاً علیحدہ رہتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان میں قدرتی جبن، بزدلی اور مخلوق خدا سے چڑ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس ایسا دین ہوتا ہے کہ واجب کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور یہ ترک بعض محرمات سے زیادہ مضر ہوا کرتا ہے۔ فرض چیز کو چھوڑ دینا۔ راہ خدا میں جہاد کرنے سے رُک جاتا، ترک جہاد کے مترادف ہوا کرتا ہے۔ کبھی یہ لوگ غلط تاویل کر لیتے ہیں، اور تاویل کرکے اچھے اور فرض کام سے رُک جاتے ہیں۔

اور کبھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں اس کام سے انکار واجب ہے۔ اور یہ انکار قتال و جنگ کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اور اس لئے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی قتال و جنگ کر لیتے ہیں جیسا کہ خوارج نے کیا۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن سے نہ دنیا بنتی ہے، اور نہ دین بنتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ان لوگوں سے دین کے بعض گوشے، اور بعض امور دنیا اصلاح پذیر ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ان کی اجتہادی غلطی معاف بھی ہو جاتی ہے۔ ان کا قصور اور خطا بخش دی جاتی ہے۔ اور کبھی ایسے لوگ سب سے زیادہ خسران اور ٹوٹے میں پڑ جاتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہوا کرتے ہیں جن کی سعی و کوشش ضلالت و گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ اور یہ طریقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو نہ تو اپنے لئے کچھ حاصل کرتے ہیں نہ غیر کو کچھ دیتے ہیں۔ صرف فاسق فاجر لوگوں کی تالیف قلوب کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں مولفۃ القلوب کو دینا ایک قسم کا ظلم وجور ہے۔ ان کو دینا حرام ہے۔

تیسرا گروہ امت وسط کا ہے۔ اور یہ دین محمدی اور خلفاء کا ہے جو خواص و عوام اور ساری امت کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ مال خرچ کیا جائے اور رعایا کے فائدہ کے لئے خرچ کیا جائے۔ مال دیا جائے اگرچہ وہ جن کو مال دیا جاتا ہے رؤساء اور مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی ضروریات اور احتیاجات پوری کی جائیں۔ اور حالات کی اصلاح اور اقامت دین و دنیا عفت نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی ضروریات و احتیاجات پوری کرنی چاہیئے۔ بلا استحقاق مال نہ لیا جائے۔ اور تقویٰ اور احسان دونوں کو

جمع کر لیا جائے۔ کیونکہ سیاست شرعیہ ان دو کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ دین و دنیا کی اصلاح ان کے بغیر ناممکن ہے۔ خدا کا فرمان ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ○ (نحل ع ۱۶)

کیونکہ جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں اور جو حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ ان کا ساتھی ہے۔

اور یہ وہی ہے کہ لوگوں کی روٹی کپڑے کا انتظام کیا جائے۔ ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ اور خود حلال و طیب کھائیں۔ اور یہ کہ اوپر کے لوگ خرچ کم کر دیں کیونکہ قدرتی بات ہے کہ اوپر کے بسنے والے سے لوگ لینے کی تمنا زیادہ رکھتے ہیں عفیف سے اتنی تمنا نہیں رکھتے۔ اور جس قدر عفیف سے لوگ اپنی اصلاح کر لیتے ہیں غیر عفیف سے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قدرت و امکان کے ساتھ عفت سے کام لینا یہی تقوی اور دین کی حرمت ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر ابوسفیان بن حرب سے روایت ہے کہ

ملے مثلاً سلاطین اور بادشاہ، وزراء اور ان کے نائب گورنر اور ان کے نائب، اگر آج کل کی نمائش جمہوری حکومت کے صدر جمہوریہ۔ غرض طبقۂ بالا کا پورے ملک پر پوری سلطنت پر اثر پڑا کرتا ہے، اگر اوپر کا طبقہ صالح ہے تو سارا ملک ساری سلطنت صالح ہو جائے گی۔ اور برا ہے تو ساری سلطنت پر اس کا اثر پڑے گا۔
رعایا پروری کا اقتضاء یہ ہے کہ رعیت کی فلاح و بہبود کو سب سے زیادہ پیش نظر رکھا جائے شیخ سعدی رح کا مقولہ ہے۔

گوسپند از برائے چوپان نیست   بلکہ چوپان برائے خدمت اوست

اگر بالائی طبقہ کے لوگ لینگے کھائیں گے تو ماتحتوں سے کفایت شعاری کی امیدیں بیکار ہیں۔ سب لینگے کھائیں گے۔ شیخ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے۔

بہ پنج بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد   زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ!

غرض یہ کہ رعایا پروری کا اقتضا یہ ہے کہ رعیت کا پورا پورا خیال رکھا جائے شیخ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے۔

برعیت ضعیف رحمت کن تا از دشمن قوی زحمت نہ بینی۔   ضعیف کو رعیت پر رحم کرو تاکہ قوی دشمن سے زحمت نہ اٹھاؤ۔

اور سچ تو یہ ہے کہ خدا کا ملک ہے اس پر خدا کا ہی دستور اور حکومت چلنی چاہیے، اسی سے دنیا و عقبیٰ درست ہو سکتی ہے اور نظام کی ذمہ داری دو گروہ پر ہے، امراء اور علماء اگر یہ دو گروہ درست ہیں تو ساری خدائی درست ہو جائیگی اگر یہ ناہموار ہیں تو ساری خدائی ناہموار ہوگی۔

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ   وَأَحْبَارُ سُوءٍ وَرُهْبَانُهَا (ابو العلاء محمد اسمٰعیل)

ہرقل شاہِ روم نے ابوسفیان کو جواب دیتے ہوئے کہا یہ پیغمبر کیا بتلاتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا وہ ہمیں نماز پڑھنے کو کہتے ہیں صدق وعفاف اور صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں۔

اور ایک اثر میں ہے، اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی اتاری کہ اے ابراہیم تمہیں خبر ہے کہ میں نے تم کو اپنا خلیل کیوں بنایا ہے؟ اس لئے بنایا ہے کہ تم کو دینا زیادہ محبوب ہے اور لینا کم محبوب ہے۔

اور ہم عطا اور بخشش دینے کا ذکر کرچکے ہیں کہ سخاوت اور قومی فوائد کو پیش نظر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔ اور صبر وغضب میں دفع مضرت کا خیال رکھنا شجاعت وبہادری ہے اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور غضب وغصہ کے بارے میں لوگ تین قسم کے ہیں، ایک وہ جو اپنے لئے اور پروردگارِ عالم کے لئے غضب وغصہ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو نہ اپنے لئے غضب وغصہ کرتے ہیں نہ پروردگار کے لئے۔ تیسرے وہ جس کو امت وسط کہتے ہیں ان کا غضب وغصہ صرف پروردگارِ عالم کے لئے ہی ہوتا ہے، اور اس لئے وہ غضب وغصہ سے آشنا ہی نہیں ہوتے۔ جیسا کہ صحیحین کے اندر حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے مروی ہے وہ کہتی ہیں۔

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ خَادِمًا لَهٗ وَلَا امْرَأَةً۔ وَلَا دَابَّةً وَلَا شَيْئًا قَطُّ۔ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ فَانْتَقَمَ لِنَفْسِهٖ قَطُّ۔ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللّٰهِ فَاِذَا انْتُهِكَ حُرُمَاتُ اللّٰهِ لَمْ يَقُمْ لِنَفْسِهٖ شَيْءٌ حَتّٰى يَنْتَقِمَ لِلّٰهِ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی اپنے خادم کو مارا۔ نہ عورت کو۔ نہ جانور کو، اور نہ کسی کو۔ مگر جہاد فی سبیل اللہ کے وقت، اور آپ کو نہیں دیکھا گیا کہ اپنے لئے آپ نے انتقام لیا ہو۔ مگر ہاں جبکہ حرمات خداوندی توڑی جائیں۔ جب حرمات خداوندی توڑی جائیں تو آپ کا غصہ کوئی تھام نہیں سکتا تھا۔ تاآنکہ آپ اللہ کا انتقام لے لیتے۔

جس کا غضب وغصہ اپنے لئے۔ اپنی جان کے لئے ہے۔ پروردگارِ عالم کے لئے نہیں یا جو اپنے لئے وصول کرتا ہے۔ پروردگارِ عالم کے لئے نہیں۔ اور دوسروں کو نہیں دیتا۔ تو یہ چوتھی قسم کے لوگ مخلوق میں شریر ترین لوگ ہیں۔ نہ ان سے دین کی اصلاح ممکن ہے نہ دنیا کی۔

صالح اور نیک بندوں کی سیاست کامل تھی، ان کا طریقہ یہ تھا کہ واجبات پر پورا پورا عمل کرتے تھے، محرمات سے قطعاً بچتے تھے، یہ ایسے مقدس لوگ تھے کہ ان کے عطیہ سے دین کی اصلاح ہوتی تھی۔ اور وہی چیز وہ لیتے تھے جو ان کے لئے مباح تھی۔ ان کا غضب و غصہ پروردگار عالم کے لئے ہوتا تھا۔ اور اس وقت ہوتا تھا جبکہ محارم الٰہیہ توڑے جاتے تھے، اور اپنا حصہ، اپنا حق معاف کر دیتے تھے۔

یہ اخلاق نبوی تھے، مال خرچ کرنے میں مال کے لینے میں اور جو کچھ آپ کرتے تھے کامل اور مکمل تھا۔ اور جو شخص ان اخلاق کے قریب ہوگا وہ افضل و برتر ہوگا۔ پس مسلمانوں کا فرض اولین ہے کہ پوری پوری کوشش کریں۔ اور طریق نبوی کے قریب تر ہو جائیں اور کوشش کے بعد اپنے قصور، تقصیر، اور خطا کے لئے بارگاہ خداوندی میں توبہ و استغفار کریں۔ اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو دین دے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے کامل و مکمل ہے۔ اور یہ امور اللہ تعالےٰ کے اس قول میں موجود ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا[1] (نساء ع ۸)	مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔

[1] یہ ہے وہ اسلامی حکومت جسے خدا کی حکومت کہا جاتا ہے۔ اور یہ سروری در دین ما خدمت گریست "اسی کا نام ہے، آج کرۂ زمین پر بڑی بڑی حکومتیں قائم ہیں، لیکن کھوج لگاؤ کہ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ کا وجود بھی ملتا ہے۔ اسلامی سٹیٹوں پر نگاہ ڈالو کہ کہیں بھی لاالنفسہ ولکن لربہ حکومت ہوتی ہے، ساری دنیا ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ساری دنیا پر آج وہی رنگ چڑھا ہوا ہے جو اسلام سے قبل روم و عجم پہ چڑھا ہوا تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ،

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے اندر باب رتفاقات واصلاح الرسوم میں رومیوں اور عجمیوں کا حال لکھا ہے، ہم اس کی تلخیص یہاں پیش کر دیتے ہیں۔ اس پر غور کیجئے۔ اور اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا کی بحث سامنے لے آئیے۔ اور غور کیجئے کہ خدا کیا چاہتا ہے۔ اور دنیا کدھر جا رہی ہے اور دنیا کس قسم کا انقلاب چاہتی ہے، شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں

> رومیوں اور عجمیوں کو جب خلافت ملی اور طویل مدت تک وہ اس منصب پر سرفراز رہے۔ تو لذات دنیا میں گم ہو کر رہ گئے۔ اور شیطان ان پر ایسا مسلط ہو گیا کہ زیادہ سے زیادہ اسباب عیش فراہم کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنی خوش حالی کی نمائش کرنا (باقی بر ص ۱۵۴)

دسویں فصل کے مضامین

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ حدود و حقوق کسی ایک قوم کے لئے خاص نہیں ہیں، حدود میں سفارش حرام و ناجائز ہے۔ رشوت دینے والا رشوت لینے والا اور رشوت دینے دلانے والا دلال سب گنہگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (نساء ع ۸) اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

لوگوں کو حکم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حدود و حقوق میں حکم کیا جائے، یہ حدود و حقوق دو قسم کے

(بقیہ ص ۱۵۳) ان کی زندگی کا مقصد قرار پا گیا عقل و حکمت کا استعمال بھی ان کے یہاں بس یہی تھا کہ معاشی انتفاع کے دقیق سے دقیق وسائل تلاش کئے جائیں، اور پھر ان سے لطف اندوزی کے عجیب عجیب طریقے نکالے جائیں، ان کے رؤسا اپنی شان ریاست کے اظہار میں جس طرح دولت صرف کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جس شخص کا شمار رئیسوں میں ہوتا اس کے لئے دو لاکھ درہم سے کم قیمت کا تاج پہننا عار کی بات تھی، اس کے لئے ضروری تھا کہ ایک عالی شان محل میں رہے، جس کے ساتھ آبزن، حمام اور باغ بھی ہوں۔ غلاموں کی ایک فوج اس کی خدمت میں ہو، قیمتی گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد اس کے اصطبل میں ہو۔ اس کا دستر خوان نہایت وسیع ہو۔ اور بہتر سے بہتر کھانے اس کے مطبخ میں ہر وقت تیار رہیں۔ غرض یہ کہ یہی چیزیں ان کے اصول معاش میں گھس گئیں اور ایسی جم گئیں کہ دلوں سے ان کا نکلنا محال ہو گیا۔ یہ ایک بیماری تھی جو ان کے تمدن کی رگ رگ میں اتر گئی۔ اس کے اثرات بازاروں اور گھروں تک میں پھیل گئے۔ مزدور و دہقان تک ان سے نہ بچ سکے۔ اس نے چند محلوں میں عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے کے لئے ملکوں اور اقلیموں کی بے شمار مخلوق کو مصائب میں مبتلا کر دیا۔ اس لئے کہ یہ سامان جمع نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ ان کے لئے پانی کی طرح روپیہ نہ بہایا جائے اور اتنی کثیر دولت فراہم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ تاجروں اور کاشتکاروں اور دوسرے محنت پیشہ طبقوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جائیں (باقی بر ص ۱۵۵)

ہیں۔ حدود و حقوق کی ایک قسم وہ ہے جو کسی ایک خاص قوم کے لئے معیّن اور خاص نہیں ہے۔ بلکہ اس کی منفعت مطلقاً مسلمانوں کے لئے ہے، مثلاً قطاع الطریق ڈاکو۔ راہزن۔ چور۔ زانی وغیرہ

(بقیہ صفحہ ۱۵۴) پھر اگر ٹیکسوں کی زیادتی سے تنگ آکر یہ غریب طبقے روپیہ دینے سے انکار کریں تو ان کو فوجوں سے پامال کرایا جائے، اور اگر طاقت سے ڈر کر وہ اطاعت میں سر جھکا دیں تو ان کو گدھوں اور بیلوں کی طرح محنت میں جوت دیا جائے کہ وہ دن رات رئیسوں کے لئے دولت پیدا کریں اور ان کو دم لینے کی بھی فرصت نہ ملے۔ کہ خود اپنی سعادت دنیا اور آخرت کے لئے بھی کچھ کر سکیں، اس کا نتیجہ تھا کہ لاکھوں کروڑوں کی آبادی میں مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جس کی نگاہ میں دین و اخلاق کی کوئی اہمیت ہو، وہ بڑے بڑے کام جن پر نظام عالم کی بناء قائم ہے، اور جن پر انسانی فلاح و ترقی کا مدار ہے قریب قریب معطل ہو گئے تھے۔ لوگ زیادہ تر یا تو ان صنعتوں میں لگ جاتے تھے جو رؤساء کے لئے لوازم عیش پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ یا پھر ان فنون اور ان پیشوں کو اختیار کرتے تھے جن سے رئیسوں کو عموماً دلچسپی ہوا کرتی ہے، اس لئے کہ ان کے بغیر کوئی شخص رؤساء کے ہاں درخور حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور رؤساء کے ہاں درخور حاصل کرنے کے لئے سوا خوشحالی کے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ایک اچھی خاصی جماعت شاعروں۔ مسخروں۔ نقالوں۔ کویوں۔ مصاحبوں۔ شکاریوں اور اسی طرح کے لوگوں کی پیدا ہو گئی تھی جو درباروں سے وابستہ رہتی تھی، اور ان کے ساتھ اگر اہل دین تھے بھی تو وہ حقیقت میں دیندار نہ تھے۔ بلکہ کسب معاش کے لئے دین کا پیشہ کرتے تھے۔ تاکہ اپنے زہد کی نمائش سے یا ضعیدوں سے یا اپنے مکر و فریب سے کچھ کما کھائیں۔ اس طرح یہ مرض ان ممالک میں انسانی جماعت کو اوپر سے نیچے تک گھن کی طرح کھا گیا تھا۔ اس نے پوری پوری قوموں کے اخلاق گرا دئے تھے۔ اور ان کے اندر ذلیل خصلتیں پیوست کر دی تھیں۔ اس کی بدولت ان کی سرزمین میں اتنی صلاحیت ہی رہی تھی کہ خدا پرستی اور مکارم اخلاق کا بیج اس کے اندر جڑ پکڑ سکے۔

جب روم و عجم کے ممالک پر یہ مصیبت حد سے زیادہ بڑھ گئی اور حد سے متجاوز ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا۔ اور اس نے اس مرض کا علاج کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ کہ مرض کی جڑ کاٹ ڈالی جائے چنانچہ ایک نبی امی کو مبعوث فرمایا جو رومیوں اور عجمیوں سے کُھلا ملا نہ تھا۔ اور جس تک ان کی عادات اطوار خصائل کا کوئی اثر نہ پہنچا تھا۔ اس کو صحیح اور غلط۔ صالح اور فاسد میں امتیاز کرنے والی میزان بنا دیا۔ اس کی زبان سے عجمی اور رومی عادات قبیحہ کی مذمت کرائی۔ حیات دنیا میں استغراق اور لذات دنیوی میں انہماک کو مردود ٹھہرایا۔ عجمی عیش پرستی کے ارکان میں سے (باقی برصفحہ ۱۵۶)

پر حد جاری کرنا۔ اور مثلاً اموال سلطانی، اموال اوقاف اور وصایا کہ یہ کسی ایک قوم کے لئے متعین اور مخصوص نہیں ہیں۔ اور یہ چیزیں حکومت۔ ولی الامر اور حاکم کے لئے خاص توجہ کے محتاج ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اسی لئے فرمایا تھا:۔

لَابُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ إِمَارَةٍ بَرَّةٌ كَانَتْ أَوْ فَاجِرَةٌ۔ لوگوں کے لئے امارت قائم کرنا ضروری ہے نیک ہو یا بری۔

(بقیہ ص۱۵۵) ایک ایک کو چن چن کر حرام کیا۔ مثلاً سونے اور چاندی کے برتن، سونے اور جواہر کے زیور، ریشمی کپڑے، تصاویر اور مجسمے وغیرہ ذالک۔ غرض یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سرداری سے روم و عجم کی سرداری کا استیصال کردیا۔ اور اعلان کرادیا کہ۔ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ۔ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ۔ (انتہیٰ ملخصاً از باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم)

غرض! بعثت نبوی کے وقت جو حال روم و عجم کا تھا کہ معمورۂ دنیا پر چھائے ہوئے تھے، ساری دنیا انہی دو سلطنتوں کی غلامی کے جوئے میں جتی ہوئی تھی۔ آج دنیا امریکہ اور روس کی غلامی کے جوئے میں جتی ہوئی ہے، کہنے کو آزاد ہیں لیکن حقیقت میں غلام ہیں۔ انہی کی سیاست غیر صالحہ کو سیاست سمجھتی ہے انہی کے غیر صالح تمدن و تہذیب میں ڈھلتی ہے انہی کے غیر صالح تمدن و تہذیب میں آرائش و نمائش کی جاتی ہے، انہی کے سفرطانہ عیاش پرستی، عیش کوشی کو زندگی کا ڈھانچہ سمجھتی ہے، انہی کے اخلاق و کردار کی غلامی میں زندگی گذارتی ہے، اور آج انہی کی سائنس نے دنیا کو عذاب الیم میں مبتلا کر رکھا ہے

اگر دنیا آج اپنے لئے امن چاہتی ہے، روٹی چاہتی ہے، امن و سکون کی زندگی گذارنا چاہتی ہے۔ دنیا اور آخرت بسانا چاہتی ہے۔ دنیا میں امن و چین سے رہ کر خدا کو یاد کرنا چاہتی ہے، دنیا اور آخرت دونوں بنانا چاہتی ہے، تو اسلام کے دستور کو اپنائے، کہ یہ آسمانی دستور ہے، قرآنی دستور العمل ہے، ملک خدا کا ہے تو حکومت بھی خدا کی ہونی چاہئے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ قواعد و ضوابط بھی خدا کے ہی نافذ ہونے چاہئیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رض نے انہی قواعد و ضوابط کی طاقت سے ایسا انقلاب پیدا کردیا کہ دنیا کا رنگ تبدیل کردیا۔ روم و عجم کا تختہ الٹ دیا اور دنیا پر خدا کی حکومت قائم کردی۔ نصف صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ قرآنی حکومت دنیا پر قائم کردی۔ اور دنیا کے لئے رحمت و رافت امن و چین رحمت و سکون کی حکومت کھڑی کردی۔ اور أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا کی سمٹ گیر طاقت ساری دنیا پر چھا گئی۔ کاش مسلمان جاگیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رض کی پیروی کریں۔ تو پھر یہ دنیا۔ دنیا والوں کے لئے جنت بن جائے۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا ۝

(ابو العلاء محمد اسمٰعیل گوجروی کان اللہ لہٗ)

لوگوں نے کہا۔ امیرالمومنین نیک تو ٹھیک ہے۔ بُرا امیر کیوں مقرر کیا جائے ؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا۔

يُقَامُ بِهَا الْحُدُوْدُ - وَتَأْمَنُ بِهَا السُّبُلُ وَيُجَاهَدُ بِهَا الْعَدُوُّ وَيُقْسَمُ بِهَا الْفَيْئُ ۔

اس امارت سے حدود کا اجراء ہوتا ہے راستوں میں امن ملتا ہے، دشمنوں سے اسکے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے اور اسکے ذریعہ مال فئی تقسیم ہوا کرتا ہے

یہ وہ قسم ہے کہ والیان ملک، امراء ولایت پر اس سے بحث کرنا، اس پر غور کرنا فرض ہے اور بلا کسی دعویدار کے دعوے اور مطالبہ کے یہ حدود قائم کرنی چاہیئں۔ اور یہی حکم شہادت کا ہے بغیر کسی کے دعوے کے لینی چاہیئے۔ اگرچہ فقہاء نے چور کے ہاتھ کاٹنے میں اختلاف کیا ہے۔ کہ جو مال چوری ہو گیا کیا اس کے مطالبہ کی ضرورت ہے کہ جس کا مال چوری ہوا ہے وہ اپنا مال طلب کرے تو چور پر حد جاری ہو گی ورنہ نہیں۔ اور امام احمدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ مطالبہ کے بغیر حد جاری نہیں کی جائے گی لیکن تمام اس پر متفق ہیں کہ جس کی چوری ہوئی ہے حد جاری کرنے کے لئے اس کے مطالبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض علماء مال کے مطالبہ کی شرط لگاتے ہیں تا کہ چور کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔

یہ جرائم کی وہ قسم ہے کہ جس میں حدود جاری کرنا واجب ہے، شریف ہو یا کمین، جتھے والا ہو یا بغیر جتھے والا۔ قوی ہو یا ضعیف سب پر حد جاری کرنا فرض ہے۔ کسی کی شفاعت وسفارش سے یا ہدیہ اور تحفہ لے کر یا کسی دوسری وجہ سے حد کو معطل کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اور جو شخص قدرت رکھتے ہوئے اس حد کو معطل اور ساقط کرے گا اس پر اللہ اور اس کے رسول، اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی، اس میں کسی کی سفارش مقبول نہیں ہوگی۔ اور سفارش کرنے والا اس قبیل سے ہوگا۔ مَنِ اشْتَرٰى بِاٰيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ (اللہ کی آیتوں کو تھوڑے داموں بیچتا ہے)

اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ۔ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِيْ اَمْرِهٖ وَمَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَهُوَ

جس کی شفاعت وسفارش حدود اللہ میں سے کسی حد کے آڑے آئی تو وہ خدا کا مقابلہ کرتا ہے اور جو شخص باطل پر جھگڑتا ہے اور وہ جانتا ہے

يَعْلَمُ۔ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِيْ مُسْلِمٍ مَا لَيْسَ فِيْهِ حُبِسَ فِيْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رَدْغَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ۔

(رواہ ابوداؤد)

کہ باطل ہے تو وہ خدا کی خفگی میں رہے گا۔ تا آنکہ وہ اس جھگڑے کو چھوڑ دیوے، اور جس نے کسی مسلمان کے خلاف ایسی بات کہی جو اس .... میں نہیں ہے تو ایسے لوگ ردغۃ الخبال میں مقید ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ردغۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا اہل دوزخ کا نچوڑا ہوا خون اور پیپ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکام اور گواہوں۔ اور جھگڑنے والوں کا ذکر اسی لئے فرمایا ہے کہ یہی لوگ حکم کے اصل ارکان ہیں اور فیصلہ انہی کی منصفی پر ہوتا ہے۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، اور سفارش وشفاعت کے بارے میں مہتم بالشان واقعہ اس عورت کا ہے، جو بنی مخزوم میں سے تھی۔ جس نے چوری کی تھی، کچھ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، گفتگو کرنا چاہی تو لوگوں نے کہا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کون کریگا؟ گفتگو کی جرأت وہمت سوائے اسامہ بن زیدؓ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ نے یہ بات حضور نبویؐ میں پیش کی آپ نے فرمایا:۔

أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ؟ إِنَّمَا هَلَكَ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ۔ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

کیا حدود الٰہی میں شفاعت وسفارش کرتے ہو؟ بنی اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ جب کوئی ضعیف کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔

یہ واقعہ بڑا عبرت انگیز، نصیحت خیز ہے۔ کیونکہ قریش میں اشرف ترین خاندان دو بطن دو خاندان ہی تھے، بنو مخزوم اور بنو عبد مناف۔ جب اس پر ہاتھ کا کٹنا واجب ٹھہرا۔ اور ایسی چیز کے عوض کہ بعض علماء کے نزدیک عاریت لی گئی تھی۔ اور بعض کے نزدیک خاص چوری کی گئی تھی۔

تو بدرجہ ء رسد۔ یہ قبیلہ سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ سب سے زیادہ شریف۔ اور خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور دوست حضرت اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی تھی، ان پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خفا ہوئے۔ اس شفاعت و سفارش سے سخت برہم ہوئے اور کہا۔ تم ایک حرام و نا جائز بات لے کر آئے ہو۔ یہ حدود خداوندی کے بارے میں سفارش ہے۔ اور پھر آپ نے مثال میں سیدۃ النسا رب العالمین کی مثال پیش کی، کہ اگر یہ بھی چوری کرتیں تو میں اسکا ہاتھ کٹوا دیتا۔

روایت کی گئی ہے جس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ اس نے توبہ کی تھی۔ اور ہاتھ کٹنے کے بعد یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی حاجت ہوتی پوری فرما دیا کرتے تھے۔

اور روایت کی گئی ہے:۔

اِنَّ السَّارِقَ اِذَا تَابَ سَبَقَتْهُ يَدُهٗ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنْ لَّمْ يَتُبْ سَبَقَتْهُ يَدُهٗ اِلَى النَّارِ۔	چور جب توبہ کر لیگا تو وہی ہاتھ جو کاٹا گیا ہے جنت میں داخل ہونے میں سبقت کریگا۔ اور اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کا یہی ہاتھ دوزخ کی طرف سبقت کرے گا۔

اور امام مالکؒ نے اپنی مؤطا کے اندر روایت کی ہے۔ ایک جماعت نے ایک چور کو پکڑ لیا تا کہ اسے حضرت عثمانؓ تک پہونچائیں، راستہ میں حضرت زبیرؓ ملے، ان لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت عثمانؓ سے آپ اس کی شفاعت و سفارش کر دیں۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا "جب حدود کا معاملہ سلطان تک پہنچ جائے تو اللہ تعالےٰ سفارش کرنے والے پر اور جس کے لئے سفارش کی جائے اس پر لعنت بھیجتا ہے"۔

حضرت صفوان بن امیہؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں سوئے ہوئے تھے۔ ایک چور آیا اور ان کی چادر لے کر چلتا بنا۔ حضرت صفوانؓ نے اسے پکڑ لیا۔ اور خدمت نبوی میں اسے پیش کیا۔ آپ نے مقدمہ سن کر چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوانؓ نے کہا کیا میری چادر میں اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا؟ میں اسے بخش دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔

فَهَلَّا قَبْلَ اَنْ تَاْتِيَنِىْ بِهٖ عَفَوْتَ عَنْهُ۔ ثُمَّ قَطَعَ يَدَهٗ۔ (رواہ اہل السنن)	کیوں میرے پاس لانے سے پہلے اسے معاف نہیں کر دیا؟ اسکے بعد آپنے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔

جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اگر میرے پاس لانے سے پہلے تم معاف کر دیتے تو ایسا ہو سکتا تھا۔ جب میرے پاس لے آئے تو اب تعطیل حد کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ نہ معاف کرنے سے ممکن ہے، نہ سفارش سے نہ بخشش سے۔ میرے علم کے مطابق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ راہزن۔ ڈاکو۔ لٹیرے اور چور وغیرہ جب ولی الامر کے سامنے پیش کر دئے جائیں اور پھر ڈاکو۔ چور توبہ کرے تو حد ساقط نہیں ہوگی۔ بلکہ حد قائم رکھنا اور جاری کرنا واجب ولازم ہے۔ اگر ان لوگوں نے توبہ کی، اپنی توبہ میں سچے تھے۔ تو یہ حد ان کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ اور توبہ میں استقامت ان کی توبہ کو استوار اور مضبوط کر دے گی۔ اور یہ چیز حقدار کے حقوق پورا پورا قصاص وبدلہ۔ اور بدلہ کی قدرت پانے کے برابر ہے۔

اور خدا کے اس قول میں اس کی اصل موجود ہے:۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ (نساء ع ۱۱)

اور جو شخص نیک بات کی سفارش کرے اس نیک کام کے اجر میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے اس کے بال میں وہ بھی شریک ہوگا۔ اور اللہ تعالے ہر چیز پر ضابطہ ہے۔

کیونکہ شفاعت کے معنی ہی طلب اعانت کے ہیں۔ شفیع اور شفع دو کو کہتے ہیں، اس کے مقابلہ میں وتر آتا ہے۔ تو شفیع اس وتر کے ساتھ ہو گیا تو گویا ایک تھا دو ہو گئے، پس اگر نیکی اور تقوی کی اعانت کروگے تو یہ شفاعت حسنہ ہوگی۔ اگر اثم۔ گناہ اور عدوان کی شفاعت کروگے تو یہ شفاعت سیئہ ہوگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نیکی اور تقوی ہی شفاعت اور سفارش کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور اثم وگناہ کی شفاعت وسفارش سے تمہیں روکا گیا ہے۔

پس اگر وہ اپنے عمل میں کاذب اور جھوٹے ہیں تو اللہ تعالے ان کے فریب دل کو پھولنے پھلنے نہیں دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝ (سورۂ یوسف ع ۷)

اور یہ کہ خیانت کرنے والوں کی تدبیر دل کو اللہ چلنے نہیں دیتا۔

اور اللہ تعالے کا ارشاد ہے:۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ‎﴿﴾‏ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ‎﴿﴾‏

(مائدہ ع ۵)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیے جائیں یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیے جائیں، یا ان کو دیس نکالا دیا جائے، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے، مگر جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں تو جانے رہو کہ اللہ معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالے نے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جو قدرت پانے سے پہلے تائب ہو گئے ہیں۔ ولی الامر، حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے توبہ کر چکا ہو۔ وہی مستثنیٰ ہے فقط۔ جو قدرت کے بعد، اور حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس پر حد کا اجراء واجب اور ضروری ہے۔ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ آیت کا عموم اور اس کا مفہوم اور علت جو خدا نے بیان کی ہے، اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ بینہ اور گواہ سے جرم ثابت ہو اور یا جب خود مجرم اپنے جرم کا اقرار کر لیوے۔ اور وہ اگر خود جرم و گناہ کا اقرار کر لیوے اور توبہ بھی کر لی ہے تو اس میں نزاع اور اختلاف ہے جو دوسرے مقام پر مذکور ہے۔ امام احمد بن حنبل کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں حد جاری نہیں ہوگی۔ ہاں خود بخود حد کا طالب ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور اگر وہ چلا گیا، اور حد جاری کرانا نہیں چاہتا تو حد اس پر جاری نہیں کی جائے گی۔ اور حضرت ماعز بن مالک کی حدیث اسی پر محمول ہے، جس وقت صحابہ نے رجم کے وقت کی ان کی کیفیت بیان کی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ۔ — کیوں ان کو تم نے چھوڑ نہیں دیا؟

اس کے علاوہ دیگر احادیث و آثار پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قدرت پانے سے پہلے حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے توبہ کر چکا ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

سنن ابی داؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب
(ابوداؤد۔ نسائی)

حدود آپس میں ایک دوسرے کو معاف کردیا کرو کیونکہ جب میرے سامنے معاملہ پیش کردیا جائیگا تو حد کا جاری کرنا واجب ہوجائے گا۔

سنن نسائی اور ابن ماجہ کے اندر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حد یعمل بہ فی الارض خیر لاھل الارض من ان یمطروا اربعین صباحا

زمین پر حد جاری کرنا چالیس دن بارش برسنے سے زمین والوں کے لئے بہتر ہے

اور یہ اس لئے کہ معاصی کمی رزق اور دشمن سے خوف کا سبب ہیں جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جب حدود کا اجراء و قیام ہوگا۔ اور طاعت الٰہی غالب اور ظاہر ہوجائے گی۔ تو معاصی قدرتی طور پر کم ہوجائے گی۔ اور جب معاصی اور گناہ کم ہوجائیں گے تو رزق بھی خوب ملے گا۔ اور ہماری نصرت و امداد بھی نصیب ہوگی۔

زانی، چور، شرابی، قاطع طریق، راہزن وغیرہ سے مال لے کر حد کو معطل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ نہ بیت المال میں لینا جائز ہے۔ نہ کسی اور کے لئے لینا جائز ہے۔ اور جو مال بھی تعطیل حد اور حد ساقط کرنے کے لئے لیا جائے گا سُحت اور حرام ہوگا۔ اگر ولی الامر حاکم نے ایسا کیا تو اس نے دو خرابیاں جمع کرلیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے حد ساقط کردی اور حرام مال لیا۔ دوسری یہ کہ اس نے واجب ترک کیا اور حرام چیز کا مرتکب ہوا۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون
(مائدہ ع ۹)

ان کو ان کے مربی یعنی مشائخ اور علماء جھوٹ بولنے اور مال حرام کے کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے۔ البتہ بہت ہی بری ہے جو یہ ان کے مشائخ اور علماء کررہے ہیں۔

اور اللہ تعالے یہودی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط (مائدہ ع ۶) یہ لوگ جھوٹی باتوں کی کنسوئیاں لیتے پھرتے ہیں اور مال حرام ڈکوستے چلے جا رہے ہیں۔

کیونکہ یہود سحت حرام اور خبیث مال لیا کرتے تھے، رشوت کھاتے تھے جس کا نام انھوں نے برطل رکھا تھا۔ اور جسے ہدیہ وغیرہ کہا کرتے تھے۔

جب ولی الامر۔ حاکم حرام مال لے گا تو ضرور وہ جھوٹی گواہی وغیرہ بھی لے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ وَالرَّائِشُ الَّذِیْ بَیْنَهُمَا۔ (رواہ اہل السنن) رشوت لینے والا، رشوت دینے والا، اور جو دونوں کے درمیان ذریعہ ہے سب برابر کے گنہگار ہیں۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر ہے دو آدمیوں نے اپنا مخاصمہ حضور نبوی میں پیش کیا ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ سے فرما دیجئے۔ دوسرا آدمی ذرا ہوشیار تھا اس نے بھی کہا ہاں یا رسول اللہ کتاب اللہ سے ہمارا فیصلہ فرما دیجئے۔ اور مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا کہو۔ وہ بولا میرا لڑکا اس کے گھر پر اجرت سے کام کیا کرتا تھا۔ اس نے اس کی عورت کے ساتھ زنا ہو گیا ہے۔ اور اس کی جانب سے میں نے سو بکریاں اور لونڈی فدیہ میں دے دی ہیں۔ اور ایک غلام بھی آزاد کر دیا ہے میں نے علماء سے مسئلہ پوچھ کر لیا کیا ہے آپ نے جواب دیا تمہارے لڑکے کے لئے سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے اور اس کی عورت کے لئے رجم کی حد جاری ہوگی۔ آپ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ۔ اَلْمِائَةُ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَیْكَ وَعَلٰی ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِیْبُ عَامٍ۔ وَاغْدُ یَا اُنَیْسُ عَلٰی امْرَاَةِ هٰذَا فَاسْئَلْهَا۔ فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَسَئَلَهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں کتاب اللہ سے تمہارا فیصلہ کروں گا۔ بکریاں اور خادم، واپس لے لو۔ تمہارے لڑکے کو سو کوڑے لگیں گے۔ اور ایک سال جلا وطن ہوگا۔ اے انیس تم صبح ہوتے ہی اس عورت کے پاس جاؤ اور پوچھو، اگر وہ گناہ کا اعتراف کرے تو تم اسے رجم کر دو۔ جب پوچھا گیا تو اس نے زنا کا اعتراف کر لیا۔ تو اسے رجم کر دیا گیا۔

غور کیجئے کہ مسلمانوں کو۔ مجاہدین اسلام کو، فقراء و مساکین کو مال مل رہا تھا آپ نے قبول

نہیں فرمایا۔ حد ساقط نہیں فرمائی۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تعطیل حد۔ یعنی حد ساقط کرنے کے لئے مال وغیرہ لینا جائز نہیں ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ زانی۔ چور۔ شراب خوار۔ محارب اور قطاع الطریق۔ راہ زن۔ وغیرہ سے حد ساقط کرنے کے لئے جو مال لیا جائے وہ حرام اور خبیث ہے۔ اور عام طور پر بے شمار لوگوں کے امور فاسد اور خراب ہی ہوا کرتے ہیں۔ مال اور جاہ کے ذریعہ حدود ساقط کرا دیتے ہیں۔ اور دیہات۔ قریے۔ شہر۔ دیہاتی اعراب۔ ترکمان۔ کرد۔ فلاحین اور اہل ہوا و نفس۔ مثلاً قیس و یمن اور شہر کے رؤسار۔ امرار۔ بڑے بڑے اعیان فقرار و غرباران کے سردار اور مقدم، عوام اور لشکروں کی خرابی کا موجب ہوتے ہیں۔ اور یہی چیز ولی الامر۔ حاکم کی عزت و حرمت بھی ختم کر دیتی ہے۔ دونوں سے اس کی عزت و حرمت محو ہو جاتی ہے۔ اور ولی الامر اور حاکم کی حکومت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جبکہ وہ رشوت لیتا ہے، اور رشوت لے کر حد ساقط کر دیتا ہے۔ جب ایک کی حد ساقط کر دی تو دوسروں پر حد جاری کرانا اس کے لئے دشوار ہو جاتا ہے، حد جاری کرنے میں اس کا دل اس کا ضمیر بالکل کمزور ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ ملعون یہودیوں کے قبیل سے ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک اثر کے اندر ہے۔

إِذَا دَخَلَتِ الرِّشْوَةُ مِنَ الْبَابِ خَرَجَتِ الْأَمَانَةُ مِنْ كُوَّةٍ۔

جب رشوت ایک دروازے سے داخل ہوتی ہے تو دوسرے راستے سے امانت چلی جاتی ہے۔

یہی حال اس مال کا ہے جو دولت و سلطنت باقی رکھنے کے لئے لیتے ہیں جس کا نام ان لوگوں نے تادیبات رکھا ہے۔ یہ مال قطعاً حرام ہے، تم ان اعراب بدوؤں گنوار مفسدوں کو دیکھو جب یہ اپنے لئے یا کچھ لوگوں کے لئے کچھ کر لیتے ہیں تو ولی الامر۔ حاکم کے یہاں کس شان سے پہنچتے ہیں۔ اور گھوڑے پیش کرتے ہیں۔ اس پیش کش کے بعد طمع لالچ اور فساد کا جذبہ کس قدر بڑھ جاتا ہے۔ ولایت و سلطنت اور حکومت کی حرمت و عزت کس طرح توڑ دیتے ہیں۔ اور رعایا کیسی خراب ہو جاتی ہے۔ یہی حال فلاحین کسانوں کا ہے۔ اسی طرح شراب نوش لوگوں کا ہے۔ جب کوئی شرابی پکڑا جاتا ہے اور کچھ مال پیسہ رشوت میں دے دیتا ہے تو وہ کیسی اور کس قسم کی امید قائم کر لیتا ہے ہر شرابی کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جب ہم پکڑے جائینگے کچھ دے دلا کر چھوٹ جائینگے پس جو مال ولی الامر (حاکم) لیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور فساد بدستور قائم اور موجود رہتا ہے اسی طرح جب کوئی بڑا آدمی عیب عزت جاہ

کسی کی حمایت کرتا ہے۔ اور اس کو حد جاری کرنے سے بچا لیتا ہے۔ مثلاً بعض فلاحین و کسان کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے بعد نائب سلطان یا امیر کے پاس پہنچتے ہیں، اور اللہ اور رسول کے مقابلہ میں وہ مجرم کی حمایت و سفارش کرتے ہیں اور مجرم کو چھڑا لے جاتے ہیں یہ وہی سفارش و حمایت ہے جس پہ اللہ اور اس کے رسول نے لعنت بھیجی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کے اندر حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوٰى مُحْدِثًا۔ فَكُلُّ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا مِنْ هٰؤُلَاءِ الْمُحْدِثِيْنَ فَقَدْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

جس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی یا جو شخص گنہگار کو پناہ دے تو جو مجرم کو پناہ دے گا تو اللہ اور رسول کی اس پر لعنت ہوگی۔

اور یہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما ہی چکے ہیں:۔

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِيْ حُكْمِهٖ

جس کی شفاعت و سفارش حدود جاری کرنے میں آڑے آئی تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خدا کا مقابلہ کرتا ہے۔

پس بتائیے کہ جن کے ہاتھ میں حدود کے اجراء و قیام کے اختیارات ہیں وہ ان مجرموں گنہگاروں سے معاوضہ لے کر چھوڑ دیں، اور ان کا جرم معاف کر دیں کتنا بڑا فساد ہوگا؟ اور بڑا سے بڑا فساد تو یہ ہے کہ وہ معتدین، ظالموں کی حمایت کر رہا ہے۔ کسی کے جاہ و مرتبہ اور اثر و رسوخ کی وجہ سے حمایت کی جائے۔ یا مال اور رشوت لے کر دونوں برابر ہیں۔ اور پھر یہ کہ جو مال ان سے لیا جاتا ہے، بیت المال کا مال ہوتا ہے، یا والی کا۔ اور والی حاکم مخفی طور پہ کبھی لیتا ہے اور کبھی علانیہ۔ اور ظاہر ہے کہ سب کا سب حرام مال ہے، اور اسکی حرمت پر سارے مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور مثلاً خمر و شراب کی دوکانوں کی ضمانت وغیرہ کہ جو شخص بھی اس کی قدرت رکھتا ہے، اور اس کو جگہ دیتا ہے۔ یا دلواتا ہے۔ یا اس کی کسی قسم کی امداد و اعانت کرتا ہے، یا مال اور رشوت لے کر اسے اجازت دیتا ہے، سب کے سب مجرم ہیں۔ اور سب کے سب ایک ہی جنس کے لوگ ہوں گے۔ اور یہ مہر بغی زنا کی اجرت و معاوضہ کے برابر ہیں، کاہن اور کتے کی قیمت، اور حرام معاملہ کرانے والے

قواد اور دلال کے مشابہ ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ۔ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَحُلْوَانُ الْكَاهِنِ خَبِيثٌ۔ (رواہ البخاری)

کتے کی قیمت خبیث و ناپاک ہے۔ زنا کا معاوضہ لینا خبیث و ناپاک ہے اور اجرت کاہن خبیث و ناپاک ہے

زنا کی اجرت و معاوضہ۔ قحبہ عورتوں کی اجرت و معاوضہ لینا قطعاً حرام ہے۔ اور یہی حکم ہے مخنث لڑکوں کا ہیجڑوں کا خواہ حر ہوں یا غلام اور ان کے ساتھ فجور کرنے والوں کا اور کاہن کا اور نجومیوں کا۔ ان حرام کاموں کے عوض مال لینا قطعاً حرام ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو ولی الامر حاکم منکرات وجرائم کو روکے گا نہیں۔ اور حدود کا اجرا نہیں کرے گا۔ اور مال لے کر چھوڑ دیگا۔ اس کا حال حرامیوں چوروں کے سردار کا سا ہوگا۔ اور یہ بمنزلہ فحش کام کرنے والوں کے دلال کے ہیں جو دو زانیوں کو باہم ملا دیا کرتا ہے۔ دلال سے مال لیا کرتا ہے اس کا حال وہی ہوگا جو لوط علیہ السلام کی بڑھیا عورت کا ہوگا۔ یہ فاسق بدکاروں کو حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دیتی تھی جس کی شان میں اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ (اعراف ع ۱۰)

پس ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے نجات دی مگر ایک ان کی بی بی کہ پیچھے رہ جانے والوں میں وہ بھی رہی۔

اور فرماتا ہے:

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ (ہود ع ۷)

تو تم اپنے اہل وعیال کو لیکر کچھ رات رہے سے نکل بھاگو۔ اور تم میں سے کوئی مڑ کر بھی ادھر کو نہ دیکھے مگر تمہاری بی بی کہ وہ نہ دیکھے بنے گی نہیں۔ اور جو عذاب ان لوگوں پر نازل ہونے والا ہے وہ اس پر بھی ضرور نازل ہوگا۔

خدا نے اس بدترین بڑھیا کو جو دلالی کرتی تھی اسی عذاب میں مبتلا کیا۔ جو اس بدترین قوم خبیث و بدکام پیشہ لوگوں کو دیا۔ اور یہ اس لئے کہ یہ تمام کا تمام اثم وعدوان ہے۔ اور اس پر مال لینا اثم وعدوان کی اعانت وامداد ہے اور ولی الامر اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیوے۔ یہی ولایت وحکومت کا اصل مقصود ہے۔ دو والی اور حاکم

مال لے کر رشوت وصول کر کے کسی منکر کو پھلنے پھولنے دیگا۔ تو اصل مقصود کے خلاف اور اس کی ضد ہوگا۔ اور یہ اس کے مثل ہوگا کہ تم نے کسی کو دشمن کے خلاف لڑنے کو بھیجا۔ اور وہ تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی اعانت و امداد کر رہا ہے۔ اور یہ مثلہ اس مال کے ہوگا کہ تم نے کسی کو جہاد میں خرچ کرنے کو دیا۔ اور وہ اسے مسلمانوں کے قتل کرنے میں خرچ کر رہا ہے۔

اس کی مزید توضیح کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ بندوں کی اصلاح۔ فلاح و بہبود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بندوں کی معاش و معاشرت اور اس کی فلاح و بہبود اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے۔ اور یہ اسی وقت پوری ہوتی ہے جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے۔ اسی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے یہ امت خیر الامم اور بہترین امت کہی گئی ہے۔ جو دنیا جہان کی اصلاح کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ع ۱۲)

لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اور ارشاد ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران ع ۱۱)

اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام کرنے کو کہیں۔ اور بُرے کاموں سے منع کریں۔

اور خدا تعالےٰ بنی اسرائیل کی حالت بیان فرماتا ہے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (مائدہ ع ۱۱)

جو کام وہ کر بیٹھتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے۔ البتہ بہت ہی بُرے فعل تھے۔ جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

اور فرماتا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ

تو جب ان نافرمانوں نے وہ نصیحتیں جو ان کو کی گئی تھیں بھلا دیں تو جو لوگ بُرے کاموں سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے بچا لیا۔ اور جو

بَئِیْسٍ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ○ (اعراف ع ۲۱)

شرارت کرتے رہے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں ہم نے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

اس آیت میں خدا نے خبر دی ہے کہ جب خدا کا عذاب اتر چکا تو خدا نے ان لوگوں کو نجات دی جو گناہوں سے بچتے رہے، اور بدعمل ظالموں کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا۔

اور حضرت ثابتؓ سے مروی ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منبر نبوی پہ کھڑے ہو کر خطبہ دیا اثناء خطبہ میں فرمایا مسلمانو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو۔ اور غیر جگہ استعمال کرتے ہو۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ (مائدہ ع ۱۴)

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو۔ جب تم راہ راست پہ ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حال یہ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:۔

اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْکَرَ فَلَمْ یُغَیِّرُوْا ، اَوْشَکَ اَنْ یَّعُمَّھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ مِّنْہُ۔

جب لوگ منکر۔ ناجائز کام کو دیکھیں اور اس کی اصلاح نہ کریں تو قریب ہے۔ ان پہ عذاب الٰہی عام ہو جائے۔

اور ایک دوسری حدیث کے اندر ہے۔

اِنَّ الْمَعْصِیَۃَ اِذَا اُخْفِیَتْ لَمْ تَضُرَّ اِلَّا صَاحِبَھَا وَلٰکِنْ اِذَا ظَھَرَتْ فَلَمْ تُنْکَرْ ضَرَّتِ الْعَامَّۃَ۔

معصیت وگناہ مخفی طور پر کیا جائے تو معصیت وگناہ کرنے والے ہی کو ضرر پہونچتا ہے لیکن جب کھلی طور پہ کیا اور اس کی اصلاح نہ کریں تو عام لوگوں کو ضرر ہوتا ہے۔

اور اسی قسم کو ہم نے حدود الٰہی۔ اور حقوق اللہ کے اندر پیش کیا ہے۔ جس کا بڑا سے بڑا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

اور امر بالمعروف مثلاً صلوٰۃ و نماز۔ زکوٰۃ۔ روزے۔ حج۔ صدق و امانت۔ والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی۔ صلہ رحمی۔ اہل و عیال، اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت وغیرہ۔ پس ولی الامر۔ حاکم کا فرض ہے کہ جن پہ قدرت رکھتا ہے فرض نماز کا حکم کرے۔ اور تارک نماز کو عقاب و عذاب دیوے۔ اس پہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اگر تارک نماز ایک متمرد و سرکش گروہ ہے تو ان کے خلاف جہاد کرے، اس پہ بھی مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ اور روزے ترک کرنے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے۔ یہی حکم ہے ان محرمات کا جن پر اجماع ہے۔ ان محرمات کو حلال جاننے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے مثلاً محارم سے نکاح کرنا۔ زمین خداوندی پر فساد پھیلانا وغیرہ۔ ان کے خلاف جہاد فرض ہے۔ ہر مضبوط اور سخت گروہ اگر التزام شریعت اور شرائع اسلام جو ظاہر اور متواتر ہیں۔ ان کا انکار کرے تو ان کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ تاآنکہ تمام دین اللہ تعالےٰ کا ذہن ہو جائے۔ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اگر تارک نماز ایک شخص ہے تو اس کے متعلق کہا گیا ہے۔ اسے سزا دی جائے مار ماری جائے۔ قید و حبس میں رکھا جائے۔ تاآنکہ وہ نماز کا پابند ہو جائے۔ اور جمہور علماء اس پر ہیں کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اور اسے قتل کرنا واجب ہے جبکہ وہ نماز ترک کرنے پر اڑ جائے۔ پہلے اسے کہا جائے۔ کہ توبہ کرو۔ اگر وہ توبہ کر لیوے اور نماز پڑھنے لگے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اب اس کے بارے میں یہ فیصلہ باقی ہے کہ آیا یہ کافر ہو گیا اس لئے قتل کر دیا جائے۔ یا فاسق ہے اس لئے؟ دو قول ہیں۔ اور سلف کی اکثریت اس پر ہے کہ وہ کافر ہو گیا اس لئے قتل کر دیا جائے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ وجوب کا اقرار کرتا ہو۔ لیکن جب وجوب ہی کا انکار کرے تو تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ وہ اس انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہی حال تمام واجبات۔ اور محرمات کا ہے۔ جن کے خلاف اقدام کرنے پر اسے قتل کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ترک واجبات اور فعل محرمات کی عقوبت و سزا جہاد فی سبیل اللہ کا اصل مقصود ہے۔ اور یہ جہاد امت مسلمہ پر بالاتفاق واجب ہے۔ جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ جہاد بندوں کا بہترین عمل ہوگا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے درخواست کی کہ:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ لَا تَسْتَطِيْعُهٗ اَوْلَا تُطِيْقُهٗ قَالَ اَخْبِرْنِيْ بِهٖ۔ قَالَ تَسْتَطِيْعُ اِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ اَنْ تَصُوْمَ وَلَا تُفْطِرَ وَتَقُوْمَ وَلَا تَفْتُرَ۔

یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتلایئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔ آپ نے فرمایا تم ایسے عمل کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس نے کہا مجھے بتلا تو دیجئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ مجاہد جہاد کے لئے نکلے اس وقت سے تم روزہ رکھو اور

قال ومن یستطیع ذالک فذا لذی یعدل الجھاد فی سبیل اللہ۔

کبھی ناغہ نہ کرو، اور رات بھر نماز پڑھو اور کبھی نہ چھوڑو پھر فرمایا اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ پھر فرمایا یہ عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتا ہے۔

اور آپ نے فرمایا ہے:۔

ان فی الجنۃ لمأۃ درجۃ بین الدرجۃ الی الدرجۃ کما بین السماء والارض اعدھا اللہ للمجاھدین فی سبیلہ۔

جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں میں آسمان و زمین کا فاصلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار رکھے ہیں۔

(یہ ہر دو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہیں)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

رأس الامر الاسلام و عمودہ الصلوۃ وذروۃ سنامہ الجھاد فی سبیل اللہ۔

اسلام راس الامر ہے۔ اور اس کا عمود و ستون نماز ہے۔ اور تمام سے افضل و برتر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

انما المؤمنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون۝

(حجرات ع ۲)

پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا، اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام کمن امن باللہ والیوم الاخر وجاھد فی سبیل اللہ لایستوٗن عند اللہ۔

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور حرمت والی مسجد آباد رکھنے کو اس شخص جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

(توبہ ع ۳)

برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کے رستے میں جہاد کیے وہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور باغوں میں رہنے کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی۔ ان باغوں میں سدا کو رہیں گے۔ بیشک اللہ کے ہاں ثواب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

گیارھویں فصل کے مضامین

قطاع الطریق۔ یعنی راہ زنوں۔ ڈاکوؤں۔ لٹیروں کی عقوبت و سزا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی کو جہاد کے لئے بھیجتے تو نصیحت فرماتے کہ کافروں کو قتل کرو۔ لیکن غلو نہ کرنا۔ اپنا وعدہ اور عہد پورا کرنا۔ ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ نہ کرنا۔ چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا۔ جو اپنے اپنے گھروں میں اسلحہ اور ہتھیار لے کر بیٹھے ہوں ان کو قتل نہ کرنا۔ اگر کافر مسلمانوں کو مثلہ کریں تو مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ بھی ایسا کریں۔ لیکن نہ کرنا بہتر ہے۔

محارب۔ قطاع الطریق۔ راہزن۔ ڈاکو جو راستوں وغیرہ میں مسافروں۔ راہ چلتوں کو لوٹا کرتے ہیں۔ اور ان کا مال چھینا کرتے ہیں۔ اب وہ اعراب و بدو دیہاتی ہوں یا ترکمان۔ فلاحین کسان یا بدمعاش لشکری یا نوجوان شہری ہوں یا کوئی ہوں۔ ان کی عقوبت و سزا۔ ان قطاع الطریق۔ راہزنوں۔ ڈاکوؤں لٹیروں کے متعلق خدا فرماتا ہے۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (مائدہ ع ۵)

جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑتے اور فساد کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دئے جائیں یا ان کو سولی دی جائے۔ یا انکے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ ڈالے جائیں یا ان کو دیس نکالا دیا جائے یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہوئی اور آخرت میں انکے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔

امام شافعی رح اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رض سے قطاع الطریق۔ ڈاکوؤں، راہزنوں، لٹیروں کے متعلق فرماتے ہیں:۔

إِذَا قَتَلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ قُتِلُوا وَصُلِبُوا وَإِذَا قَتَلُوا وَلَمْ يَأْخُذُوا الْمَالَ قُتِلُوا وَلَمْ يُصْلَبُوا۔ وَإِذَا

جب وہ قتل کریں اور مال و متاع لوٹ لیویں تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی چڑھا دیا جائے اور جب وہ قتل کریں اور مال و متاع نہیں لوٹا

أَخَذُوا الْمَالَ وَلَمْ يَقْتُلُوا قُطِّعَتْ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَإِذَا أَخَافُوا السَّبِيلَ وَلَمْ يَأْخُذُوا الْمَالَ نُفُوا مِنَ الْأَرْضِ۔

تو انھیں قتل کیا جائے، اور سولی پر نہ چڑھایا جائے۔ اور جب مال لوٹ لیں اور قتل نہ کریں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں، ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں، اور جب یہ لوگ مال و متاع نہیں لوٹتے اور صرف ڈراتے ہیں تو انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔

یہی قول اکثر علماء کا ہے، امام شافعی رح اور امام احمد رح بھی یہی کہتے ہیں۔ اور یہی قول امام ابوحنیفہ رح کے قول کے قریب قریب ہے۔

اور انہیں لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے متعلق امام و امیر کو اجتہاد اور غور کرنا ہوگا۔ قتل کرنے اور نہ کرنے کی مصلحت سامنے رکھنی ہوگی۔ اگر رئیس و سردار پیشوا لئے مطاع ہے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ دوسروں کو مصلحت دیکھ کر قتل کرا دیوے۔

اگر انہوں نے مال نہیں لوٹا۔ لیکن وہ شجاع اور بہادر اور قوی ہے۔ اور قوت و طاقت سے مال لے سکتا ہے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے۔

بعض کا قول ہے اگر اس نے مال لوٹا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے، اور اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

جو محارب ہیں اور انہوں نے قتل بھی کیا ہے، تو امام و امیر، اور حاکم ان پر حد جاری کرے، اور انہیں قتل کرا دیوے ایسے لوگوں کو معاف اور درگذر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں، اور کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ابن المنذر رح کہتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے۔ مقتول کے ورثہ پر اس کا دارو مدار نہیں ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ کسی آدمی نے کسی باہمی عداوت و خصومت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ خاص۔ اور اسباب کی وجہ سے قتل کیا ہے تو مقتول کے اولیاء اور ورثہ کو اختیار دے دیا جائے یہ چاہیں اسے قتل کر دیں چاہیں معاف کر دیں۔ اور چاہیں دیت و خونبہا لیویں۔ کیونکہ غرض خاص اور وجہ مخصوص کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔

محارب سب کے سب قتل کر دیئے جائیں، کیونکہ انھوں نے مال لوٹا ہے اور ان کا ضرر و نقصان عام ہے۔ بمنزلہ چوروں کے ہیں۔ اور انہیں قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا۔ اور یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اگر مقتول کفو میں قاتل کے برابر نہیں ہے مثلاً قاتل حر و آزاد ہے اور مقتول غلام ہے

یا قاتل مسلمان ہے اور مقتول غیر مسلم ذمی یا مستامن ہے تو فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ محارب ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ اور قوی قول یہی ہے کہ قتل کر دیا جائے کیونکہ فساد عام کے اعتبار سے یہ ہاتھ حد قتل کیا جائے گا۔ جس طرح کہ لوگوں کا مال لینے کی وجہ سے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے حقوق کی بنا پر حبس وقید رکھا جاتا ہے۔

اگر محارب حرامی اور چوروں کی ایک جماعت ہے۔ اور ان میں سے ایک قتل کا مرتکب ہے اور دوسرے اس کے معاون ومددگار ہیں۔ تو کہا گیا ہے جو شخص قتل کا مرتکب ہے اسے قتل کیا جائے۔ فقط۔

اور جمہور علماء کا قول ہے کہ سب کو قتل کر دیا جائے، اگرچہ ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہو۔ خلفاء راشدین سے یہی ماثور ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے محارب لوگوں کے اس نگران کو جو بلند مقام پر بیٹھ کر مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا کرتا تھا، اور کافروں کو اطلاع دیا کرتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا، قتل کرا دیا تھا۔ اس لئے کہ قتل کرنے والا ان کی معونت وامداد سے قتل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور ان کی اعانت وامداد سے ظفریاب اور متمتع ہوتا ہے۔ اور اس لئے ثواب وعقاب میں سب کے سب مشترک ہونگے۔ جیسے کہ مجاہدین ثواب اور مال میں سب شریک ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَأُ دِمَاؤُھُمْ وَیَسْعٰی بِذِمَّتِھِمْ اَدْنَاھُمْ وَھُمْ یَدٌ عَلٰی سِوَاھُمْ یَرُدُّ مُتَسَرِّیْھِمْ عَلٰی قَاعِدِھِمْ

مسلمانوں کے خون تمام برابر ہیں اور ادنیٰ کا ذمہ بھی پورا کیا جائیگا۔ اغیار کے مقابلہ میں تمام ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔ اور مسلمان سریہ بھیجیں تو اس سریہ کا مال غنیمت ... بیٹھنے والوں کو ...

یعنی جب مسلمانوں کا لشکر جنگ ... اور سریہ بھیجیں اور اس سریہ نے مال غنیمت حاصل کیا تو اس میں مسلمانوں کا لشکر بھی شریک ہو گا۔ کیونکہ اسی کے بل بوتے پر یہ غالب رہے ہیں۔ اور انہی کی قوت وشوکت سے قدرت پائی ہے۔ ... کچھ نفل یعنی زائد دیا جائے۔ یہ دوسری بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل اور زائد سریہ کو دیا ہے۔ ابتداء میں خمس کے بعد ایک ربع دیا تھا۔ جب لوگ دشمن وطن سے لوٹے اور وطن سے سریہ بھیجا تو خمس کے بعد ایک ثلث یعنی ایک تہائی حصہ دیا تھا۔

۔ اسی طرح اگر فوج و لشکر مال غنیمت حاصل کرے تو سریہ کو شریک کر لیا جائے کیونکہ سریہ مسلمانوں کی فوج لشکری مصلحتوں کی وجہ سے بھیجا گیا ہے۔ جس طرح کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں حضرت طلحہ رض۔ اور حضرت زبیرہ کو دیا تھا۔ اس لئے کہ لشکر اسلام اور مسلمانوں کی فوجی مصلحت کی وجہ سے یہ بھیجے گئے تھے۔ تو اس گروہ کے اعوان و انصار معاون و مددگار وہی فائدہ اٹھائیں گے جو لوگ اٹھاتے ہیں جو ان کے لئے ہوگا ان کے لئے بھی ہوگا اور جو ان پر ہوگا وہ ان پر ہوگا۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو باطل پر لڑ مرے۔ ور بلا تاویل کے قتل ہوئے مثلاً عصبیت قبائلی یا ادعار جاہلیت کی بنا پر باہم لڑے اور قتل ہوئے جیسے کہ قبیلہ قیس۔ اور قبیلہ یمن وغیرہ دونوں کے دونوں ان میں سے ظالم تھے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ

جب دو مسلمان باہم تلواریں سونت لیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں

(اخرجاہ فی الصحیحین)

ان میں سے ہر گروہ دوسرے گروہ کی جان و مال تلف کرنا چاہتا تھا۔ گو قاتل اور مقتول نہیں جانتے تھے کہ کون مرتا ہے اور کون مارتا ہے۔ ہر طائفہ ہر گروہ اپنی مدافعت کرتا تھا۔ اور دوسرے کو مارتا تھا۔

لیکن اگر صرف مال لوٹ لیا ہے قتل نہیں کیا۔ جیسا کہ اکثر اعراب کا دستور ہے۔ تو اس صورت میں ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ رح امام شافعی رح امام احمد وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور یہ خدا کا فرمان ہے۔

اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ (مائدہ ع ۵)

یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دئے جائیں۔

ہاتھ کاٹا جائے جس سے وہ پکڑتے اور چھینتے تھے۔ اور پاؤں کاٹا جائے جس سے یہ چلتے تھے ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد کھولتے ہوئے زیتون کے تیل میں داغ دئے جائیں۔ تا کہ خون بند ہو جائے[1]۔ اور اس کی جان تلف نہ ہو۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

اور یہ عمل یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنا ایسا عمل ہے کہ قتل سے زیادہ موجب [illegible]

---

[1] خون بند کرنے کے لئے آجکل مختلف طریقے ہیں۔ ان زمانے میں زیتون کے تیل میں داغ دئے جاتے تھے۔

کرتا ہے۔ کیونکہ اعراب و فساق۔ لشکری غیر لشکری (اور آبادیوں میں رہنے والے) ہمیشہ کٹے ہوئے ہاتھ اور پاؤں دیکھا کرتے ہیں اور باہم مذاکرہ کرتے رہتے ہیں کہ فلاں جرم کے عوض انہیں یہ سزا ملی ہے۔ اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں[1]۔ بخلاف قتل کے کہ اکثر اسے بھول جایا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے بعض لوگ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے مقابلہ میں قتل ہونے اور مرنے کو پسند کرتے ہیں۔ یقیناً چوروں وغیرہ کے لئے یہ سزا انہایت عبرت آموز ہے۔

اور اگر یہ لوگ اسلحہ نکال لیں۔ مگر کسی کو گزند نہیں پہنچائی۔ اور نہ مال وغیرہ لوٹا ہے۔ اور پھر تلواریں نیام میں کرلیں یا بھاگ گئے۔ یا لوٹ مار اور جنگ چھوڑ دی تو ایسے لوگوں کو جلاوطن کردیا جائے۔ کہا گیا ہے جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک شہر اور آبادی میں اجتماعی حیثیت سے انہیں نہ رہنے دیا جائے۔ بعض کہتے ہیں انہیں حبس و قید میں رکھا جائے یہی ان کے لئے جلاوطنی ہے۔ بعض کہتے ہیں جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ امام و امیر اور حاکم جس بات کو قوم کے حق میں اصلح سمجھے وہ کرے، خواہ جلاوطن کرے۔ یا حبس و قید میں رکھے یا جو طریقہ بھی مناسب ہو معلوم کرے۔

اور شرعی قتل یہ ہے کہ تلوار یا کسی دوسری تیز چیز سے انسان کی گردن کاٹ دی جائے۔ کیونکہ قتل کا آسان ترین طریقہ یہی ہے۔ خدا نے آدمی۔ بہائم اور چوپایوں کو اسی طرح قتل کرنا مشروع فرمایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ۔ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ۔ (رواہ مسلم)	خدا نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے جب تم کسی کو قتل کرو تو اچھے طریقے پر قتل کرو۔ جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے پر ذبح کرو۔ اپنی چھری تیز کر لیا کرو اور ذبیحہ کو جلد سے جلد راحت پہنچاؤ۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ أَعَفَّ النَّاسِ قِتْلَةً أَهْلُ الْإِيمَانِ۔	اہل ایمان قتل کرنے میں سب سے زیادہ باعافیت ہوتے ہیں۔

---

[1] وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ۔

سولی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کو اونچی جگہ لٹکا دیا جائے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور مشتہر ہو جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ قتل کرنے کے بعد ہوا کرتا ہے۔ اور بعض علماء کا قول ہے پہلے سولی پر لٹکا دیا جائے اور پھر قتل کر دیا جائے۔

بعض علماء نے تلوار کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی قتل کو جائز رکھا ہے یہاں تک کہتے ہیں کہ کسی اونچی جگہ ایسے لوگوں کو رکھا جائے۔ تاکہ اپنی ناکیں رگڑ رگڑ کر بلا قتل کے وہ مر جائیں۔

اور جو لوگ قتل کیے جائیں تو انھیں مثلہ کرنا یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں قصاص و بدلہ کی صورت میں جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی ہم کو خطبہ دیا تو صدقہ و خیرات کا حکم فرمایا اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ کفار کو ہم قتل کریں تو ان کو بھی مثلہ کرنے سے ہم کو منع فرمایا ہے۔ قتل کے بعد ان کو مثلہ نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کے ناک اور کان نہیں کاٹتے تھے۔ اور نہ ہی ان کے پیٹ چیرا کرتے تھے۔ ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے ایسا کیا تو ہم بھی ایسا کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی چھوڑ دینا بہتر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۔

(نحل ع ۱۶)

مسلمانو! اگر مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو۔ اور اگر صبر کرو تو بہرحال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے۔ اور اے پیغمبر تم صبر کرو اور خدا کی توفیق کے بدوں تم صبر کر ہی نہیں سکتے۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب حضرت حمزہ رضؓ اور شہداء احد کے ساتھ کفار نے ایسا کیا۔ ان کو مثلہ کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رنج کے مارے کہا۔

لَئِنْ أَظْفَرَنِي اللَّهُ بِهِمْ لَأُمَثِّلَنَّ بِضِعْفَيْ مَا مَثَّلُوا بِنَا ۔

اگر اللہ نے مجھے ظفریاب کیا تو میں ان میں سے دُگنے آدمیوں کو مثلہ کروں گا جیسا کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔

تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ گو اس سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی جس طرح کہ یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ط (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اے پیغمبر! تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے۔

اور یہ آیت۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ط اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط (ہود ع ۱۰)

اے پیغمبر! دن کے دونوں سرے صبح و شام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو بیشک نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

وغیرہ آیتیں دوبارہ نازل ہوئی ہیں۔ پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ پھر ضرورت پیش آئی تو پھر نازل کی گئیں۔

غرض! آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا:

بَلْ نَصْبِرُ! ؎

بلکہ ہم صبر کریں گے!

اور صحیح مسلم کے اندر حضرت بردۃ بن الحصیب رضی سے مروی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

؎ یہی وہ آپ کے اخلاق کریمانہ تھے جس نے عرب جیسے ملک کو اسلام کا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اور یہی اخلاق و کردار تھے جس نے ساری دنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اور نصف صدی کے اندر اندر نصف دنیا کو اسلام کی گود میں لا کر بٹھا دیا تھا۔ نصف صدی میں نصف کرۂ زمین پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔

عرب ایک ایسا ملک تھا جہاں قبائلی عصبیت، قبائلی تعصب، ساری دنیا سے زیادہ تھا۔ ہر قبیلہ کا معبود جدا گانہ تھا۔ اپنے اپنے قبیلہ کی قومیت و عصبیت ایسی تھی کہ قبیلہ و ذوی کے مقابلہ میں عدل و انصاف۔ بلکہ انسانیت بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ قبیلہ کا آدمی کیسا ہی جرم کرے دوسرے قبیلہ کے مقابلہ میں مجرم نہیں تھا۔ نہ اس جرم کی کوئی سزا تھی۔ اور اسی لئے ایران و روم کی بڑی بڑی سلطنتیں بھی اپنا اقتدار اس ملک پر قائم نہ کر سکیں۔ کبھی ایک حکومت میں رہیں۔ کبھی دوسری حکومت کے ماتحت رہیں۔ اور یہ وابستگی بھی برائے نام ہوا کرتی تھی۔ قبائل باہم متفق نہیں ہو سکتے تھے، کہ متفق ہو کر اپنا سلطان اپنے میں سے بنا لیں۔ اور سلطان کی نگرانی میں قبائلی تنظیم کریں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قبائلی عصبیت نے انہیں متفق ہونے کا موقع ہی نہیں دیا۔ قبائلی عصبیت ایسی خطرناک تھی کہ خود قرآن حکیم پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتا ہے:-

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ

اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر وہ تو اللہ ہی تھا

(باقی برص ۱۷۹)

جب کبھی کسی کو امیر سریہ یا امیر لشکر بنا کر بھیجتے تو اسے اور اس کے ساتھیوں کو خاص نصیحت فرماتے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ہدایت فرماتے اور پھر فرماتے۔

اُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. قَاتِلُوْا مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ لَاتَغُلُّوْا وَلَاتَغْدِرُوْا وَلَاتُمَثِّلُوْا وَلَاتَقْتُلُوْا وَلِیْدًا. (رواہ مسلم)

اللہ کا نام لیکر جہاد کرو۔ اور خدا کی راہ میں لڑو اور جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کو قتل کرو۔ غلوئت کرو اور غدر نہ کرو۔ اور مثلہ نہ کرو۔ اور چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرو۔

(بقیہ ص۱۲۱) بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (انفال)

جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی۔ بے شک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ساری دنیا سے زیادہ خطرناک عصبیت یہاں کام کر رہی تھی۔ اور یہی عصبیت تھی جس کی وجہ سے روم و عجم جیسی حکومتوں میں کبھی مدغم نہیں ہوئیں۔ اگر مدغم ہوئیں تو برائے نام۔ اقتدار کلی کسی کا قائم نہ ہو سکا۔ نہ ہی اپنی کوئی زبردست و طاقتور حکومت قائم کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے لوگوں میں امین مشہور تھے۔ اور آپ کے امین ہونے پر تمام متفق تھے۔ بلا لوث تمام سب کے ساتھ ایک سا سلوک تھا۔ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کو خلافت کبریٰ خدا کی جانب سے عطا ہوئی اور چار پانچ سال کے اندر تمام قبائل کو ایک کر دیا۔ عصبیت جاہلیہ کو بلکیہ ختم کر دیا۔ اور سب کو شیر و شکر بنا دیا۔ اور یہی اتفاق و اتحاد وحدت قومی تھی جس نے روم و عجم کو اسلام کے قبضہ میں دے دیا۔

ذرا غور کیجئے حضرت حمزہؓ کو کفار نے غزوہ احد میں مثلہ کر دیا۔ آپ نے انتہائی ملال اور رنج میں کہہ دیا اگر ہم کو ایسا موقع ملا تو ہم بھی ایسا کریں گے۔ خدا نے خطاب کر کے آپ کو فرمایا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ. (نحل ع ۱۶)

مسلمانو! دین کے بارے میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے۔ اور ایذاؤں پر صبر کرو۔ اور خدا کی توفیق کے بدون صبر کر ہی نہیں سکتے۔

تو آپ کی زبان اقدس سے یہ نکلتا ہے

بَلْ نَصْبِرُ

بلکہ ہم صبر کریں گے۔

آپ کے اخلاق کریمانہ تھے جس نے چار پانچ برس کے اندر سارے عرب کو جیت لیا۔ (باقی بر ص۱۸۰)

اگر کفار بڑی آبادیوں میں اسلحہ۔ ہتھیار لے کر چڑھ دوڑیں۔ مال ومتاع لوٹنے کی غرض سے تو انھیں محارب کہا جائے گا یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں وہ محارب نہیں کہے جائیں گے۔ بلکہ وہ بمنزلہ اوچکوں۔ اور ڈاکوؤں کے ہوں گے۔ کیونکہ شہری آبادی میں امداد واعانت طلب کی جائے تو لوگ امداد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۹) اور پورے جزیرۂ عرب پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ حدود اللہ میں کسی کی رعایت نہیں کی۔ اور اپنے معاملات میں بلند کرداری، بلند حوصلگی۔ وسیع الظرفی، وسیع الاخلاقی کا ثبوت دیا۔ حسد، کینہ، بغاوت سرکشی، ایذا وتکالیف کا جواب اور بدلہ احسان سے دیا۔ اور جس قدر ایذائیں وتکالیف زیادہ پہنچائی گئیں آپ کی جانب سے احسان زیادہ ہی ہوتا گیا۔ اور قرآن مجید پر پورا پورا عمل کر دکھایا۔ قرآن مجید کے اندر ہے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝

(حم سجدہ ع ۵)

اے پیغمبر! نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں اور کسی شخص میں عداوت ہے۔ تو اب ایک دم سے گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہوجائیگا۔ اور حسن مدارات ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔

اور قرآن مجید کے اندر ہے:۔

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝

(قصص ع ۶)

یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے دوہرا اجر دیا جائے گا۔ ادھر تورات پر ایمان لائے۔ ادھر قرآن پر اور نیکی سے بدی کا دفعیہ کرتے ہیں اور ہم نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کیجئے۔ آپ کو آپ کی قوم طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتی ہے۔ آپ کو بری طرح ستاتی ہے۔ آپ پر حملے کئے جاتے ہیں۔ آپ کے قدموں سے خون بہایا جاتا ہے۔ لیکن آپ کی زبان سے بددعا نہیں نکلتی۔ بلکہ دعائیں نکلتی ہیں۔ آپ انتہائی تکلیف کے بعد بھی یہ کہتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ — اے اللہ! میری قوم کو تو بخش دے یہ لوگ مجھے نہیں جانتے۔

آپ کی زبان سے نکلتا ہے تو یہی نکلتا ہے۔ جو ایمان و احسان میں بلند کردار انسان پیش کر سکتا ہے، ان کلمات پر غور کرو۔ مقامات احسان چار ہیں۔ جس سے قوم کی بدی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ایک عفو ودرگذر (باقی صفحہ ۱۸۱ پر)

اور اکثر لوگوں کا قول ہے کہ آبادیوں اور صحرار کا ایک ہی حکم ہے۔ اور یہ قول امام مالکؒ کا ہے اور امام شافعی رح اور امام احمد رح کے اکثر شاگردوں کا۔ اور امام ابوحنیفہ رح کے بعض شاگردوں کا ہے بلکہ شہروں میں لوٹ و غارت گری کرنے والے صحرار میں لوٹ دغارتگری کرنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ عقوبت و سزا کے حقدار ہیں۔ کیونکہ شہری آبادیاں امن و اطمینان کے اعتبار سے زیادہ محفوظ ہوا کرتی ہیں۔ باہم ایک دوسرے کی نصرت و امداد اور تعاون زیادہ حاصل ہوا کرتا ہے۔ اور ایسی جگہ

(بقیہ صنہ ۱۸۰) دوسرا ان کے لئے استغفار۔ تیسرا قوم کی بدعملی و بیہودگی کا عذر پیش کرتے ہیں کہ اے خدا یہ لوگ ایسا سلوک اس لئے کر رہے ہیں کہ سمجھتے نہیں اگر سمجھتے تو ایسا نہ کرتے۔ چوتھا یہ کہ آپ اس قوم پر اس قدر مہربان ہیں کہ مہربانی و کرم خداوندی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ کہ یا اللہ یہ میری قوم ہے۔ جیسے کوئی اپنے لڑکے اور غلام یا اپنے کسی عزیز کیلئے کہتا ہے۔ یہ میرا لڑکا ہے، میرا غلام ہے، یا میرا عزیز ہے، اور اتنا کام کر دیجئے۔ اتنی بات سن لیجئے۔ غور کرو سامنے والا جب کہ اس کی خوشامد کی جائے۔ اور کہا جائے کہ مہربانی اور کرم کیجئے کہ یہ میری قوم ہے یا میرا لڑکا ہے یا میرا غلام اور میرا عزیز و قرابتدار ہے کس قدر اثر پڑے گا؟ یہ آپ کا احسان اور بلند کردار ہے۔ اور یہ آپ کا معجزہ آپ کا خلوص و ایثار ہے جس نے دنیا پر اپنا اثر ڈالا اور دنیا آپ کی گرویدہ بن گئی۔

مکہ فتح ہوتا ہے بڑی آن بان اور شان سے مکہ میں آپ داخل ہوتے ہیں۔ قریش مکہ اور تمام سرداران قریش آپ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ وہ سب حضور نبویؐ میں پیش ہوتے ہیں جو نبوت و رسالت کے بعد ہر طرح آپ کو ستاتے اور ایذار اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ اور ایذا و تکالیف پہنچانے میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو نماز پڑھتے وقت سجدہ میں آپ کی پشت پر اونٹ کا اوجھ لاد دیتے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو بیچارے ہجرت کر کے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے گئے تھے ان کے خلاف وفد لے کر پہنچے تھے، ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صرف توحید کا وعظ کہنے پر اس قدر مارا پیٹا تھا کہ کئی روز آپ اس کی وجہ سے چارپائی پر پڑے رہے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو ندوہ میں جمع ہو کر آپ کو قتل کرنے کے مشورے کیا کرتے تھے۔ اور معاہدہ قتل میں شریک تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے تین سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں نظر بند کر رکھا تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کو وطن عزیز۔ گھر بار۔ رشتے ناطے ترک کر کے ترک وطن پر مجبور کیا تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو غزوۂ بدر۔ غزوۂ خندق۔ غزوۂ احد میں مکہ سے جا کر مدینہ طیبہ میں آپ سے لڑے۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ اور دوسرے صحابہ کو غزوۂ احد میں شہید کیا تھا۔ اور حضرت حمزہؓ کا ناک، کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ کیا تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جو قبائل عرب کو آپ کے خلاف ورغلاتے (باقی برصفحہ ۱۸۲)

اقدام کرنا سخت ترین محاربہ اور سخت ترین غلبہ کی دلیل ہے۔ ان کا جتھہ بہت قوی اور مضبوط ہے، اور اسی لئے وہ شہر اور آبادیوں پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ اور ان کے گھروں میں گھس کر سلب و غارتگری اور لوٹ مار کر رہے ہیں۔ ان کا مال ان کا اندوختہ لوٹ رہے ہیں۔ اور مسافر کیا للہ سارا مال و متاع

(بقیہ ص۱۸۱) اور بھگاتے رہے۔ ان میں وہ بھی تھے جو طرح طرح کی سازشیں آپ کے خلاف کرتے رہے۔

غرض! وہ لوگ موجود تھے جو نبوت و رسالت کے بعد آپ کے اور اہل ایمان کے سخت ترین دشمن تھے۔ اور آپ کو ہر قسم کی ایذا و تکلیف پہنچاتے تھے۔ سب کے سب قابل گردن زدنی تھے۔ آپ فاتحانہ مکہ میں پہنچے ہیں اور اعلان کرتے ہیں۔

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ	جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امن ہے
وَمَنْ اَغْلَقَ عَلَیْهِ بَابَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ۔ وَمَنْ	جس شخص نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے اس کو امن ہے،
دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ اٰمِنٌ۔	اور جو مسجد میں داخل ہو گیا اسے بھی امن ہے۔

اس کے بعد کعبۃ اللہ کے دروازے پر آپ کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ	خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک اکیلا ہے اس کا
صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ۔ وَ هَزَمَ	کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور اپنے
الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاثِرٍ۔ اَوْ	بندے کو نصرت بخشی اور تمام گروہوں کو تنہا اس نے
دَمٍ اَوْ مَالٍ یُدَّعٰی بِهٖ۔ فَهُوَ تَحْتَ	ہزیمت دی خبردار تمام تاثر اور خون یا مال کہ جسکا دعوے
قَدَمَیَّ هَاتَیْنِ۔ اِلَّا سَدَانَةَ الْبَیْتِ وَ	کیا جائے میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں مگر بیت اللہ
سِقَایَةَ الْحَاجِّ۔	کی سدانت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت۔

اس کے بعد بڑی متانت و سنجیدگی سے قریش مکہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ مَا تَظُنُّوْنَ اِنِّیْ فَاعِلٌ بِكُمْ؟	اے گروہ قریش تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟

اس کے جواب میں قریش مکہ کہتے ہیں۔

خَیْرًا۔ اَخٌ كَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِیْمٍ	خیر کی امید رکھتے ہیں آپ کریم بھائی۔ کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔

اس کے جواب میں آپکا اعلان قابل فخر ہے آپکا احسان و کرم آپکا فضل آپ کی بخشش۔ آپ کی عنایت و مہربانی دیکھئے کہ ان تمام برائیوں کا بدلہ کیسے اور کس طرح دیتے ہیں۔ زبان اقدس سے فرماتے ہیں۔

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔	جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

سب کے سب آزاد ہو۔ پھلو۔ پھولو۔ اپنے گھروں میں رہو۔ یہ ہے تعمیر ملت کے نگہبان کا فضل و کرم یہ ہے خلافت کبریٰ کے حامل کی خدا ترسی۔ خدا پرستی۔ اللھم صل وسلم و بارك علیه۔

(ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی)

نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ کچھ مال ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں یہی مسلک صحیح وصواب ہے۔ خصوصًا وہ گروہ جنہیں شام و مصر والے مفسر اور بغداد والے عیار کہا کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ لاٹھیوں اور پتھروں سے جنگ کریں تو یہ لوگ بھی محارب ہی کہے جائیں گے۔ بعض فقہاء سے نقل کیا گیا ہے، "لَا مُحَارَبَةَ اِلَّا بِالْمُحَدَّدِ"، محاربہ تیز چیز سے ہوا کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہ محاربہ تیز چیز اور بھاری چیز کے پھینکنے سے ہو۔ اور پھر اس بارے میں اختلاف و نزاع ہو یا نہ ہو صحیح مسلک جس پر عام مسلمانوں کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص نے مال لوٹنے کی غرض سے قتل و غارتگری شروع تو وہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں محارب اکو ٹیرے کہے جائینگے جس طرح کہ مسلمانوں سے جنگ کرنیوالے کفار کو حربی کہا جاتا ہے خواہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں اور کسی طرح بھی لڑیں خواہ تلوار اور نیزوں سے یا پتھر اور لاٹھیوں سے، کافروں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کی تو وہ حربی ہونگے اور مسلمان مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے۔

وہ لوگ جو پر اسرار اور مخفی طریقوں سے قتل کرتے ہیں۔ اور مال لینے کے لئے جانیں لیتے ہیں، مثلاً دکانیں، مسافر خانے راستوں میں مسافروں کے نام سے بنوا کر ان میں مسافروں کو ٹھیراتے ہیں۔ جب کوئی مسافر ہتے چڑھ جاتا ہے اور ان لوگوں میں تنہا پھنس جاتا ہے تو اُسے قتل کر کے اس کا سارا مال لے لیا جاتا ہے۔ یا بعض لوگوں کا پیشہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی طبیب ڈاکٹر کو اجرت دے کر اپنے گھر لے آتے ہیں اور موقع پا کر اسے قتل کر دیتے ہیں۔ اور اس کا مال وغیرہ لوٹ لیتے ہیں۔ اور مکر و فریب سے لوٹ لیتے ہیں۔ اور جب یہ مال لوٹ لیا گیا تو اب ان کو محارب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ یا ان پر قود کا حکم جاری ہوگا؟ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ محارب ہوگا۔ کیونکہ حیلہ سے قتل کرنا اور کھلے طور پر قتل کرنا۔ دونوں برابر ہیں دونوں میں جان بچانا مشکل اور دشوار ہے۔ بلکہ حیلہ سے قتل کرنا کھلے طور پر قتل کرنے سے زیادہ مضرت رساں اور زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ کھلے طور پر قتل کرنے والے سے بچاؤ اور حفاظت کی جا سکتی ہے۔ لیکن حیلہ اور دھوکہ سے قتل کرنے والے سے حفاظت و بچاؤ مشکل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ محارب اُسے کہیں گے جو کھلے طور پر قتل کرنے پر اتر آئے۔ اور پھر یہ کہ اس دھوکہ باز حیلہ ساز کا معاملہ ولی الدم کے ہاتھ میں ہے۔ مگر پہلا قول اصول شریعت کے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان اور ضرر بہت سخت ہوا کرتا ہے۔ بمقابلہ محارب کے۔

اگر کوئی شخص سلطان کو قتل کر دیوے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔ مثلاً حضرت عثمان رضؓ یا حضرت علی رضؓ کو قتل کیا گیا تو ان کا حکم محاربین کا ہوگا؟ ان پر حد جاری ہوگی؟ یا ان کا معاملہ اولیاءِ الدم کے ہاتھ میں ہوگا۔ امام احمدؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ اس لئے کہ ایسے لوگوں کو قتل کرنے میں عام فساد کا اندیشہ ہے۔

بارھویں فصل کے مضامین

سلطان کو قتل کرنے والے محارب ہوں گے۔ جن پر حد جاری کی جائیگی؟ یا ان کا معاملہ اولیا دم اور وارثوں کے اختیار میں ہوگا؟ جب سلطان یا اس کا نائب حد جاری کرنے کے لئے قاتل کو طلب کرے، اور اس کے قبیلہ اور خاندان کے لوگ اس کی حمایت کریں، اور لڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو تمام علمار کا اتفاق ہے، عام مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ ان سے قتال و جنگ کریں۔ تاآنکہ مسلمان اس پر قابو پالیں۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جبکہ ان پر قدرت و قابو پاسکیں۔

جب سلطان یا نائب سلطان۔ اور حاکم بلاکسی قسم کی زیادتی کے قاتلین سلطان پر حد جاری کرنا چاہیں اور انھیں حاضر ہونے کا حکم دیدیں۔ اور لوگ ان کی حمایت و طرفداری کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو عام مسلمانوں پر واجب و فرض ہے کہ ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال اور جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ تاآنکہ مسلمان ان تمام پر قابو پا جائیں۔ تمام علماء امت کا اس پر اتفاق ہے۔

اور اگر قتل کے بغیر وہ اطاعت قبول نہیں کرتے، اور اس کی نوبت ہی آجائے تو یہ بھی کر گذریں۔ اور پورا پورا مقابلہ کریں۔ ان کو قتل کریں۔ تمام کو قتل کیا جائے۔ اور جیسے بھی ممکن ہو ان کی گردنیں اڑادیں، اور جو بھی ان کی حمایت اور اعانت و امداد کریں انہیں قتل کرنا شروع کردیں۔ یہ قتال و جنگ ہے۔ اور وہ حد جاری کرنے کا مسئلہ ہے، شرائع اسلام کا مقابلہ کرنے والوں کا مسئلہ زیادہ اہم اور زیادہ مؤکد ہے۔ یہ لوگ گروہ بندی اور جتھہ سازی میں اس لئے مشغول ہوگئے ہیں کہ لوگوں کو خراب کریں۔ لوگوں کا مال لوٹیں، زراعت اور نسل انسانی کو ہلاک کریں، ان کا مقصود یہ نہیں ہے کہ دین کو قائم کریں۔ اور ملک وملت کی خدمت کریں۔ ان لوگوں کا وہی حکم ہے جو محاربین کا ہے۔ جو کسی قلعے یا کسی غار۔ یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی وادی وغیرہ میں پناہ لے کر گذرنے والوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ راہ زنی کرتے ہیں جب انہیں ولی الامر اور حاکم کی فوج کہتی ہے اطاعت کرلو۔ اور

توبہ کرو۔ معافی مانگو اور مسلمانوں کے گروہ میں داخل ہوجاؤ۔ حد قائم وجاری کرنے میں سلطان ولی الامر اور حاکم کی اطاعت کرو۔ تو یہ لوگ قتل وجنگ شروع کر دیتے ہیں۔ اور مدافعت پر اتر آتے ہیں۔ ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہے جو حاجیوں وغیرہ کو راستوں میں لوٹتے ہیں اور ان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ راہزنی کرتے ہیں۔ یا ان لوگوں کا سا ہے جو پہاڑوں وغیرہ میں چھپے رہتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں یا غاروں میں راہزنی۔ ڈکیتی کی غرض سے چھپ بیٹھتے ہیں، جیسے وہ گروہ جو قطع طریق، اور راہزنی کی غرض سے شام وعراق کے درمیان چھپے بیٹھتے ہیں لیکن پھر بھی ان لوگوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال ایسا نہیں ہے۔ جیسا کفار کے مقابلہ میں جنگ و قتال ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کفار نہیں ہیں۔ ان کا مال نہ لوٹا جائے جب تک کہ وہ ناحق نہ لوٹیں۔ اگر وہ لوگ لوٹیں تو ان پر ضمان لازم آئے گا۔ اور اسی قدر ان کا مال لیا جائے گا۔ جس قدر انہوں نے لوٹا ہے۔ اگرچہ معین طور پر لوٹنے والے ہاتھ نہ آئیں۔ اگر لوٹنے والے متعین طور پر معلوم ہوجائیں کہ فلاں شخص نے لوٹا ہے۔ تو اصل لوٹنے والا۔ اور اس کی مدد کرنے والے اس کے حامی سب برابر ہیں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ لیکن جب متعین طور پر ثابت ہوجائے کہ فلاں شخص ہی نے مال لوٹا ہے۔ تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔ اور جو کچھ لوٹا گیا ہے ان کے مالداروں پر لادا جائیگا۔ اگر مال وغیرہ ان سے حاصل کرنا مشکل ودشوار ہے۔ تو مصالح مسلمین کے لئے جو گروہ قتل وجنگ میں مصروف ہے۔ ان کا رزق اور روزینہ مقرر کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ مقابلہ اور جنگ اقامت حدود۔ حد جاری کرنے، اور فساد فی الارض روکنے کی غرض سے ہے اگر ان لوگوں میں سے کوئی سخت مجروح ہوجائے تو اس کا علاج نہ کیا جائے تا آنکہ وہ مرجائے اگر وہ لوگ بھاگ جائیں۔ اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوجائیں۔ تو ان کا تعاقب اور پیچھا نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کسی پر حد جاری کرنا واجب ہے یا یہ کہ اس کے بھاگنے سے خطرہ ہے تو تعاقب اور پیچھا کرنا لازم وضروری ہے۔

اور جو لوگ ان میں سے اسیر وقید ہوتے ہیں ان پر حد جاری کی جائے جیسی دوسروں پر جاری کی گئی ہے۔ بعض فقہاء نے اس سے زیادہ سختی کی ہے کہ مال غنیمت اُن سے لیا جائے اور اس کا خمس الگ نکالا جائے۔ لیکن اکثر فقہاء اس کے خلاف ہیں۔ لیکن اگر ان لوگوں نے کسی دوسری مملکت کی پناہ لی جو شریعت اسلامیہ سے خارج ہے۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کی اعانت وامداد کی ہے تو بوجہ اس کے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ و

قتال کیا ہے۔ ان کو قتل کیا جائے گا۔

لیکن اگر ایسے لوگ ہیں کہ ڈکیتی، راہزنی نہیں کرتے۔ بلکہ قافلوں کی پاسبانی اور نگہبانی کے معاوضہ میں بطور خراج و ٹیکس کے مقررہ رقم وصول کرتے ہیں جو مسافروں اور جانوروں اور اونٹوں وغیرہ پر لیتے ہیں تو ان لوگوں کا معاملہ جنگی وصول کرنے والوں جیسا ہوگا۔ اور جنگی وصول کرنے والوں جیسی عقوبت وسزا ہوگی۔ فقہاء نے ایسے لوگوں کو قتل کرنے کے جواز میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ وہ قطاع الطریق۔ ڈاکو اور راہزن نہیں ہیں۔ لیکن ان کے بغیر بھی راستہ جاری اور چالو رہتا ہے۔ باوجود اس کے ایسے لوگ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ہو گئے۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک غامدیہ عورت کے بارے میں فرمایا ہے۔

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَلَهُ۔ — اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر جنگی ٹیکس وصول کرنے والا ایسی توبہ کرلیوے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔

اور ایسے لوگ جن کا مال برآمد کرنا ہے۔ اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت ان کی پشت پر ہے، اور محارب لوگوں سے لڑتی ہے۔ ان کے لئے مال قطعاً خرچ نہ کیا جائے۔ جبکہ جنگ و قتال ان سے ممکن ہو، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ حُرْمَتِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ — جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوا وہ شہید ہے جو شخص اپنی جان بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے جو شخص اپنا دین بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے۔ اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی حرمت بچانے میں قتل ہوا وہ بھی شہید ہے۔

اور فقہاء نے اس جگہ "الصائل" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بلا تاویل بلا ولایت وحکومت کے ظلم کرتا ہے۔

اور جب اس کا دفعیہ بغیر جنگ و قتال کے نہیں ہوسکتا تو ان سے جنگ و قتال کیا جائے۔ اگر جنگ و قتال نہ کیا جائے، اور کچھ مال وغیرہ دے کر انہیں راضی کرلیا جائے۔ تا امکان مال دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی حرمت پر حملہ کیا جائے۔ کسی کی محارم سے زنا کیا جائے۔

یا کسی عورت یا مملوک لڑکے سے فجور و بدکاری کی جائے تو جان و مال سے تا امکان اسکی مدافعت کی جائے، اگر قتال و جنگ کرنا پڑے تو یہ بھی کرے۔ لیکن کسی طرح ایسے کام کی اجازت نہ دیوے۔ بخلاف مال دینے کے کہ یہ جائز ہے کیونکہ مال کا خرچ کرنا جائز ہے۔ اور اپنے ساتھ یا محارم عورتوں کے ساتھ فجور و بدکاری قطعاً جائز نہیں ہے۔

اور جب اس کا مقصود یہ ہو کہ کسی کو قتل کرے۔ تو اس کے لئے اپنی جان بچانا لازم ہے۔ اور یہ مدافعت اس پر واجب ہے۔ اس میں علماء کے اور امام احمدؒ کے اور دوسروں کے مذہب میں دو قول ہیں۔ یہ اس وقت جبکہ لوگوں کا سلطان موجود ہو۔ لیکن اگر العیاذ باللہ عظیم فتنہ ہو۔ مثلاً دو مسلم سلطان باہم جنگ کرتے ہیں اور ملک کے لئے جنگ کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں انسان کے لئے جائز ہے جبکہ ان میں سے ایک دوسرے کے ملک میں داخل ہو گیا ہے، اور تلواریں باہم چل رہی ہیں۔ ایسے فتنہ کے وقت اپنی جان بچانا ضروری ہے۔ اپنی جان ان کے حوالہ کر دیوے، اور دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دیوے۔ امام احمدؒ کے مذہب میں اور دوسروں کے مذہب میں اس بارے میں دو قول ہیں۔

جب اپنا سلطان محارب حرامیوں، چوروں، اور راہزنوں، پر کامیاب ہو۔ اور وہ مال وغیرہ لوٹ چکے ہیں تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں سے مال نکلوائے، اور جن کا ہو ان کو دے دے۔ اور ان محارب حرامیوں پر حد جاری کرے، یہی حال اور یہی حکم چوروں کا ہے۔ اگر یہ لوگ مال حاضر کرنے میں تامل کریں، اور مال کا ثبوت سلطان کو مل چکا ہے تو سلطان ان کو اسیر و قید اور حبس کرے اور مار مارے اور مناسب عقوبت و سزا دیوے۔ تا آنکہ جو کچھ ان لوگوں نے لیا ہے۔ وہ حاضر کر دیں یا کسی کو اپنا وکیل بنا دیں کہ وہ لا کر مال حاضر کر دیں یا جہاں مال چھپایا ہے اس کی خبر دیویں جیسے حق واجب اور قابل ادا کو نہ دینے والے کو عقوبت و سزا دی جاتی ہے اور جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں عورت (بی بی) کو مارنے کا حکم دیا جب وہ مرد کا شوہر کا حق ادا نہ کرے، اور عورت (بی بی) مرد سے سرکشی کرے، اور عقوبت و سزا صاحب مال کا حق ہے۔ تو یہ لوگ بدرجہ اولیٰ عقوبت و سزا کے حقدار ہیں اور زیادہ سزاوار عقوبت و سزا ہیں۔ اور پھر بھی اگر صاحب مال ان کو بخش دیوے یا مصالحت کر کے عقوبت و سزا کو معاف کر دیوے تو یہ اسے اختیار ہے بخلاف حد قائم اور جاری کرنے کے کہ حد قائم اور جاری کرنا واجب ہے اور اسے حد معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کسی حال میں حق نہیں کہ حد قائم کرنے سے وہ روکے۔

اور امام، حاکم کے لئے یہ جائز نہیں کہ صاحب مال کی بات کو پکڑے رہے کہ اس نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ یا معاف کر دیا۔ اور اگر مال وہ خرد برد کر چکا ہے۔ یا کسی اور طریقہ سے تلف اور ضائع ہو گیا ہے تو اس مال کی ضمانت لی جائے گی جس طرح کہ غاصب لوگوں سے ضمانت لی جاتی ہے۔ اور یہ قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے، اور جب تک اسے عسرت و تنگی ہے آسانی اور سہولت ملنے تک مہلت دی جائے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے غرم اور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور یہ قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں یہ ضمانت یُسرو آسانی تک ہو گی فقط۔ اور یہ قول امام مالکؒ کا ہے، اور سلطان کے لئے جائز نہیں کہ مال مالکوں سے ان محاربین کے مقابلہ ان پہ حد قائم کرنے، ان سے مال واپس دلوانے کے عوض کچھ مقررہ رقم لیوے۔ نہ چوروں کے مقابلہ کے لئے عوض کچھ لیوے، سلطان کو اپنے لئے بھی لینا جائز نہیں، نہ لشکر اور فوج کے لئے کچھ لینا جائز ہے۔ بلکہ ان کا مقابلہ کرنا جہاد ہے۔ اور جہاد و غزوات کیلئے جہاں سے ان کا خرچ دیا جاتا ہے وہاں سے ان کا خرچ بھی دیوے۔ جس مد میں سے مجاہدین کو دیا جاتا ہے۔ اسی میں سے ان مجاہدین کو دیوے۔ اگر ان مجاہدین کو زمینیں دی گئی ہیں۔ یا حکومت کی جانب سے انہیں اتنا مل رہا ہے کہ ان کے لئے کافی ہے تو بس کرنا ہے۔ اور اگر کافی نہیں ہے تو مصالح قوم کے لئے جو صدقات وغیرہ جمع ہیں اس میں سے بقدر کفایت ان کو دے دیوے۔ کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اگر مسافر پکڑے گئے ہیں اور ان پہ زکوٰۃ باقی ہے، مثلاً وہ تاجر ہیں اور چوروں کے نرغے میں پھنس گئے ہیں تو امام اور حاکم ان سے مال کی زکوٰۃ ضرور وصول کرے۔ اور اس زکوٰۃ کے مال کو اس جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرے جس طرح کہ محارب لوگوں کے مقابلہ میں لڑنے والوں کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔

اور اگر یہ گروہ باشوکت وعظمت اور قوی ہے جن کی تالیف قلوب ضروری ہے تو امام حاکم مال فیٔ اور جو مصالح معین کے لئے جمع ہے اس میں سے اور زکوٰۃ میں سے بعض روٗسار اور سرداروں کو دیوے تاکہ وہ باقی دوسروں کو حاضر کریں۔ یا یہ کہ خود شرارت اور سرکشی چھوڑ دیں، اور باقی میں ان لوگوں کا زور کم ہو جائے تو یہ اور اس جیسا کرنا امام و حاکم کے لئے جائز ہے اور یہ لوگ مؤلفۃ القلوب میں شمار کئے جائیں گے۔ اور امام احمدؒ اور بہت سے ائمہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اور ظاہر کتاب وسنت اور اصول شریعت بھی یہی ہے۔

اور امام و حاکم کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو ان حرامی، چوروں، راہزنوں، اور ڈاکوؤں کے مقابلہ میں نہ بھیجے جو ضعیف اور کمزور ہوں۔ اور نہ ایسے لوگوں کو بھیجے جو مسافر ہیں اور پکڑے گئے ہیں یا تاجر و سوداگر اور مالدار ہیں ان سے تو مال وغیرہ وصول کر لیا جائے۔ بلکہ قوی و مضبوط اور امین لوگوں کو بھیجے۔ مگر ہاں جبکہ قوی اور مضبوط اور امین آدمیوں کا ملنا دشوار ہو۔ اس صورت میں کوشش کرے اور امثل فالامثل کو بھیجے۔

بعض نائبین سلطان، اور رؤسا، و حکام، اور سردار و سالار ظاہر و باطن میں حرامی، چوروں اور ڈاکوؤں۔ اور راہزنوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور یہ ظاہر یا باطن میں ان کو شہہ دیتے ہیں۔ جو مال حرامی، چور، ڈاکو، اور راہزن لوٹتے ہیں اس میں ان کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ ماخوذین کو کچھ مال دے کر راضی کر لیتے ہیں۔ اور بوجہ مجبوری وہ اسے منظور بھی کر لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عظیم ترین جرم ہے کہ حرامیوں، چوروں، ڈاکوؤں، راہزنوں کے مقدم اور سردار سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ان کی مدافعت ممکن ہے۔ اور اس کی مدافعت نہیں ہو سکتی۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ جو ان کی مدد و معاونت کرتا ہے عقوبت و سزا کا مستحق ہے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں تو ان کو قتل کیا جائے اور یہی قول حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ اور اکثر اہل علم کا ہے۔ اگر یہ لوگ مال لیویں تو سیدھا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں۔ و مال لوٹیں تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ ایک گروہ اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور قتل کر دیا جائے۔ اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اور بعض کا قول ہے قتل اور سولی پر لٹکانے میں اختیار ہے۔ کیونکہ گرچہ اس نے اس غارتگری اور لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا۔ تو اسکی اجازت دی لیکن جب ان کو پکڑا گیا اور ان پر قدرت پالی گئی اس وقت وہ تقسیم مال میں شریک تھا۔ اور بعض حقوق اور حدود کو اس نے بیکار کر دیا۔ جو شخص محارب یا چور۔ یا قاتل وغیرہ کو جس پر حد جاری کرنا واجب ہے۔ خدا اور بندے کا حق ادا کرنا فرض ہے۔ اور بلا عدوان و زیادتی کے پورا پورا حق دیا جا سکتا ہے لیکن یہ ان کو پناہ دیتا ہے۔ اس لئے وہ مجرم ہے اور اس کا شریک ہے جس پر خدا۔ اور اس کے رسولؐ نے لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کے اندر حضرت علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا (رواہ مسلم)	خدا نے اس پر لعنت بھیجی ہے جو جرم و گناہ کرے یا مجرم گنہگار کو پناہ دیوے۔

جب یہ ظاہر اور ثابت ہو جائے کہ فلاں آدمی نے محدث کو پناہ دی ہے تو اس کا مطالبہ کیا جائے کہ وہ مجرم کو حاضر کرے۔ یا اس کی خبر دیدے کہ فلاں جگہ، فلاں مقام پر ہے۔ اگر وہ حاضر کر دیوے، یا خبر اور اطلاع دے دیوے تو فبہا ورنہ اسے حبس کی سزا دی جائے۔ اسے پیٹا جائے بار بار پیٹا جائے تاآنکہ اصل مجرم پر قدرت وقابو حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ ذکر کر چکے ہیں کہ ادائے مال واجب سے روکنے والے۔ اور نہ دینے والے کو عتاب و سزا دی جائے۔ پس جن لوگوں کا حاضر کرنا ضروری اور واجب ہے اور جنہوں نے مال لوٹا ہے۔ اور اس کا واپس کرنا اور دینا ضروری ہے، اور اس سے وہ منع کرتا ہے یا روکتا ہے۔ تو ایسے شخص کو عقوبت و سزا دی جائے۔

اگر کوئی شخص مال حق و مطلوب یا آدمی حق مطلوب کو جانتا ہے۔ لیکن اسے روکتا اور چھپاتا نہیں۔ ہے تو اس پر واجب ہے کہ مال مطلوب اور شخص مطلوب کا پتہ بتلا دیوے کیونکہ اس کے لئے اس کا چھپانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کا تعاون ہے۔ اور نیکی و تقویٰ کا تعاون واجب ہے۔ بخلاف اس کے کہ کوئی جان و مال باطل طریقہ پر مطلوب ہو تو اس کا بتلانا اور اس کی خبر دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ یہ اثم و عدوان کا تعاون ہے۔ بلکہ اس کام کی مدافعت واجب ہے۔ کیونکہ مظلوم کی نصرت و اعانت واجب ہے جیسا کہ صحیحین کے اندر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا	تم اپنے بھائی ظالم کی مدد کرو، یا مظلوم کی مدد کرو
قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا	میں نے کہا یا رسول اللہ مظلوم کی مدد تو ٹھیک ہے
فَكَيْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا. قَالَ تَمْنَعُهٗ	ظالم کی امداد ہم کیسے کریں؟ آپ نے فرمایا اسے ظلم
مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ.	سے روکو۔ یہ تمہارے بھائی ظالم کی
(رواہ الصحیحین)	امداد ہے۔

اور صحیحین کے اندر حضرت براء بن عازب نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات چیزوں کا حکم فرمایا۔ اور سات چیزوں سے ہم کو منع فرمایا۔ ہم کو حکم دیا کہ ہم مریض کی عیادت کریں۔ جنازے میں شرکت کریں۔ اور چھینک کا جواب دیں۔ اور قسم کھائی ہو تو اسے پورا کریں۔ کوئی دعوت دیوے تو اسے قبول کریں اور مظلوم کی نصرت و امداد کریں۔ اور ہمیں منع کیا ہے، سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور چاندی کے برتن میں پینے سے۔ اور میاثرہ، اور قسی، دیباج، اور استبرق کے پہننے سے۔

پس اگر یہ جاننے والا جسے ٹھکانہ اور پتہ معلوم ہے اور وہ اس کا ٹھکانہ اور پتہ بتلانے سے انکار کرتا ہے، تو اسے عقوبت وسزا دینا جائز ہے۔ خواہ سزا حبس ہو یا کوئی دوسری سزا تاآنکہ وہ اس کا پتہ بتلا دیوے۔ کیونکہ حق واجب سے وہ انکار کرتا ہے جس میں کسی کی نیابت نہیں چل سکتی، تو اسے عقوبت وسزا دی جائے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

اور اسے عقوبت وسزا دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معلوم اور ثابت نہ ہو جائے کہ یہ جانتا ہے اور ٹھکانے کی وہ خبر رکھتا ہے۔ اور یہ حکم تمام حکام کے لئے ضروری ہے والی ہو، یا قاضی، یا دوسرا کوئی ہو تمام پر لازم ہے۔ کہ واجب کو چھپانے قول وفعل سے سوکنے والے کی تحقیق کریں۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ تم پر حق اور واجب تھا اور اس پر نہیں لگا۔ نہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جائے جیسا کہ اس آیت کے اندر وارد ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط (النجم ع ۳) — کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بار اپنی گردن پر نہیں لے گا۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ اِلَّا عَلٰی نَفْسِہٖ۔ — آگاہ رہو کہ کوئی بھی مجرم گناہ نہیں کرتا مگر اپنی جان پر۔

جیسے کہ غیر واجب الاداء مال کا کسی سے مطالبہ کیا جائے کہ اس کا وکیل ہے نہ ضامن۔ اور نہ ہی مال اس کے پاس ہے۔ یا یہ کہ کسی کو قرابتداری یا پڑوسی کے جرم میں عقوبت وسزا دی جائے۔ حالانکہ وہ خود کسی واجب کے ترک کرنے کا مجرم نہیں۔ نہ اس نے کوئی حرام کام کیا ہے۔ عقوبت وسزا اس کو دی جائے جو اس کا مستحق ہے۔ جبکہ ایسے ظالم کا ٹھکانہ معلوم نہیں وہ کہاں چھپا ہے؟ اس کا اسے علم نہیں تو عقوبت وسزا قطعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر اس کا پتہ اسے معلوم ہے تو اس پر حق ہے کہ وہ بتلا دیوے۔ اور ولی اور حاکم کا فرض ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اسے منوائے۔ یا جہاں مال رکھا ہے جس سے مستحقین کے حقوق وابستہ ہیں اس مقام کو وہ جانتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ بتلا دیوے۔

یہ اعانت ونصرت کتاب وسنت کی رو سے اس پر واجب ہے اور اجماع امت سے اس پر واجب ہے۔

اگر یہ اس لئے بچتا۔ اور رکتا یا انکار کرتا ہے کہ اس سے ڈرتا ہے یا ظالم کی اعانت کی

غرض سے کہ اس کی حمایت مقصود ہے اس لئے بتلانے سے انکار کرتا ہے جیسا کہ اہل عصبیت ایک دوسرے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ یا مظلوم سے عداوت و دشمنی ہے اس لئے بتلانے سے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ (مائدہ ع ۱)	اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کا باعث نہ ہو کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

یا یہ کہ اللہ تعالےٰ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے سے اعراض کرتا ہے۔ یا عدل و انصاف سے اعراض کرتا ہے۔ یا جبن و بزدلی اور کسل کی وجہ سے۔ یا خذلان دین کی غرض سے اجتناب کرتا ہے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ اس کے دین اس کی کتاب کے تارک کیا کرتے ہیں۔ جب ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے اٹھو، چلو اللہ کی راہ میں جہاد کرو تو وہ زمین پر چپک کر رہ جاتے ہیں۔ بہر تقدیر ایسے لوگ عقوبت و سزا کے مستحق ہیں۔ اور تمام علماء اس پر متفق ہیں۔

جو لوگ اس راہ پر گامزن ہیں وہ حدود خداوندی کو معطل و بیکار کر رہے ہیں اور خدا کے بندوں کے حقوق ضائع کر رہے ہیں، اور اپنے قوی اور طاقتوں کو ضعیف کر رکھا ہے، یہ اس شخص کے مشابہ ہیں جس کے پاس کسی ظالم جاہل کا مال ہے۔ اور وہ حاکم عادل کو دینے سے انکار کرتا ہے۔ حاکم عادل اپنا دینی فرض ادا کرنا چاہتا ہے۔ اس پر واجب نان ونفقہ ہے اسے ادا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اہل وعیال اقرباء اور غلاموں۔ چوپایوں قریب کے رشتہ داروں پر جن کا نان ونفقہ اس پر واجب ہے۔ اور مثلاً قاتل کے رشتہ داروں پر دیت واجب ہے اسے وصول کرنا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے حقوق پر حاکم عادل خرچ کرنا چاہتا ہے اور یہ اس سے منع کرتا ہے۔ روکتا ہے، پس اس قسم کی تعزیر و عقوبت اس شخص کو دی جائے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے پاس ایسا مال۔ یا جان موجود ہے جس کا دینا اور حاکم عادل کے سپرد کرنا ضروری ہے۔ لیکن وہ نہیں دیتا اور حاضر نہیں کرتا جیسے کہ قطاع الطریق۔ راہزن۔ ڈاکو۔ اور چور آپس میں ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کے لئے یہ عقوبت و سزا ہے۔ اور عقوبت و سزا ان لوگوں کے لئے ہے،

جن کے متعلق معلوم اور ثابت ہو کہ وہ اس قسم کے مال کو یا جان کو وہ جانتے ہیں۔ کہ کہاں رکھا ہوا ہے۔ اور کہاں چھپا ہوا ہے ؟

لیکن اگر وہ اس لئے خبر نہیں دیتا۔ یا حاضر نہیں کرتا کہ خود طالب اس پر تعدی اور ظلم کرے گا تو ایسا شخص محسن ہو گا۔ اور وہ نیک کام کر رہا ہے۔ لیکن اس کا امتیاز مشکل اور دشوار ہے کہ ناجائز حمایت کونسی ہے۔ اور ظلم و تعدی سے بچنے کے لئے حمایت کی جاتی ہے وہ کونسی ہے شبہہ اور شہوت دونوں جمع ہوتے ہیں اور دونوں کا امکان موجود ہے۔ اس وقت حاکم کا فرض ہے کہ حق و باطل میں امتیاز حاصل کرے۔ اور اکثر ایسا رؤسا دیہات اور شہر کے امراء میں ہوتا ہے۔ جب کوئی پناہ گیر ان کے پاس پہنچتا ہے اور پناہ مانگتا ہے یا کوئی قرابتدار پناہ مانگتا ہے یا کوئی دوست واحباب میں سے پناہ چاہتا ہے تو ان کی رگ حمیت بھڑک اٹھتی ہے، اور حمیت جاہلیہ۔ اور اوباش لوگوں میں عزت ورسوخ اس گناہ پر انہیں برانگیختہ اور آمادہ کر دیتا ہے۔ اور وہ ان کی حمایت و نصرت کے لئے آستینیں چڑھا لیتے ہیں۔ اگرچہ وہ ظالم اور مظلوم دونوں کے حقوق پامال کر رہے ہیں خصوصاً جبکہ مظلوم کوئی رئیس و امیر ہو جو ان کے ہم پلہ ہو۔ تو مستجیر و پناہ گیر کو سپرد کرنا اپنے لئے عار اور موجب غیرت سمجھتے ہیں۔ اور اپنی ذلت و توہین تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھنا اور ایسا تصور کرنا علی الاطلاق جاہلیۃ محض ہے، اور ایسے لوگ ہی دین و دنیا کے فساد اور تباہی و بربادی کا بڑے سے بڑا سبب ہیں اور کہا گیا ہے جاہلیت کی اکثر لڑائیاں اسی سبب سے ہوئی ہیں۔ مثلاً حرب البسوس جو بنی بکر اور بنی تغلب میں ہوئی اس قسم کے تعصب اور اسی قسم کی عصبیت کی وجہ سے ہوئی ہے[1] اور اسی قسم کی عصبیت جاہلیت تھی جس کی وجہ سے ترک، تاتاری دارالاسلام میں

---

[1] بکر و تغلب دو بڑے خاندانوں کے نام ہیں ان دو قبیلوں میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ اس کو حرب بسوس کہتے ہیں۔ کلیب وائل ابن ربیعہ اپنے قبیلے میں بڑے رعب داب کا آدمی تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ کسی غیر کی ایک اونٹنی اسکے اونٹوں میں چر رہی ہے، یہ اونٹنی ایک مہمان کی تھی جو بسوس بنت منقذ تمیمیہ کے ہاں مہمان تھا۔ کلیب کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اس کے اونٹوں میں غیر کی اونٹنی چرے، اس کی چراگاہ میں دوسرے کا اونٹ آ جائے۔ فوراً اٹھا اور تیر سے اس کے تھنوں کو زخمی کر دیا۔ اور بھگا دیا۔ جب اونٹنی گھر پہ آئی بسوس نے دیکھا کہ وہ زخمی ہے سر پہ ہاتھ رکھ کر چلائی وا ذلاہ افسوس ایسی ذلت، بسوس کا چلانا تھا کہ بنو بکر میں ہیجان کی لہر دوڑ گئی۔ ان میں سے ایک شخص مہلہل نے برچھے سے کلیب پر حملہ کر دیا۔ اور اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ دونوں خاندانوں میں (باقی بر صفحہ ۱۹۵)

داخل ہوئے۔ اور ماوراء النہر۔ اور خراسان وغیرہ کے سلاطین اور بادشاہوں پر غلبہ و اقتدار پایا۔ اور یہی عصبیت جاہلیہ تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ مسلمانوں کے ملک پر غلبہ و اقتدار حاصل کیا اور ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے[1]۔ اور اس قسم کے طبقہ کی مثالیں بہت سی پیش کی جا سکتی ہیں۔ جو

(بقیہ ص۱۹۴) لڑائی چھڑ گئی اور عرصہ تک جاری رہی۔ ۴۹۱ھ سے لے کر ۵۳۰ھ تک خون و خرابہ ہوتا رہا۔ بہت سے بے گناہ طرفین کے اس میں مارے گئے۔ بہت سے ناکردہ گناہوں کا خون بہا۔ بہت سی روحیں تڑپ تڑپ کر ٹھکانے لگیں بہت سے قبیلے اس سے ضعیف و کمزور ہو گئے۔ اور دیکھا جائے تو بات کچھ نہیں۔ سوائے ظلم و عدوان، بغاوت و غلو اور ناجائز انتقام کی لگن کے۔

حالی مرحوم نے اس کا نقشہ خوب کھینچا ہے۔

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی — صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی

قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی — تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ

کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

پس جس طرح ظلم و عدوان، ناجائز عیش، عیاشی، عیش کوشی، فسق و فجور، امتوں، قوموں، قبیلوں کو برباد کر دیتی ہیں اور انہیں ختم کر کے ان کا نام و نشان مٹا دیتی ہے۔ اسی طرح غفلت، طمع و لالچ، اغیار و اجانب سے کھیل کرنا اور اپنے ملک میں سیاسی، اقتصادی کھیل کھیلنے کے چھوڑ دینا، بڑے سے بڑا سبب ہے وطن، ملک اور قوم کو ختم کرنے کا۔ فَلْيَتَدَبَّرِ الْمُتَدَبِّرُوْنَ۔ ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہ

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] دولت عباسیہ کا انجام قابل عبرت ہے جن کی حکومت مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھی عرب و عجم، ایران و روم، سندھ وغیرہ جن کے قبضہ میں تھا کرۂ زمین پر جن کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، یورپ و ایشیا میں جن کا اقتدار قائم تھا۔ خلیفہ منصور عباسی، ہارون رشید، مامون رشید۔ جیسے علم پرور خلفاء گزرے ہیں جنہوں نے دنیا میں علم و حکمت کی بنیادیں قائم کیں۔ جنہوں نے دنیا کو حکومت کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ جن کی بدولت یورپ میں علوم پھیلے۔ جن کے عہد میں علماء فضلاء حکماء ارباب حکمت و فلسفہ بغداد میں جمع ہو گئے۔ جنہوں نے اپنی طویل اور عریض مملکت میں بڑے بڑے دار العلوم اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کیں۔ جن کا عہد نہایت روشن تھا کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا بھر کے استاد تھے۔ جن کی طاقت، عظمت و شوکت کا سکہ ساری دنیا پر تھا۔ یوں عصبیت جاہلیت کا شکار بن کر رہ گئے۔ دین و شریعت کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی۔ ان کی فوجوں اور لشکروں میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سنی اور شیعہ جمع تھے۔ ان میں مذہبی عصبیت (باقی برص ۱۹۶)

شخص اللہ کے لئے اپنی جان کو ذلیل کرتا ہے اللہ تعالےٰ اسے عزت دیتا ہے جو شخص حق و انصاف کرتا ہے اور اپنی جان کو ہیچ سمجھتا ہے، اسے اللہ تعالےٰ عزت و اکرام سے نوازتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اکرم الخلق وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔ اور جو شخص ظلم و جور کے ذریعہ عزت حاصل

(بقیہ ص۱۹۵) اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ایک ان میں دوسرے کو لاشئی محض سمجھتا تھا۔ بلکہ وہی حالت تھی جو عہد نبوی میں یہود و نصاریٰ کی تھی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى	اور یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں اور
عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ	نصاریٰ کہتے ہیں یہود کا مذہب کچھ نہیں حالانکہ
الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ	وہ دونوں فریق کتاب الٰہی کے پڑھنے والے
(بقرہ ع ۱۴)	ہیں۔

ان میں ہر فریق دوسرے فریق کو کھائے جاتا ہے۔ نوج سے لے کر شہر کی مساجد تک یہ مرض پھیلا ہوا تھا اور عصبیت مذہبی کی بنا پر آپس میں دست و گریبان تھے۔ آپس میں تلواریں چلتی تھیں۔ شیعہ اپنی فکر میں تھے کہ وقت سے فائدہ اٹھا کر اپنی خلافت قائم کریں۔ عباسی خلافت کا وزیر اعظم ابن علقمی شیعہ تھا عصبیت جاہلیہ کو کام میں لا کر چنگیز خاں کو عباسی حکومت کے خلاف دعوت دی۔ عباسی حکومت پہلے ہی سے عصبیت جاہلیہ میں پھنس چکی تھی۔ مسلمانوں کی قوت منتشر ہو چکی تھی۔ تاتاری بھیڑیئے دوڑ پڑے اور دار السلام بغداد میں خون کی ندیاں بہا دیں تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو قتل کے گھاٹ اتار دیا۔ ان میں زیادہ تر علماء، فضلاء، امراء، رؤساء، سپہ سالار تھے۔ غرض! باہمی چپقلش اور مذہبی عصبیت بُری طرح کام کر رہی تھی۔ ادھر خوارزم شاہ۔ اور خلفاء عباسیہ میں باہم رنجش چل رہی تھی۔ ہندوستان، افغانستان اور غور پر خاندان غوری حکومت کر رہا تھا۔ مصر میں فاطمی خاندان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ ختم ہو رہا تھا۔ ادھر تاتاری درندوں، اور خوارزم شاہ میں چل پڑی۔ تاتاری بھیڑیئے ممالک اسلامیہ پر چڑھ دوڑے۔ ممالک اسلامیہ، ایشیاء، اور مشرقی یورپ تمام پر قبضہ جمالیا۔ بغداد پر اس زور کا حملہ کیا اور قتل عام شروع کر دیا، کہ الامان والحفیظ۔ اس طرح ایک بہت بڑی مملکت تباہ و برباد ہو گئی اور عصبیت جاہلیہ کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی۔ حالی مرحوم نے مختصر الفاظ میں اس کے انجام کا خاکہ کھینچ دیا ہے۔

وہ بلدہ کہ فخر بلاد جہان تھا	تر و خشک پر جس کا سکہ رواں تھا
گڑا جس میں عباسیوں کا نشان تھا	عراق و عرب جس سے رشک جنان تھا
اڑا لے گئی باد پندار جس کو	بہا لے گئی سیل تاتار جس کو

آہ ـ آہ ـ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ (باقی بر ص۱۹۷)

کرنا چاہتا ہے۔ اور حق کو پامال کرتا ہے۔ وہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالے اسے ذلیل کرتا ہے۔ وہ خود اپنے کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ اپنی جان کو رسوا کرتا ہے۔ اپنی توہین خود کر رہا ہے۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

(بقیہ ص۱۹۶) وہ خلافت کبریٰ جس کی بنیاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں رکھی تھی وہ خلافت کبریٰ جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے دامسر وری دردین ما خلاست گرلیست کے اصول پر چلائی، وہ خلافت جس کی تعمیر کتاب و سنت پر ہوئی تھی، وہ خلافت جس کیلئے آسمان سے دستور بن کر اترا۔ وہ خلافت جس نے آدھی صدی سے کم میں آدھی دنیا پر قبضہ کر لیا۔ اور پوری دنیا سے اپنا اقتدار منوالیا۔ وہ خلافت جس نے ہر طرف امن و چین پھیلا دیا۔ وہ خلافت جسے دنیا کی قومیں امن و راحت کا گہوارہ سمجھتی تھیں۔ وہ خلافت جس نے اخوت و مساوات ہمدردی اخلاق خدا پرستی، عدل و انصاف کو زندہ کیا۔ وہ خلافت جو نوع انسانی کے لئے سراسر رحمت تھی۔ وہ خلافت جو دنیا و عقبیٰ، مبدا و معاد کی اصلاح کی کفیل تھی۔ وہ خلافت جس نے عرب کے قبائل کو شیر و شکر کر کے رکھ دیا۔ وہ خلافت جس پر فرشتے بھی رشک کرتے تھے۔ اس طرح برباد ہو گئی۔ حالی مرحوم نے اس خلافت کا نقشہ کس عمدگی سے کھینچا ہے۔

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا

یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ کوئی تھا چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہبان ہو گلے کا جیسے نگہبان چوپان
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکسان نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایان

کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی
زمانے میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ!
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

فَلْيَتَدَبَّرِ الْمُتَدَبِّرُونَ۔

ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ط (فاطر ع ۲)

جو شخص عزت کا خواہاں ہے تو عزت ساری خدا کے لئے ہے۔

اور منافق لوگوں کے متعلق خدا کا ارشاد ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (منافقون ع ۱)

یہ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے تو سہی۔ حالانکہ اصل عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے مگر منافق اس بات سے واقف نہیں۔

اور اسی قسم کے لوگوں کے متعلق خدا کا ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ط وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (بقرہ ع ۲۵)

اے پیغمبر! بعض آدمی ایسے بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیا کی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنی دلی ارادت پر خدا کو گواہ بناتے ہیں۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہیں اور وہ جب لوٹ کر جائے تو ملک کو کھوندمارے تاکہ اس میں فساد پھیلائیں اور کھیتی باڑی کو اور آدمیوں اور جانوروں کی نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اسے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو شیخی دامنگیر ہو کر ان کو گناہ پر آمادہ کرے پس ایسے نابکاروں کو بس جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پس واجب اور لازم ہے کہ جس کے پاس مستجیر اور پناہ گیر پناہ کے لئے آئے وہ دیکھ لیوے اور تحقیق کرلیوے کہ واقع میں وہ مظلوم ہے۔ اگر مظلوم ہے تو پناہ دلیوے، اور مظلوم ہونا صرف دعوےٰ کرنے سے کہ میں مظلوم ہوں ثابت نہیں ہوتا بسا اوقات ایک شخص ظالم ہوتا ہے لیکن وہ اپنے کو مظلوم بتاتا ہے۔ اس نے خصم سے دریافت کرے۔ دوسروں سے معلوم کرے اور پوری تحقیق کرے۔ اگر تحقیق سے ثابت ہو کہ واقع میں وہ مجرم ہے۔ ظالم ہے تو حکومت کے

سپر دکرے۔ اور ظلم سے اُسے روکے۔ خُلق اور نرمی سے سمجھا بجھا کر راہ راست پہ لائے۔ اور اگر صلح ممکن ہو دونوں میں صلح واشتی کرا دیوے۔ اگر عدل وانصاف کے ساتھ حکم ومنصف کے ذریعہ فیصلہ ممکن ہو تو اس کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے تو قوت و طاقت سے کام لیوے۔

اگر معاملہ ایسا ہے کہ دونوں فریق ظالم ہیں اور دونوں مظلوم بھی ہیں۔ جس طرح کہ نفس پرست خواہشات کے پجاری ہوا کرتے ہیں۔ جیسے کہ قیس دلین کے قبیلے۔ اور اکثر شہری اور دیہاتی دعویدار ایسے ہی ہوتے ہیں۔

یا دونوں فریق ظالم نہیں ہیں۔ بلکہ کسی شبہہ یا تاویل یا غلطی کی وجہ سے باہم اُلجھ گئے ہیں اگر ایسا ہے تو اس کی اصلاح کرے۔ یا حکم بنا کر فیصلہ کرلیوے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(حجرات ع ۱)

اور اگر تم مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر ان میں کا ایک فرقہ اگر دوسرے پہ زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے تم لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع لائیں۔ پھر جب رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بے شک اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں۔ مگر ہاں جو خیرات یا نیک کاموں میں یا لوگوں میں میل جول کی صلاح دے۔ اور جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایسے نیک کام کریگا تو ہم اسکو

نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (النساء ع ۱۷) بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اور ابوداؤد اپنی سنن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ آپ سے کہا گیا کیا یہ بھی عصبیت جاہلیہ ہے کہ ایک شخص حق بات پر اپنی قوم اور قبیلے کی نصرت واعانت کرے؟ آپ نے فرمایا لا۔ نہیں۔ اور فرمایا۔

وَلٰكِنَّ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ فِي الْبَاطِلِ۔ عصبیت یہ ہے کہ آدمی باطل میں اپنی قوم کی اعانت و امداد کرے۔

(رواہ ابوداؤد)

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

خَيْرُكُمُ الدَّافِعُ عَنْ قَوْمِهِ مَا لَمْ يَأْثَمْ۔ تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی قوم کی مدافعت کرے اور اس میں وہ گنہگار نہ ہو۔

پھر آپ نے فرمایا:۔

مَثَلُ الَّذِي يَنْصُرُ قَوْمَهُ بِالْبَاطِلِ كَبَعِيرٍ تردى فِي بِئْرٍ فَهُوَ يُجَرُّ بِذَنَبِهِ۔ جو شخص باطل پر اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ مثل اس اونٹ کے ہے جو کوئیں میں گر پڑا اور اپنی دم ہلا رہا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:۔

مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَتَعَزَّى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاعْضُوهُ هَنَّ اَبِيهِ وَلَا تَكْنُوا۔ جس شخص کے متعلق تم سنو کہ اس نے جاہلیت کا جھنڈا بلند کیا ہے تو اسے جڑ بنا سے اکھاڑ پھینکو کہ وہ پھولنے پھلنے نہ پائے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ بات جو دعوت اسلام اور دعوت قرآن سے خارج ہے۔ اب خواہ وہ نسب کے اعتبار سے ہو۔ شہر اور آبادی کے لحاظ سے ہو۔ یا جنس اور قوم۔ یا مذہب کے اعتبار سے ہو۔ یا کسی دوسرے اعتبار سے ہو۔ جاہلیت ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ جاہلیت کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا ہے جیسا کہ دو آدمی مہاجر اور انصار میں باہم لڑ پڑے تو مہاجر پکار اٹھا يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ! اور انصاری پکار اٹھا يَا لَلْاَنْصَارِ! اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہنا پڑا:۔

أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ۔

کیا تم دعوائے جاہلیت سے کر کھڑے ہو گئے۔ اور ابھی تو میں تمہاری پشت پر ہوں۔

اور آپ ان پر سخت ناراض ہوئے اور غصہ کا اظہار فرمایا۔

تیرھویں (۱۳) فصل کے مضامین

چور کی چوری کی شہادت۔ یا اس کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو بلا تاخیر قید میں نہ رکھتے ہوئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ فدیہ وغیرہ لے کر نہ چھوڑا جائے۔

چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ اور یہ کتاب اللہ۔ کتاب الرسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(مائدہ ع ۶)

مسلمانو اگر مرد چوری کرے تو۔ اور عورت چوری کرے تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ تعزیر خدا کی جانب سے قرار پائی ہے اور اللہ زبردست واقف ہے تو جو اپنے قصور کے بعد توبہ کر لیوے اور سنوارے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

جب شہادت۔ گواہوں یا اس کے اقرار سے چوری ثابت ہو جائے تو اس پر حد جاری کرنے میں کسی قسم کی تاخیر جائز نہیں۔ نہ اسے قید میں رکھا جائے۔ نہ کسی قسم کا فدیہ لے کر اسے چھوڑا جائے۔ اور خاص معظم وقت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ حد قائم کرنا عبادات میں داخل ہے۔ جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ عبادات میں داخل ہے۔ اور یہی سمجھا جائے کہ حد جاری کرنا بندوں کے حق میں ایک بہت بڑی رحمت و رافت ہے۔ پس والی اور حاکم حد جاری کرنے میں سخت گیر ہونا چاہیئے کہ وہ کسی قسم کی رحمت و رافت سے کام نہ لیوے۔ اور حد کو معطل نہ کرے۔ اور اس کا قصد و ارادہ یہ ہونا چاہیئے کہ میں حد اس لئے جاری کر رہا ہوں کہ یہ مخلوق خدا پر رحمت و رافت ہے۔ اور منکرات سے لوگوں کو روک رہا ہوں[1]۔ غصہ کی آگ بجھانا۔ مخلوق خدا پر اپنی بڑائی اور بلندی جتانا مقصود نہ ہو

---

[1] آج دنیا کا ذہن یہ سمجھ رہا ہے کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا سخت ترین سزا ہے۔ لیکن حقیقت (باقی بر ص ۲۰۳)

جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے کو ادب دیتا ہے۔ ادب سکھاتا ہے۔ اگر وہ اپنے لڑکے لڑکی کی تادیب سے اپنے کو باز رکھتا ہے۔ اور اس کی ماں کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس کی ماں رقت نفس، اور رافت قلب کی وجہ سے ایسا برتاؤ کرتی ہے کہ لڑکا بالکل خراب ہو کر رہ جاتا ہے۔ باپ اسکو ادب سکھاتا ہے۔ اس کی اصلاح چاہتا ہے۔ اور یہ عین رحمت و رافت ہوتی ہے۔ لڑکے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کی عین خواہش ہوتی ہے۔ کہ اس کی تادیب ایسی ہو جائے کہ پھر کبھی وہ سر نہ اٹھائے اور دوسری مرتبہ ادب سکھانے کی ضرورت نہ رہے۔

اور بمنزلہ اس طبیب کے ہے جو مریض کو کہ یہہ اور کڑوی دوا دیتا ہے۔ یا بمنزلہ اس عضو کے ہے جو سڑ رہا ہے۔ اور اسے کاٹنے سے وہ خود بچ جاتا ہے۔ یا بمنزلہ پچھنے لگانے کے ہے کہ رگوں کو اس لئے زخمی کیا جاتا ہے کہ اسے آرام ملے۔ یا بمنزلہ فصد کھولنے کے ہے بلکہ بمنزلہ اس انسان کے ہے جسے کریہہ اور کڑوی دوا پلانے کے لئے مشقت برداشت کی جاتی ہے، یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ مریض کو شفا اور آرام ملے اور اسے راحت میسر آئے۔ یہی حال حدود جاری اور قائم کرنے کا ہے۔ محدود کو راحت ملے۔ حدود مشروع اسی لئے کی گئی ہیں کہ محدود کو دنیا و عقبیٰ میں آرام و راحت میسر آئے۔

حدود جاری کرنے میں والی اور حاکم کی نیت ارادہ اور قصد یہی ہونا چاہیئے کہ رعایا کی اصلاح

(بقیہ ص۲۰۲) اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس آبادی میں چوری ہو وہاں ایک دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹے گئے کہ ساری آبادی کو امن ہو گیا۔ کوئی بھی چوری نہیں کریگا۔ تو یہ ہاتھ کاٹنا بندگان خدا کے لئے عین رحمت ہے۔ بخلاف اس کے کہ آجکل جو سزا بھی چور کو دی جاتی ہے وہ ایسی ہے کہ ع بڑھتا اور ذوق گناہ یاں سزا کے بعد" لیکن شریعت اسلام نے جو سزا اور جو حد مقرر کی ہے اس کے بعد چوری ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا بھی راضی مخلوق بھی خوش۔ اور اگر حد کی حقیقت اسے معلوم ہو جس پر یہ حد جاری کی گئی تو وہ بھی خوش کہ آخرت کی سخت ترین سزا سے اسے امن مل گیا۔ متقی۔ و پرہیزگار بن گیا۔ اور ساری مخلوق کو آرام مل گیا۔

غرض یہ کہ شرعی حدود کے اندر بڑی برکت بڑی خیر ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں بن جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ دنیا کو سمجھ دیدے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کرے۔ اور دنیا کو امن ملے ایسا کریں۔ کم از کم اسلامی ممالک تو شرعی پیروی میں گامزن ہو جائیں اور حد کی برکتیں مشاہدہ کریں۔

(ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھری کان اللہ لہ)

ہو۔ اور منکرات سے روکا جائے۔ مخلوق خدا کے لئے جلب منفعت اور دفع مضرت مقصود ہو اور حق سبحانہٗ وتعالےٰ سے حدود قائم اور جاری کرنے میں خدا کی رضا مندی ورضا جوئی۔ اور وجہ اللہ کا قصد وارادہ رکھے۔ اس کے حکم کی اطاعت وپیروی کا قصد وارادہ رکھے۔ کہ اللہ تعالےٰ مخلوق کے قلوب کو نرم کر دیوے اور محدود کے لئے اسباب خیر جمع کر دیوے اس کے لئے جو عقوبت وسزا، اور شرعی حد قائم کی گئی وہ اس کے لئے کافی ہو۔ وہ اس سے راضی رہے، کہ اس کی تطہیر ہو رہی ہے۔ ایسا سمجھنا اور اس طرح حد کا جاری اور نافذ ہونا خدا کا عین فضل وکرم ہے۔

جب اس کی نیت خراب ہو اس کی غرض علو اور بڑائی اور اپنی ریاست وحکومت قائم کرنا چاہیے۔ لوگ اسے بڑا سمجھیں۔ اس کی اطاعت کے سامنے لوگ سربسجود ہو جائیں۔ اس کے قصد وارادہ کے بموجب مال دیویں، اور ہر طرح کا ایثار کریں۔ تو معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ اس کے اصل مقصد سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ اور سراسر حد جاری کرنے کے مقصد میں وہ خلاف راہ اختیار کرتا ہے۔

اور روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلافت پر مامور ہونے سے پہلے مدینہ طیبہ میں ولید بن عبدالملک کے نائب تھے رعایا اور عوام کی سیاست واصلاح بہت اچھی کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف عراق سے مدینہ طیبہ پہنچا، عراق میں یہ بڑا عذاب اور سختی دیکھ کر آیا ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ کے باشندوں کو اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے متعلق پوچھا کَیْفَ هَیْبَتُهٗ فِیْکُمْ؟ اس کی ہیبت تم میں کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا ان کی ہیبت کا کیا پوچھنا، ہم ان کی طرف نگاہ بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ حجاج نے پوچھا کَیْفَ مَحَبَّتُکُمْ لَهٗ؟ اس سے تمہیں محبت کیسی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا هُوَ اَحَبُّ اِلَیْنَا مِنْ اَهْلِنَا وہ ہمیں ہماری اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہیں۔ حجاج نے پوچھا فکیف ادبہ فیکم وہ تمہیں ادب کیسے سکھاتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا۔ تین کوڑوں سے لے کر دس کوڑوں تک ادب سکھانے کے لئے مارا کرتے ہیں۔ حجاج نے کہا یہ محبت، یہ ہیبت اور یہ ادب آسمان سے اتری ہوئی ہے۔ خدا کا حکم یہی ہے۔

جب ہاتھ کاٹا جائے فوراً گرم تیل میں سینک دیا جائے[۱] اور مستحب یہ ہے کہ اس کی گردن میں

[۱] آج کل دوسری دواؤں سے کام لیا جاتا ہے مقصد یہ ہے کہ خون بند ہو جائے اور وہ ہلاک نہ ہو۔ (ابوالعلاء)

کٹا دیا جائے۔ اگر دوسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اور اگر تیسری مرتبہ چوری کرے تو صحابہ اور بعد کے علماء میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں تیسری اور چوتھی مرتبہ میں بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رض کا ہے، اور مذہب شافعی رح اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول امام احمدؒ کا یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ اور یہ قول حضرت علی رض اور کوفیوں کا ہے۔ اور ایک قول امام احمدؒ کا بھی یہی ہے۔

ہاتھ اس وقت کاٹا جائے جبکہ چوری کا نصاب پورا ہو۔ اور وہ ایک چوتھائی دینار یا تین درہم ہے۔ جمہور علماء اہل حجاز۔ اور اہل حدیث کا یہی مسلک ہے۔ مثلاً امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ اور بعض علماء کا قول ہے، قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ایک دینار۔ یا دس درہم ہے۔ اور صحیحین کے اندر حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مجن (ڈھال) کی چوری میں جس کی قیمت تینؔ درہم تھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

قَطَعَ سَارِقًا فِی مِجَنٍّ قِیْمَتُہٗ ثَلَاثَۃُ دَرَاھِمَ۔ (رواہ مسلم)

آپ نے ایک چور کا ہاتھ کاٹا ایک مجن (ڈھال) کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے وہ کہتی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تُقْطَعُ الْیَدُ فِیْ رُبُعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا۔

چوتھائی دینار۔ یا اس سے زائد میں ہاتھ کاٹا جائے۔

مسلم کی روایت یہ ہے:۔

لَا تُقْطَعُ یَدُ السَّارِقِ اِلَّا فِیْ رُبُعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا۔

چور کا ہاتھ اس وقت تک نہ کاٹا جائے جب تک کہ ربع دینار یا زائد نہ چرائے۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

اِقْطَعُوْا فِیْ رُبُعِ دِیْنَارٍ۔ وَلَا تَقْطَعُوْا فِیْمَا دُوْنَ مِنْ ذَالِكَ۔

ربع دینار میں ہاتھ کاٹو اس سے کم میں نہ کاٹو۔

(رواہ البخاری)

اس وقت ربع دینار کی قیمت تین درہم کے برابر ہوا کرتی تھی۔ اور دینار کی قیمت بارہ درہم ہوا کرتی تھی۔

اور چور کو اس وقت تک چور نہیں کہا جاتا تھا کہ مال حفاظت میں رکھا ہوا نہ چرائے جو مال کہ ضائع شدہ ہے یا جنگل میں بلا احاطہ اور چاردیواری کے اس میں درخت لگے ہیں۔ اور اس پر سے پھل پھول لے جائیں۔ یا جو چوپایہ بغیر چرواہے کے ہو۔ اس کے مثل میں ہاتھ نہ کاٹا جائے لیکن لینے والے کے لئے تعزیر ضرور ہوگی۔ اور دوچند نقصان دلوائی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

اور اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ زیادتی کتنی دلوائی جائے۔ اور یہی قول امام احمدؒ وغیرہ کا ہے۔ حضرت رافع بن خدیج رضؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے:۔

لَا قَطْعَ فِي ثَمَرَةٍ وَلَا كَثَرٍ۔ (رواہ اہل السنن)

پھل میں اور کچی کھجور میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور عمرو بن شعیبؓ عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے قبیلہ بنی مزینہ کے ایک آدمی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھتے سنا ہے۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جِئْتُ أَسْئَلُكَ عَنِ الضَّالَّةِ مِنَ الْإِبِلِ۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے گم شدہ اونٹ کے متعلق پوچھوں آپ نے فرمایا:۔

مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا تَأْكُلُ الشَّجَرَةَ وَتَرِدُ الْمَاءَ حَتّٰى يَأْتِيَهَا بَاغِيْهَا۔

اس کے ساتھ اس کے کھانے پینے کا سامان موجود ہے۔ درخت کھائیگا اور پانی پر اترے گا۔ اسے چھوڑ دو تاکہ اسکو ڈھونڈنے والا اس تک آجائے

اس نے کہا۔

فَالضَّالَّةُ مِنَ الْغَنَمِ۔

گم شدہ بکری کے متعلق کیا ارشاد ہے؟

آپ نے فرمایا:۔

لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ تَجْمَعُهَا حَتّٰى يَأْتِيَهَا بَاغِيْهَا۔

تیرے لئے ہوگا۔ یا تیرے بھائی کے لئے۔ یا بھیڑیے کے لئے۔ اسے تم لے لو تا آنکہ اس کا تلاش کرنے والا آجائے۔

اس نے کہا۔

فَالْحَرِيسَةُ الَّتِي تُؤْخَذُ مِنْ مَرَاتِعِهَا — حریسہ جو چرواہے سے لیا جائے؟

آپ نے فرمایا:۔

فِيهَا ثَمَنُهَا مَرَّتَيْنِ وَ ضَرْبُ نَكَالٍ وَمَا أُخِذَ مِنْ عَطَنِهِ فَفِيهِ الْقَطْعُ إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذَالِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ۔

حریسہ میں دوچند قیمت اور تعزیر کی جائے اور جو اون اس سے لی جائے تو دیکھا جائے اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے۔

اس نے کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر پھل پھول لئے ہوں تو؟

آپ نے فرمایا۔

مَنْ أَخَذَ مِنْهَا بِفَمِهِ وَلَمْ يَتَّخِذْ خُبْنَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَ مَنِ احْتَمَلَ فَعَلَيْهِ ثَمَنُهُ مَرَّتَيْنِ وَضَرْبُ نَكَالٍ۔ وَمَا أُخِذَ مِنْ أَجْرَانِهِ فَفِيهِ الْقَطْعُ إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذَالِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ وَمَا لَمْ يَبْلُغْ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَفِيهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَ جَلَدَاتُ نَكَالٍ۔ (رواہ اہل السنن)

جس شخص نے اس میں سے اپنے منہ میں کیا۔ اور توشہ نہیں لیا تو اس پر کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ اپنے ہمراہ لے گیا تو دوچند قیمت اور تعزیر ہوگی۔ اور جو بڑا توشہ لے گیا تو اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹا جائے۔ اور اگر ڈھال کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو دوچند نقصانی دلوائی جائے۔ اور اس پر کوڑوں کی تعزیر کی جائے۔

اور اسی بنا پر آپ نے فرمایا ہے:۔

لَيْسَ عَلَى الْمُنْتَهِبِ وَلَا عَلَى الْمُخْتَلِسِ وَلَا الْخَائِنِ قَطْعٌ۔

لوٹنے والے اور اوچکے اور خائن کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

اجیب کترے رومال اور آستینوں سے لے جائیں تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے۔

چودھویں فصل کے مضامین

زانی کی سزا۔ محصن زانی کو پتھروں سے رجم کیا جائے تا آنکہ وہ مر جائے۔
لواطت کی سزا۔ فاعل و مفعول دونوں کو قتل کیا جائے۔

زانی محصن کی سزا رجم ہے تا آنکہ وہ مر جائے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک الاسلمی اور غامدیہ عورت[1] اور بعض یہودیوں کو رجم کرایا تھا۔ اور آپ کے بعد بھی خلفاء راشدین

---

[1] ایک صحابی عورت جنہیں حدیث میں غامدیہ کہا گیا ہے۔ اس سے زنا سرزد ہوا۔ کسی کو اس کا خیال اور خبر بھی نہ تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ اللہ تعالے کو میرے گناہ کا علم ہے اور اس کا عذاب دنیا کی ساری تکلیفوں سے سخت ہے۔ یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض گذار ہوئی مجھ سے ایسا ناپاک جرم ہوگیا ہے مجھے سزا دے کر پاک کرا دیجئے۔ آپ نے کچھ توجہ نہ فرمائی۔ اس نے پھر عرض کیا کہ حضور میں پاگل پنے سے نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں ہوش میں ہوں۔ مجھے سنگسار کرا دیجئے۔ تاکہ آخرت کے عذاب سے بچ جاؤں۔ اس نے کہا یہ اندازہ ہے کہ اس زنا سے مجھے حمل بھی ہے۔ حضرت نے سُنا تو فرمایا اگر ایسا ہے تو پھر اس وقت تم پر سزا جاری نہیں کی جائے گی۔ بچہ پیدا ہو جانے کے بعد پھر آنا۔

حمل کی مدت پوری ہوگئی تو خدا کی یہ بندی مولود بچہ ہاتھ میں لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا میں فلاں مجرم عورت ہوں۔ اب بچہ پیدا ہوگیا۔ مجھے سزا دلوا کر پاک کرا دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا ابھی اس بچہ کو تمہارے دودھ کی ضرورت ہے۔ جب بچہ دودھ کا محتاج نہ رہے۔ روٹی کھانے لگ جائے تب آؤ۔ بچہ روٹی چبانے کے قابل ہوگیا تو بچہ کو گود میں لے کر حاضر ہوئی۔ بچہ کے ہاتھ میں ایک روٹی کا ٹکڑا بھی دے رکھا تھا۔ وہ چبا چبا کر کھا رہا تھا۔ اس خدا کی بندی نے عرض کیا۔ حضور میں فلاں مجرم ہوں اب اس بچے کو میرے دودھ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ دیکھ لیجئے روٹی کھا رہا ہے۔

اب اس بچہ کو کسی کے سپرد کرا کر آخرت کے عذاب سے نجات دلائیے۔ چنانچہ اس عورت کو سنگسار کر دیا گیا۔ سنگسار کرنے والوں میں ایک بڑے صحابی بھی تھے۔ ان کی زبان سے کچھ سخت کلمہ اس عورت کے حق میں نکل گیا۔ حضورؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابی سے کہا تم نے ایسا کیوں کہا۔ تمہیں کیا خبر اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر سب اہل مدینہ پر تقسیم کی جائے تو سب کی نجات کے لئے کافی ہے۔ اللہ اکبر! کس قدر آخرت کا خیال ہے +

(ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی)

اور مسلمانوں نے زنا کی سزا میں رجم کیا ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ رجم سے پہلے سو کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں دو قول ہیں۔ اگر زانی محصن نہیں ہے تو کتاب اللہ سے ثابت ہے کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور سنت نبوی سے ثابت ہے کہ سو کوڑوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک سال جلاوطن کیا جائے۔ اگرچہ بعض علماء سال بھر جلاوطن کرنا واجب نہیں کہتے۔

زانی پر اس وقت تک حد قائم نہ کی جائے جب تک چار گواہوں کی گواہی اس پر نہ گذرے۔ یا چار دفعہ خود اقرار نہ کرے۔ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں چار دفعہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے ایک دفعہ اقرار کر لینا کافی ہے۔ اگر کسی نے اقرار کر کے پھر انکار کر دیا۔ تو بعض علماء کا قول ہے کہ حد اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اور بعض کہتے ہیں حد ساقط نہیں ہوگی۔

اور محصن اس شخص کو کہیں گے جو حر، آزاد، مکلف ہو اور صحیح نکاح سے اپنی بی بی سے جماع و وطی کر چکا ہو۔ اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور جس سے جماع و وطی کی گئی ہے۔ مذکورہ صفات میں محصن کے مساوی ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ عورت مراہقہ ہو اور بالغ مرد سے زنا کیا۔ یا مرد مراہق ہے اور عورت بالغہ ہے۔

اور یہی حکم ذمیوں کا ہے۔ اگر وہ محصن ہیں تو اکثر علماء کے نزدیک رجم کیا جائے گا۔ مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کے دروازے کے سامنے یہودیوں کو رجم کرایا ہے۔ اور اسلام میں یہ پہلا رجم تھا۔

اگر کوئی عورت حاملہ پائی گئی۔ اور اس کا شوہر نہیں ہے۔ اور نہ اس کا سید و آقا ہے۔ اور حمل میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ تو امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس پر حد جاری نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے زبردستی اس سے زنا کیا گیا ہو۔ اور اس سے یہ حاملہ ہو گئی ہو۔ یا اٹھا کر لے گئے ہوں۔ یا بی بی کے شبہ کی بنا پر جماع کیا گیا ہو کہ یہ اس کی بی بی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد جاری ہو گی۔ اور یہی قول خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔ اور اصول شریعت کے موافق یہی ہے۔ اور یہی مدینہ والوں کا مذہب ہے۔ کیونکہ یہ شاذ و نادر احتمالات ہیں۔ اور شاذ و نادر احتمالات کی طرف توجہ نہیں کی جا سکتی۔ جیسے کہ اس نے اقرار کیا اور وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہو۔ یا گواہوں کی گواہی جھوٹی ہو۔

لوطی اور لواطت کی سزا، بعض علماء کہتے ہیں لواطت کرنے والے پر حد جاری ہوگی۔ اور جو زنا کی حد ہے وہ اس کی حد ہے، بعض کہتے ہیں لواطت کی سزا زنا سے کم ہوگی۔

اور صحابہ کرامؓ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ نیچے اور اوپر والے یعنی فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ محصن ہوں یا غیر محصن، کیونکہ سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ۔ — جسے تم قوم لوط کا کام کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

ابوداؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اگر کنوارا لوطی کسی عورت کے ساتھ پایا گیا تو اسے رجم کیا جائے گا۔ اور حضرت علیؓ سے بھی ایسا مروی ہے۔ لیکن دوسرے صحابہ اس کے قتل میں مختلف ہیں۔ لیکن اس کی قسمیں بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کو جلانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور دوسرے صحابہ کہتے ہیں اسے قتل کیا جائے۔ بعض کہتے ہیں اس پر دیوار گرائی جائے کہ عمارت کے نیچے دب کر وہ مر جائے۔ اور بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبودار اور خراب جگہ میں قید کیا جائے کہ وہ مر جائے۔ بعض کہتے ہیں آبادی میں سب سے اونچی دیوار ہو اس پر سے اسے گرایا جائے۔ اور پھر اوپر سے پتھر برسائے جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے قوم لوط کو سزا دی تھی۔ اور یہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں مذکور ہے۔ اور دوسری روایت حضرت ابن عباسؓ کی یہ ہے کہ اسے رجم کیا جائے۔ اور اکثر سلف کا یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ تعالے نے قوم لوط کو رجم کیا۔ اور زانی کی سزا رجم اس کی مشابہت کی بنا پر ہوئی ہے۔ اور فاعل و مفعول دونوں کو رجم کیا جائے۔ خواہ دونوں کے دونوں حر آزاد ہوں یا غلام یا ایک دوسرے کا مملوک ہو۔ جب وہ بالغ ہوں دونوں کی سزا یہی ہوگی۔ لیکن اگر فاعل یا مفعول دونوں میں سے ایک نابالغ ہے تو اسے قتل سے کم سزا دی جائے گی۔ اور بالغ کو قتل کیا جائے گا۔

پندرھویں فصل کے مضامین

شراب نوشی کی حد سنت نبوی اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے
جو شراب پیئے اسے کوڑے لگوانا چاہیے۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگوانا چاہیے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے شرابی کو بار بار کوڑے لگوائے۔ اور آپ کے خلفاء۔ اور مسلمانوں کا۔ اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔

شراب نوشی کی حد:۔ شراب نوشی کی حد سنت نبوی۔ اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے اہل سنن نے مختلف وجوہ اور مختلف طریقوں سے روایتیں کی ہیں۔ جس میں اس کی وضاحت کی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ۔ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ۔ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ الرَّابِعَةَ فَاقْتُلُوْهُ۔

جو شخص شراب پیئے اسے کوڑے لگاؤ پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ پھر چوتھی مرتبہ پیئے تو اسے قتل کر دو۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سی مرتبہ شراب پینے والوں کو کوڑے لگانے کی سزا دی ہے۔ اور آپ کے بعد خلفاء راشدینؓ۔ اور مسلمانوں نے بھی کوڑوں کی سزا دی ہے، اور اسی بنا پر اکثر علماء کہتے ہیں کہ قتل کی سزا منسوخ ہو چکی ہے۔ بعض کا قول ہے یہ سزا محکم ہے۔ بعض کہتے ہیں قتل کرنا یہ ایک تعزیر تھی۔ اگر امام ضرورت سمجھے تو یہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ شراب نوشی کی سزا میں آپ نے چالیس لکڑیاں اور جوتے لگوائے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضا نے بھی چالیس کوڑے لگوائے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسّی کوڑے لگوائے ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی چالیس اور کبھی اسّی کوڑے لگوائے ہیں۔ اور اسی بنا پر بعض علماء نے کہا ہے کہ اسّی کوڑے لگوانا واجب ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں چالیس کوڑے لگوانا واجب ہے۔ اس سے زیادہ سزا امام کی رائے پر موقوف ہے۔ جب کہ لوگ شراب کے عادی ہو گئے ہوں۔ اور چالیس

کوڑوں سے تنبیہ نہ ہوتی ہو۔ یا اس کے مثل کوئی اور وجہ ہو تو چالیس سے زیادہ اسی کوڑے لگوائیں اگر پینے والے کم ہیں یا اتفاقاً کسی نے پی لی ہے تو چالیس کوڑے کافی ہیں۔ اور یہ قول زیادہ مناسب اور زیادہ اوفق ہے۔ اور یہی قول امام شافعی رح کا ہے۔ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد میں شراب نوشی کے واقعات زیادہ آنے لگے تو انہوں نے سزا زیادہ کردی۔ بعض کو جلا وطن کیا۔ بعض کا سر منڈوا کر ذلیل کیا۔ تو یہ زجر و توبیخ کی مبالغہ آمیز سزا تھی۔ اگر شرابی کو تعزیراً چالیس کے بعد چالیس کوڑوں کے اوپر کرنی ہو تو اس کی روٹی بند کردی جائے۔ اور اسے جلا وطن کیا جائے تو اچھا ہے [1]۔

[1] حضرت ابو محجن ثقفی رض شراب کے بہت عادی ہو چکے تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان پر حد جاری کی کوڑے لگوائے لیکن وہ باز نہیں آئے۔ پھر شراب پی لی اور حضرت عمرؓ نے پھر کوڑے لگوائے لیکن وہ باز نہیں آئے بار بار شراب پیتے تھے اور بار بار کوڑے لگتے تھے لیکن وہ باز نہیں آتے تھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے ان کو جلا وطن کردیا۔ اور قید میں رکھنے کی سزا تجویز کی۔ حضرت سعدؓ کے حوالہ کیا کہ جہاں تم جاؤ اپنے ہمراہ رکھو۔ اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر علیحدہ بٹھا رکھو۔ حضرت سعدؓ نے ابو محجن کو ہمراہ لیا۔ اور پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ جہاں کہیں جاتے ان کو ہمراہ لے جاتے۔ سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے قادسیہ مقام پر پہنچے، حضرت سعد اس وقت سپہ سالار اسلام تھا۔ قادسیہ کی جنگ بڑی خطرناک جنگ تھی۔ دشمنوں کا غلبہ تھا۔ تین سو ساٹھ میل مسلمانوں کو دھکیل چکے تھے۔ مسلمان پسپا ہو چکے تھے۔ اب مسلمان کچھ تازہ دم ہوئے اور فیصلہ کی جنگ لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ حضرت سعدؓ کو کچھ زخم آگیا تھا۔ اس لئے میدان میں نہ جا سکے۔ اور قیام گاہ ایک مکان میں تھی۔ آپ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے جنگ کا جائزہ لیتے رہے۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ دیکھا مسلمان پسپا ہو رہے ہیں تو بڑا افسوس ہوا۔ اور بار بار لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ان کی زبان پر جاری تھا۔ اتفاق سے اس حالت کی خبر حضرت ابو محجن رض کو ہوئی۔ کیونکہ اسی مکان کے نچلے حصہ میں وہ پابہ زنجیر تھے، جس مکان میں حضرت سعد ٹھیرے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی حالت پر زار زار رونے لگے۔ اور یہ شعر بار بار پڑھتے تھے ؎

كَفٰى حُزْنًا اَنْ تَطْرُدَ الْخَيْلَ بِالْقَنَا
وَاُتْرَكُ مَشْدُوْدًا عَلَيَّ وَثَاقِيَا

یعنی آج میرے رنج و غم کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ میدان جنگ میں دشمنوں کے مقابلہ میں (باقی بر صفحہ ۲۱۳)

حضرت عمر بن الخطابؓ کو خبر ملی کہ آپ کے بعض نائب شراب کی تعریف میں اشعار کہہ رہے ہیں آپ نے ان کو معزول کر دیا۔

جس شراب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ اور جس کے پینے پر کوڑے لگوائے وہ وہ شراب ہے جو نشہ لائے خواہ وہ کسی چیز سے بھی بنائی گئی ہو۔ پھلوں سے بنائی گئی ہو، جیسے انگور، کھجور، انجیر وغیرہ یا اناج سے بنائی گئی ہو جیسے گیہوں اور جو وغیرہ سے یا بنیلی بہنے والی

(بقیہ ص۲۱۲) لوگ اپنے گھوڑے دوڑا رہے ہیں اور میں پابہ زنجیر بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ کہتے جا رہے اور روتے جا رہے ہیں۔ مگر کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ بالآخر حضرت سعدؓ کی بی بی سے کہا اے نیک بخت خاتون۔ اے حفصہ کی بیٹی خدا کے لئے مجھے چھوڑ دے کہ مسلمان لڑ رہے ہیں اور میں دولت جہاد سے محروم ہوں، مسلمانوں پر سخت وقت ہے اور میں پڑا ہوا بیڑیوں میں وقت گذار رہا ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں اس جنگ سے سلامتی کے ساتھ واپس آ گیا تو پھر اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لوں گا اور اسی طرح جس طرح اب جکڑا ہوا ہوں مجھے جکڑ دینا۔ حضرت سعدؓ کی بی بی نے حضرت سعدؓ کی خفگی کا خیال نہ کرتے ہوئے ابو محجن کے پاؤں کی بیڑیاں کھول دیں۔ اب ابو محجن نے کہا۔ اے نیک بخت خاتون مجھے سواری کے لئے گھوڑا بھی دیدے حضرت سعدؓ کی بی بی نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر حضرت سعدؓ کا ابلق گھوڑا اور زرہ بکتر۔ نیزہ اور تلوار نکال کر حضرت ابو محجنؓ کے حوالہ کیا۔ حضرت ابو محجنؓ فوراً گھوڑے پر سوار ہوتے اور میدان جنگ کی طرف گھوڑے کو دوڑایا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ میں جا پہنچے۔ اب حضرت ابو محجنؓ کا یہ حال ہے کہ دشمنوں کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ جس طرف نکل جاتے ہیں۔ مولی گاجر کی طرح دشمنوں کو کاٹ دیتے ہیں ایسی بہادری دکھائی کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ خدا نے مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتہ بھیجا ہے یہ انسانی طاقت سے باہر کام کر رہا ہے۔ حضرت سعدؓ بھی یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور دیکھ دیکھ کر کہتے تھے الصبر الصبر بلقاء والظفر والظفر ابی محجن وابو محجن فی القید (گھوڑے کی تیزی اور مشقت میں کودپڑنا تو بتلا رہا ہے۔ یہ میرا ابلق گھوڑا ہے۔ اور ظفر مندی بتلا رہی یہ ابو محجن کی ظفر مندی ہے۔ اور ابو محجن تو نیچے زنجیروں میں جکڑے ہوئے بیٹھے ہیں)

جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور دشمنوں کو ایسی شکست ہوئی کہ تاریخ اسلام کا اہم واقعہ بن گیا۔ ابو محجنؓ واپس لوٹے اور پابہ زنجیر ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن حضرت ابو محجن کا واقعہ اور تاریخی کارنامہ ایسا نہیں تھا جو چھپ سکتا۔ حضرت سعدؓ کوٹھے پر سے اترے۔ اپنی بی بی بنت حفصہ سے کہنے لگے۔ مسلمانوں کی شکست یقینی تھی۔ لیکن خدا نے ایک فرشتہ بھیج دیا کہ شکست فتح سے بدل گئی اس کے ایسا ہی گھوڑا تھا (باقی برص۲۱۴)

چیزوں سے بنائی گئی ہو جیسے شہد وغیرہ سے۔ یا جانوروں کے دودھ سے بنائی گئی ہو۔ ہر قسم کی شراب اسی حرمت میں داخل ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر تحریم شراب کے متعلق جب قرآن اترا اس وقت مدینہ طیبہ میں انگور کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ شام وغیرہ سے انگور آیا کرتے تھے۔ عام طور پر عرب میں نبیذ تمر کی شراب ہوا کرتی تھی۔ کھجور وغیرہ سے عرب شراب بنا لیتے تھے۔ اور عام طور پر

(بقیہ ص۲۱۳) جیسا میرا گھوڑا ہے۔ اور میرے ہی جیسا اس کے پاس زرہ و بکتر اور نیزہ بھی تھا۔ اس نے آکر دشمنوں کو اس قدر مارا کہ کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ دشمنوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ پھر وہ فرشتہ کہیں چلا گیا۔ حضرت سعدؓ کی بی بی نے مؤدب ہو کر عرض کیا آپ نے پہچانا وہ کون تھا؟ یہ وہی شخص تھا جس کا نام ابو محجنؓ ہے، اور تمہارے گھر میں پابہ زنجیر زندگی کاٹ رہا ہے۔ جب اس نے مسلمانوں کی شکست کا حال سنا تو قسم کھا کر مجھ سے کہا کہ مجھے چھوڑ دے میں جا کر میدان میں لڑوں گا۔ اور زندہ رہا تو واپس آکر اپنے قدموں میں بیڑیاں پہن لونگا۔ اس کے کہنے پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے آپکا گھوڑا مانگا۔ میں نے گھوڑا دے دیا ہتھیار مانگے۔ میں نے زرہ۔ بکتر نیزہ۔ تلوار وغیرہ اس کے حوالے کر دئے، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اور تمام ہتھیار لے کر میدان جنگ میں جا دھمکا جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو وہ واپس لوٹا۔ اور پھر پابہ زنجیر ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ جب حضرت سعدؓ نے حضرت ابو محجنؓ کا قصہ سنا۔ ان کی شجاعت و بسالت، اور بہادری اور خلوص، جانفروشی کا حال معلوم کیا تو چیخ اٹھے۔ اور رونے لگے اور کہنے لگے ابو محجنؓ جیسا آدمی خلیفہ کے حکم سے آٹھ پہر پابہ زنجیر رہے یہ کیسے ہو سکتا ہے! اسی وقت حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں خط بھیجا۔ اور تمام سرگزشت ابو محجن رضؓ کی پیش کی۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس حضرت سعدؓ کا خط پہنچا۔ ابو محجنؓ کی کیفیت معلوم کی۔ فوراً ابو محجنؓ کے نام خط لکھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عُمَرَ اِلٰی اَبِیْ مِحْجَنٍ۔ اَللّٰہُ اَللّٰہُ یَا اَبَا مِحْجَنٍ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کے بندے عمرؓ کی جانب سے ابو محجن رضؓ کے نام۔ اللہ اللہ اے ابو محجن رضؓ

حضرت سعدؓ متحیر ہو کر کہنے لگے خدا کی قسم ایسے شخص کو میں کبھی نہ ماروں گا۔ کبھی پابہ زنجیر نہ رکھونگا۔ تم نے دیکھ لیا کہ مسلمان کیسی مصیبت میں گرفتار تھے۔ کفر و اسلام میں کیسا مقابلہ تھا۔ ایسے امتحان کے موقع پر ابو محجن رضؓ کی خدمات سنہ وہ کام کیا جو تاریخ اسلام میں یادگار رہے گا۔ یہ کہہ کر حضرت سعدؓ نے فوراً حضرت ابو محجن کو رہا کر دیا رہا ہوتے ہی حضرت ابو محجن رضؓ بول اٹھے، خدا کی قسم اب میں شراب نہیں پیوں گا۔ ہمیشہ کے لئے توبہ کرتا ہوں۔ میں اس لئے شراب پیا کرتا تھا کہ مجھ پر حد جاری کر کے مجھے پاک صاف کر دیا جاتا تھا۔ اب جبکہ مجھ پر حد جاری نہیں ہوگی۔ تو مجھے پاک ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے میں ہمیشہ کیلئے توبہ کرتا ہوں (باقی بر ص۲۱۵)

جو سنت متواترہ ۔ اور خلفاء راشدین اور صحابہ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز کو جو عقل کو بیکار کر دیوے حرام کر دیا ۔ صحابہ کرام رض میٹھا نبیذ تمر پیا کرتے تھے اور اس کی ترکیب یہ تھی کہ کھجور یا انگور کو پانی میں ڈال دیا جاتا ۔ اور نبیذ اس لئے پیا کرتے تھے کہ حجاز میں پانی عام طور پر کھاری ہوا کرتا ہے ۔ نبیذ کا پینا نشہ آور ہو جانے سے پہلے جائز ہے ۔ اور عام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے ۔ اس لئے کہ اس میں نشہ نہیں ہے ۔ جیسے کہ انگور کا عصارہ نشہ آور ہونے سے پہلے پیا جائز ہے ۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لکڑی کے برتن میں یا پکے قلعی والے برتن میں نبیذ بنانا منع فرمایا ہے ۔ آپ نے ایسے برتنوں میں جو کچے ہوں ۔ اور جن کا منہ باندھا جائے ۔ اس میں نبیذ بنانے کا حکم فرمایا تھا ۔ کیونکہ ان برتنوں میں اگر نشہ آور ہو جائے تو پتہ لگ جاتا ہے ۔ اور پکے قلعی دار برتنوں میں پتہ نہیں چلتا ۔ کچے برتن نشہ آور ہونے سے پھوٹ جاتے ہیں اور قلعی دار نہیں پھٹتے ۔ اور پینے والے کو دھوکہ ہو جاتا ہے ۔

(بقیہ ص۲۱۴) چنانچہ خدا نے حضرت ابو محجن رض کو ثابت قدمی بخشی اور ہمیشہ کیلئے وہ شراب نوشی سے تائب ہو گئے ۔

حضرت ابو محجن رض کے واقعہ سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں

اول :- یہ کہ کوئی شخص حد جاری کرنے کی بنا پر ضد سے بار بار کرتا ہے ۔ تو اسے درگذر کرنا چاہئے ۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابو محجن رض ضد کی بنا پر بار بار شراب پیا کرتے تھے ۔ جب حد جاری کرنے سے سپہ سالار اسلام اور امام نے معافی دے دی تو وہ ہمیشہ کے لئے تائب ہو گئے ۔

دوم :- یہ کہ اگر کوئی شخص اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دیتا ہے ۔ اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے درگذر کرنا چاہئے ۔ جیسے کہ حضرت سعد رض نے حضرت ابو محجن رض کو قید و بند سے آزاد کر دیا ۔

سوم :- یہ کہ شراب خوار کو بار بار حد لگانے کے بعد بھی عبرت نہ ہو تو اسے قید و بند میں رکھا جائے جس طرح کہ حضرت ابو محجن کو قید و بند میں رکھا گیا ۔

چہارم :- یہ کہ اگر کوئی مجرم اسلامی خدمات کے لئے اجازت طلب کرے ۔ اور اس پر بھروسہ کیا جائے تو اسے اجازت و مہلت دی جائے ، جیسے کہ حضرت سعد رض کی بی بی نے حضرت ابو محجن رض کو اجازت دے دی تھی ۔

دوسری جگہ یہ قصہ مذکور ہے اس میں حضرت سعد رض کی جگہ حضرت خالد بن الولید رض مذکور ہے

(ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہٗ)

اور آپ سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے قلعی دار پکے برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت ورخصت بعد میں دے دی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے۔

نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْانْتِبَاذِ فِي الْاَوْعِيَةِ فَانْتَبِذُوْا وَلَا تَشْرَبُوا الْمُسْكِرَ

میں نے تمہیں پکے قلعی دار برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کردی تھی لیکن تم ان میں بناؤ۔ نشہ آور ہوجائے تومت پیو۔

اور اس لئے صحابہ رضؓ اور بعد کے علماء میں اختلاف رہا جن کو اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوا۔ یا جن کے نزدیک ان برتنوں میں نبیذ بنانا ثابت نہیں ہے، انھوں نے کہہ دیا نبیذ ان برتنوں میں بنانا منع ہے۔

اور بعض جو اس ثبوت کے قائل تھے، اور سمجھ رہے تھے یہ منسوخ ہوچکا ہے۔ وہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔ جب فقہاء کے ایک گروہ نے سُنا کہ بعض صحابہ نبیذ پیا کرتے تھے۔ تو وہ یہ سمجھے کہ نشہ آور پیتے تھے۔ اور اس لئے انہوں نے مختلف قسم کی شربتیں پینے کی اجازت دے دی۔ جو انگور اور کھجور وغیرہ سے بنی تھیں۔ اور نبیذ تمر اور کشمش کے عصارہ کی اجازت دے دی۔ جبتک کہ نشہ آور نہ ہوجائے۔ اور صواب وصحیح جس پر جمہور مسلمان متفق ہیں وہ یہ ہے کہ ہر مسکر نشہ آور چیز خمر ہے۔ اور اس کے پینے والے پر حد جاری ہوگی اگرچہ ایک قطرہ بھی پی لیوے۔ خواہ دوا کی حیثیت سے بھی کیوں نہ پیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر خمر کے سوا کوئی دوا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا۔

اِنَّهَا دَاءٌ وَلَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ اُمَّتِي فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْهَا

یہ بیماری ہے۔ دوا نہیں ہے اور میری امت کی شفا حرام میں نہیں ہے۔

شراب خوار پر حد واجب ہوجاتی ہے۔ جبکہ اس پر گواہ اتر پڑیں۔ یا شرابی خود شراب پینے کا اقرار کرلیوے۔ اگر خمر وشراب کی بدبو آئے۔ یا لوگوں نے اُسے قے کرتے دیکھا یا اس کے مثل دوسرے آثار دیکھے جائیں تو کہا گیا ہے۔ اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ احتمال ہے یہ خمر نشہ آور نہ ہو۔ یا لاعلمی سے اس نے پی لی ہو۔ یا زبردستی اُسے پلائی گئی ہو۔

اور کہا گیا ہے اسے کوڑے لگائے جائیں گے جبکہ معلوم ہوجائے نشہ آور تھی۔ اور یہ قول خلفاء راشدین رضؓ اور صحابہ کرام رضؓ۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علی رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ سے ماثور ہے۔ اور سنتِ نبوی بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور لوگوں کا تعامل بھی یہی ہے۔ اور یہی

مذہب امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ اور انہوں نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔
اور انگور اور کھجور کے پتوں کو پکا کر جو مشروب تیار کیا جاتا ہے۔ وہ بھی حرام ہے۔ اس کے پینے والے کو کوڑے لگوائیں جائیں گے۔ یہ تو خمر وشراب سے بھی زیادہ خبیث ہوتا ہے کہ اس سے عقل اور مزاج دونوں خراب ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سے خنثی بن جاتا ہے! اور دیوثیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور شراب زیادہ خراب اور خبیث اسی لئے ہے کہ اس سے مخاصمت اور مقاتلت ہوتی ہے۔ لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس طرح وہ اللہ کے ذکر سے روکتی ہے۔ نماز سے بھی روکتی ہے۔

بعض متاخرین فقہاء نے اس کی حد میں توقف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حد سے کم تعزیر کی جائے کیونکہ اس سے تغیر عقل کا گمان ہے۔ اور یہ بمنزلہ بھنگ پینے کے ہے۔ اور متقدمین علماء سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ گھانس اور پتے ایسے نہیں ہیں بلکہ اس کے کھانے والے شوق اور خواہش سے اسے کھاتے ہیں۔ اور یہ آرزو رکھتے ہیں کہ اور بھی ہوں تو کھالیں۔ جیسے شراب اور خمر کا شوق، خواہش اور آرزو رکھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے اکثر ذکر الٰہی میں خلل آجاتا ہے۔ اور جب اس کی کثرت ہوتی ہے تو نماز میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیوثیت۔ اور خنثی پن۔ اور فساد مزاج۔ فساد عقل وغیرہ بھی اس سے پیدا ہو جاتا ہے

لیکن جب یہ جامد ہوں۔ اور کھائے جاتے ہوں۔ شراب کی قسم سے نہ ہوں تو اس کے نجس ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔ امام احمدؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس ہے جیسے شراب نجس ہے، اور یہی قول صحیح ہے اور قابل اعتبار ہے، بعض کہتے ہیں کیونکہ اس میں جمود ہے۔ اس لئے نجس نہیں ہے۔ اور بعض نے جامد اور پتلا پن میں فرق کیا ہے

بہر حال! یہ بھی اس میں داخل ہے جس کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے کیونکہ لفظاً اور معنیً یہ خمر شراب اور مسکر نشہ آور چیز ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمیں آپ دو قسم کی شراب کے متعلق فیصلہ دیجئے جسے ہم یمن میں۔ تبع اور مینرر (دانوں) سے بناتے ہیں۔ تبع شہد سے بنتی ہے۔ اور مینرر جو وغیرہ دانوں سے بنتی ہے۔ جب اس میں شدت پیدا ہو کر نشہ آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جوامع الکلم تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ (رواہ فی الصحیحین) — ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّبِيبِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا وَأَنَا أَنْهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ۔ — شراب گیہوں سے بنتی ہے۔ جو سے بنتی ہے۔ کشمش سے بنتی ہے۔ کھجور سے بنتی ہے شہد سے بنتی ہے۔ اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

(رواہ ابوداؤد وغیرہ)

لیکن یہ روایت صحیحین کے اندر حضرت عمرؓ پر موقوف ہے۔ اور منبر نبوی پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:۔

اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔ — خمر وہ ہے جو عقل کو بیکار کر دیوے۔

اور ایک روایت ہے۔

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ۔ — ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔

یہ دونوں روایتیں مسلم نے اپنی صحیح مسلم کے اندر روایت کی ہیں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَا أَسْكَرَ الْفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ — ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس سے مٹکا بھر پینے سے نشہ آئے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔

(قال الترمذی حدیث حسن)

اور ارباب سنن نے مختلف طریقوں سے روایت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ۔ — جس کا کثیر پینے سے نشہ آئے اسکا تھوڑا بھی حرام ہے

حفاظ حدیث نے اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ کسی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہماری سرزمین میں ذرہ (دانوں) سے جس کو میزر کہتے ہیں شراب بناتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا:۔

أَمُسْكِرٌ هُوَ؟ — کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا:۔

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ اِنَّ عَلَى اللّٰہِ عَهْدًا لِمَنْ شَرِبَ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهٗ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ

ہر مسکر نشہ آور حرام ہے۔ اور جو شخص نشہ آور چیز پیئے۔ اللہ تعالےٰ کا عہد ہے کہ اسے طینۃ الخبال پلائے گا۔

صحابہؓ نے عرض کیا

يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟

یا رسول اللہ یہ طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟

آپ نے فرمایا

عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ۔

یہ جہنمیوں کا پسینہ ہے۔

(رواہ مسلم فی صحیحہ)

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

شراب کی ہر قسم حرام ہے۔ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور اس باب میں بے شمار احادیث مستفیضہ مروی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام جوامع الکلم ہوتا تھا تمام کو جمع کر دیا۔ کہ ہر وہ چیز جو عقل میں فرق پیدا کر دیوے اور نشہ لائے حرام ہے، خواہ وہ ماکول ہو یا مشروب۔

علاوہ ازیں خمر و شراب تو بھی کبھی پکائی جاتی ہے۔ اور گھاس جڑی بوٹیاں تو پانی میں بھگو دی جاتی ہیں۔ اور پی لی جاتی ہیں۔

پس خمر و شراب پی بھی جاتی ہے، اور کھائی بھی جاتی ہے، اور جب یہ نشہ آور ہے تو حرام ہے۔ متقدمین نے اس کی خصوصیات کے متعلق بحث نہیں کی۔ کیونکہ اس کی پیداوار ۶۰۰ھ میں یا اس کے قریب قریب ہوئی ہے۔ جس طرح کہ شراب کی بہت سی قسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئی ہیں۔ اور یہ سب کی سب ان جوامع الکلم کے اندر آ گئیں جو کتاب وسنت کے اندر مذکور ہے۔

سولہویں فصل کے مضامین

حدقذف، محصن پر زنا کی تہمت لگانا۔ اور تہمت لگانے والے کو کوڑوں کی سزا۔

حدقذف۔ جن حدود کے متعلق کتاب وسنت میں وارد ہے۔ اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہوچکا ہے۔ حدقذف بھی ہے۔ جب کوئی شخص کسی محصن پر زنا کی یا لواطت کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر اسّی کوڑوں کی حد واجب ہوگئی۔

اور یہاں محصن کے معنی حُر۔ آزاد۔ اور عفیف۔ پاک دامن کے ہیں۔ اور زنا کی حد کے موقع پر محصن کے معنی یہ ہیں کہ نکاح صحیح وتام سے اپنی بی بی سے وطی وجماع کیا ہو۔

سترھویں فصل کے مضامین

جن معاصی اور گناہوں کی حد مقدر اور مقرر نہیں ہے۔ نہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ ان میں عقوبت و سزا، آزادی و تعزیر اور عبرت اور تادیب والی و حاکم کی رائے پر ہے۔ حسب حال وہ سزا تجویز کرے۔

وہ معاصی اور گناہ جن میں کوئی مقدر اور مقرر حد نہیں۔ اور نہ کفارہ ہے۔ مثلاً کسی لڑکے کا بوسہ لینا۔ یا اجنبی عورت کا بوسہ لینا۔ یا مباشرت بلا جماع و وطی کے کرنا۔ یا ایسی چیز کھانا جو حلال نہیں ہے۔ مثلاً خون مسفوح۔ یا مردار گوشت کھانا۔ یا کسی پر جھوٹی تہمت دھرنی زنا کے سوا۔ یا غیر محفوظ چیز کی چوری کرنا۔ یا نصاب سے کم چیز چرا لینی۔ یا امانت میں خیانت کرنی جیسے بیت المال کے والی اور متولی کیا کرتے ہیں یا وقف کے متولی یا یتیم کے مال کے متولی کیا کرتے ہیں۔ اور مثلاً تجارت کے وکلاء اور شریک فی التجارت خیانت کیا کرتے ہیں۔ یا معاملہ میں دھوکہ کرنا۔ یا مثلاً کھانے پینے کی چیزوں میں یا کپڑوں میں دھوکہ کرنا۔ یا مثلاً ناپ و تول میں کم زیادہ کرنا۔ یا جھوٹی گواہی دینا۔ یا جھوٹی گواہی کی تلقین کرنا۔ یا رشوت لینا۔ یا اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف حکم دینا۔ یا رعایا پر ظلم و زیادتی کرنا۔ یا جاہلیت کا نعرہ بلند کرنا یا جاہلیت کے دعوے کو بلند کرنا وغیرہ۔ یا محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرنا۔ ایسے لوگوں کی سزا بطور تعزیر۔ یا عبرت یا ادب کے والی و حاکم تجویز کرے گا۔ حاکم و والی گناہوں کی قلت و کثرت دیکھتے ہوئے عقوبت و سزا تجویز کرے۔ جب معاصی اور گناہ زیادہ ہوں تو عقوبت و سزا بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ جب گناہ کم ہوں تو حسب حال گناہ کرنے والے کے سزا ہوگی۔

اور جب لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں اور گناہ کے مدمن اور عادی ہو جائیں تو عقوبت و سزا زیادہ کر دینی چاہیے۔ جب فسق و فجور کم ہو تو عقوبت و سزا بھی کم ہونی چاہیے۔

غرض! چھوٹے بڑے گناہ کے اعتبار سے عقوبت و سزا دینی چاہیے۔ کسی ایک عورت یا ایک لڑکے سے چھیڑ چھاڑ کرے اسے اس کے مقابلہ میں جو عام طور پر عورتوں اور لڑکوں کو چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔ کم سزا ہونی چاہیے۔ اور کم سے کم تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں کہ اتنی ہونی چاہیے۔ کیونکہ تعزیر کا مقصد تکلیف پہنچانا ہے۔ اب خواہ وہ قول سے ہو یا فعل سے۔ اس سے

بات چیت ترک کر دینے سے ہو۔ یا پہلے کوئی سلوک کر رہا تھا یا اور کسی قسم کی رواداری کا برتاؤ کر رہا تھا۔ اسے ترک کرنے سے ہو۔ یا نصیحت و وعظ کے ذریعہ یا توبیخ و تنبیہ اور سختی کرنے سے ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اسے تکلیف پہنچے اور تعزیر ہو جائے۔ کبھی یہ مقصد قطع تعلق اور علیک سلیک بند کر دینے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

غرض! یہ کہ جبتک وہ توبہ نہ کرے اسے تکلیف و تعزیر ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین صحابہ سے جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے علیک سلیک اور بات چیت بند کر دی تھی [1]۔

---

[1] یہ تین صحابہ، حضرت کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ، اور مرارہ بن ربیع رضؓ تھے۔ کاہلی اور سستی کے مارے جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں ان کا قصہ یوں مذکور ہے۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ (توبہ ع ۱۴)	اور ان تین شخصوں پر بھی جو بانتظار امر خدا ملتوی رکھے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی ان پر تنگ ہو گئی۔ اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ خدا کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں۔ پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ تاکہ وہ توبہ کئے رہیں۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا بڑا مہربان ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تین صحابہ سے معاشرتی مقاطعہ کا حکم دے دیا۔ ان سے سلام علیک بات چیت سب بند کر دی۔ تا آنکہ ان کے گھر کے لوگوں نے بھی بات چیت علیک سلیک بند کر دی جس سے ان کا یہ حال ہو گیا جو اوپر کی آیت میں مذکور ہے۔

یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے جو ۹ھ میں واقع ہوا۔ یہ غزوہ بڑے امتحان کا معرکہ تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ دور کا سفر تھا۔ بے سروسامانی بھی تھی۔ ادھر نخلستان جن پر اہل مدینہ کی زندگی کا دارومدار تھا پھلے ہوئے تھے تمام لوگ سوچنے لگے کہ جنگ میں شرکت کیسے کی جائے۔

اس جنگ میں پانچ فریق ہو گئے۔ اول پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کہ انہوں نے ان مشکلات کی قطعاً پرواہ نہیں کی۔ اور بغیر پس و پیش چل کھڑے ہوئے۔ دوسرا فریق انہی مہاجرین و انصار میں وہ تھا جو شرکت جنگ سے ہچکچاتے تھے۔ مگر آخر کار چل کھڑے ہوئے۔ تیسرا فریق خاص تین آدمی تھے۔ کعب بن مالکؓ ہلال بن امیہؓ، مرارہ بن ربیع رضؓ۔ یہ لوگ کاہلی اور سستی کے مارے اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے (باقی برصفحہ ۲۲۳)

اور اگر والی وحاکم سے کوئی جرم ایسا ہو جائے کہ اس میں حد مقرر نہیں ہے تو اُسے ولایت وحکومت سے معزول کیا جائے۔ جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ کے صحابہؓ نے کیا تھا اور کبھی فوجی عسکری خدمات سے سبکدوش کرنے کی تعزیر کی جائے۔ کہ مسلمانوں کی فوجی۔ عسکری خدمات انجام دیتا تھا اس سے اس کو علیحدہ کر دیا۔ مثلاً وہ فوج اور لشکر کہ کفار سے لڑ رہا ہے۔ تلواریں آمنے سامنے چل رہی ہیں اور کوئی مسلمان فوج میں سے بھاگ نکلا۔ کہ فرار من الزحف۔ جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس کی روٹی۔ اس کا کھانا پینا بند کر دینا ایک قسم کی تعزیر ہے۔

اسی طرح اگر امیر وحاکم سے کوئی ایسی حرکت ہو جائے۔ جو بہت بڑی اور بہت بُری سمجھی جاتی ہو۔ اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں تو اسے امارت وحکومت سے معزول کر دینا چاہیئے یہ اس کی تعزیر ہے۔

اسی طرح کبھی حبس وقید کی تعزیر کی جائے۔ اور کبھی اس کا منہ کالا کیا جائے اور اسے الٹے منہ

(بقیہ ص۲۲۳) جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم جنگ سے فراغت پا کر مدینہ واپس آئے تو یہ لوگ بھی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جب اُنسے پیچھے رہ جانے کی وجہ پوچھی تو جو سچ بات تھی انہوں نے کہہ دی کہ قصور ہوا ہے، ان تین شخصوں سے معاشرتی مقاطعہ کا حکم دیا۔ اور انہیں کہا گیا کہ وحی کا انتظار کرو، جیسا خدا کا حکم ہوگا۔ ویسا کیا جائیگا۔ چوتھا گروہ منافقوں کا تھا، سورۂ نور میں ان پر سخت ملامت کی گئی ہے، پانچواں گروہ وہ تھا جو کسی عذر کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہیں کر سکا تھا۔

اس آیت میں خدا کے فضل کا ذکر ہے، سو ہر ایک کو اس کے مناسب حال فضل خداوندی سے حصہ ملا۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور مہاجرین۔ اور انصار پر یہ فضل خدا نے کیا کہ ان کے ارادے متزلزل نہیں ہوتے۔ اور جو ہچکچاتے تھے ان پر یہ فضل ہوا کہ آخر انہوں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور ان تین کعب رض، ہلال رض، اور مرارہ رض پر یہ فضل ہوا کہ انہوں نے اعتراف کر لیا۔ اور خدا تعالےٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

غرض ! معاشرتی مقاطعہ سے اگر مجرم کو نصیحت ہوتی ہو۔ اور گناہ چھوڑ دیتا ہو تو یہ بھی کیا جاتے

غرض ! جن گناہوں میں حد مقرر نہیں ہے۔ اور تعزیر مقصود ہے۔ تو امام والی۔ حاکم کا فرض ہے کہ مجرم مذنب کے مناسب حال تعزیر کرے اور معاصی وگناہ سے باز رکھے۔

(ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہ)

گدھے پر سوار کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی تعزیر آپ نے ایسی کی تھی۔ اس لئے کہ جھوٹ بولنے والے نے جھوٹ سے اپنا منہ کالا کیا تو اس کا منہ کالا کیا گیا۔ اور بات کو مقلوب کر دیا تو اسے مقلوب الٹے منہ گدھے پر سوار کیا گیا اور اس کی تعزیر کی گئی۔

اور تعزیر میں زیادہ سے زیادہ سزا یہ ہے کہ دس کوڑے مارے جائیں اس سے زیادہ نہ مارے جائیں اور بہت سے علماء اس کے قائل ہیں کہ تعزیر اتنی نہیں ہونی چاہئے۔ کہ حد کے درجہ کو پہنچ جائے اور پھر اس تعزیر کے متعلق بھی ان علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں تعزیر ادنیٰ حدود تک نہیں پہنچنی چاہئے۔ حر۔ آزاد آدمی کی حد ادنیٰ سے ادنیٰ چالیس کوڑے، یا اسی کوڑے ہیں، تعزیر میں اتنے کوڑے نہیں لگانے چاہئے۔ غلام کی تعزیر غلام کی ادنیٰ حد کے برابر نہیں ہونی چاہئے غلام کی حد بیس کوڑے یا چالیس کوڑے ہیں۔ تعزیر اس حد تک نہیں پہنچنی چاہئے۔

اور بعض کہتے ہیں آزاد ہو یا غلام تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہئے۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ حر اور آزاد کی تعزیر حر اور آزاد کی حد تک نہیں پہنچنی چاہئے۔ اور غلام کی تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہئے۔ جس جنس اور جس نوعیت کی تعزیر کی جائے اوسی جنس اور اسی نوعیت کی عقوبت وسزا حد سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔ مثلاً کوئی چور ایسی چیز چرائے جو حرز و حفاظت میں نہ ہو۔ تو ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ دوسری تعزیر کی جائے۔ اگرچہ یہ تعزیر حد قذف تک پہنچ جائے۔ اسے مار ماری جائے اگرچہ حد قذف سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کسی نے زنا سے کم فعل کیا بوسہ لیا یا ساتھ لے کر سو رہا۔ یا اس قسم کی کوئی دوسری حرکت کی۔ تو اس کی تعزیر زنا کی حد کو نہیں پہونچ سکتی۔ اگرچہ قاذف سے زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے۔ ایک شخص نے منقش انگوٹھی بنوائی تھی۔ اور بیت المال سے کچھ لے لیا تھا۔ اور انگوٹھی میں لگایا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو ایک دن سو کوڑے لگوائے۔ دوسرے دن سو کوڑے لگوائے۔ اور تیسرے دن سو کوڑے لگوائے۔ اور خلفاء راشدینؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن ایک مرد ایک اجنبی عورت کو ایک لحاف کے اندر لے کر سویا ہوا تھا۔ تو دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے تھے۔

اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بی بی کی باندی سے خلوت کی تو اگر اس کی بی بی نے اسے خلوت کی اجازت دے دی تو اسے سو کوڑے لگوائے جائیں گے۔ اور خلوت کی اجازت نہیں دی ہے تو رجم کیا جائے گا۔ یہ تمام اقوال امام احمدؒ کے

مذہب کی رو سے ہیں۔ اور پہلے دو قول امام شافعیؒ وغیرہ کے مذہب کی رو سے ہیں۔ امام مالکؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان میں حد نہیں ہے۔ مگر تعزیریہ وسزا قتل کی بھی ہے۔ امام احمدؒ کے بعض شاگرد اس میں ان کے ہمنوا ہیں۔ مثلاً مسلم جاسوس دشمنوں اور کفار سے ایسی جاسوسی کرے کہ مسلمانوں کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو امام احمدؒ نے اس کی تعزیر میں توقف کیا ہے۔ لیکن امام مالکؒ اور بعض حنابلہ مثلاً ابن عقیل وغیرہ کہتے ہیں اس کو قتل کر دینا چاہئے۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور بعض حنابلہ مثلاً ابو یعلی وغیرہ کہتے ہیں نہیں اسے قتل نہیں کرنا چاہئے۔

اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر کوئی ایسی بدعت رائج کرے یا بدعت کو دعوت دیوے جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ امام مالکؒ کے بہت سے شاگردوں کا بھی یہی قول ہے، لیکن امام مالکؒ وغیرہ نے قدریہ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس لئے یہ حکم دیا ہے کہ اس سے فساد فی الارض متصور ہے۔ نہ یہ کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اس لئے۔

اور اسی طرح بعض نے جادوگر کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اکثر علماء نے بھی اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اور حضرت جندبؓ سے موقوف اور مرفوع روایت ہے کہ

حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ[1] جادوگر کی حد اس کی گردن تلوار سے اڑا دینا ہے۔

(رواہ الترمذی)

---

[1] حضرت جندبؓ کا واقعہ اغانی ابوالفرج اصبہانی کے اندر سند و روایت سے بیان کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر آیا۔ جو گائے کے شکم میں بلا تکلف گھس جاتا اور نکل آتا تھا اتفاق سے حضرت جندبؓ نے یہ معاملہ دیکھا، چپکے سے اٹھے اور گھر جا کر تلوار لے آئے۔ جب جادوگر گائے کے پیٹ میں گھس گیا تلوار لے کر اٹھے اور ایک ہی وار میں گائے اور جادوگر کے دو ٹکڑے کر دئے۔ اور یہ آیت پڑھی:-

أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ٥ کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں سننے کو آئے ہو؟

(انبیاء ع ۱)

یہ دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ ولید نے ان کو گرفتار کر کے جیل میں بھیج دیا۔ اور واقعہ کی اطلاع حضرت عثمان رضؓ کو دے دی۔ اتفاق سے داروغہ جیل ایک نصرانی تھا اس نے دیکھا کہ (باقی بر صفحہ ۲۲۶)

اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کہتے ہیں ساحر کی گردن اڑادی جائے۔ لیکن قتل کی وجہ اور علت مختلف بیان کیے ہیں بعض علماء اس لئے اسے قتل کرنے کی سزا تجویز کرتے ہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں نہیں، بلکہ فساد فی الارض کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں۔ بربنائے حد جادوگر کو قتل کیا جائے۔

(بقیہ ص۲۲۵) حضرت جندبؓ رات کو اٹھ کر تہجد گذارتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ کہنے لگا قسم خدا کی جس قوم کے شریر لوگ ایسے ہوں وہ قوم سچی ہے۔ جیل خانہ پر کسی شخص کو اپنا قائم مقام کیا، اور خود کوفہ پہنچا۔ اور دوسروں کے حالات دریافت کئے۔ پوچھا سب سے نیک اور بہتر شخص یہاں کون ہے؟ لوگوں نے کہا اشعث بن قیس۔ یہ نصرانی ان کا مہمان ہوا۔ اور دیکھا تو یہ رات کو سوتے ہیں اور صبح کو کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر کوفہ والوں سے پوچھا کون افضل شخص ہے؟ لوگوں نے کہا جریر بن عبداللہ۔ اس نصرانی نے ان کو بھی دیکھا۔ اور ویسا ہی پایا جیسا اشعث بن قیس کو پایا تھا۔ نصرانی قبلہ کی طرف رخ کر کے بولا۔

رَبِّی رَبُّ جُنْدُبٍ وَدِیْنِیْ دِیْنُ جُنْدُبٍ۔ — جو جندب کا رب ہے وہ میرا رب ہے جو جندب کا دین ہے وہ میرا دین ہے۔

اور کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

اور سنن کبریٰ میں بیہقی نے اس واقعہ کو کچھ مغایرت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ولید بن عقبہ عراق میں تھے۔ ان کے پاس ایک جادوگر آیا وہ یہ تماشہ کیا کرتا تھا کہ آدمی کی گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد زور زور سے چیختا اور اسے پکارتا۔ سر خود بخود آکر مقتول کے دھڑ سے لگ جاتا اور زندہ ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر لوگ کہتے سُبْحَانَ اللہِ یُحْیِی الْمَوْتٰی سبحان اللہ یہ تو مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر مہاجرین میں سے ایک نیک صالح آدمی دوسرے دن تلوار لے کر وہاں پہنچا۔ جب جادوگر نے تماشہ شروع کیا انہوں نے اٹھ کر وار کر دیا۔ ایک ہی وار میں گردن اڑا دی۔ اور کہنے لگے اگر سچا ہے تو خود بخود اپنی جان کو زندہ کر لیوے۔ ولید نے دینار نامی شخص کو جو جیل کا داروغہ تھا حکم دیا ان کو گرفتار کر کے جیل بھیجدو۔

غرض: یہ کہ جادو دین اسلام کے خلاف ہے۔ اور لوگ فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ پس حق اور دین کا معیار کتاب اللہ اور کتاب الرسول کو قرار دیا جائے۔ جو اس کے مطابق ہے حق ہے جو اس کے خلاف ہے ضلالت و گمراہی ہے۔

یہی وجہ و سبب ہے کہ جادوگر کو قتل کرنے کا حکم علماء نے دیا ہے۔

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ ان جرائم میں جن میں قتل واجب ہے ان جرائم کی تکرار پر تعزیر بالقتل کا حکم دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص لواطت پر اصرار کرے۔ یا یہ کہ لوگوں کو تحصیل مال کے لئے دھوکہ اور فریب دیتا ہے تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔

اگر کسی مفسدہ کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے شر سے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ اسے قتل نہ کیا جائے۔ تو اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں عرفجہ الاشجعی رضؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

مَنْ اَتَاكُمْ، وَاَمْرُكُمْ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ اَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ، اَوْ يُفَرِّقَ فِيْ جَمَاعَتِكُمْ فَاقْتُلُوْهُ۔

جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک آدمی پر مجتمع ہوں اسکا ارادہ تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالنے کا ہو، یا تمہاری جماعت کو پراگندہ کرنے کا ہو تو اسے تم قتل کر دو۔

اور دوسری روایت میں ہے:۔

سَيَكُوْنُ هُنَاتٌ وَهُنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ۔

پے در پے فتنے کھڑے ہونگے اس وقت کوئی آدمی اس امت میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ کرے اور تمہاری جمعیت کو توڑنا چاہے تو تم اسے تلوار سے قتل کر ڈالو جو کوئی بھی ہو۔

اور یہی شراب نوش کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب بار بار کی تعزیر سے وہ باز نہیں آتا تو چوتھی مرتبہ میں اسے قتل کر دو۔ اور اس پر وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں دیلم الحمیریؓ سے روایت کی ہے۔ دیلمؓ پوچھتے ہیں یا رسولؐ اللہ میں ایسی سرزمین سے آیا ہوں جہاں شراب سے بڑا کام نکلتا ہے۔ اور اس سے علاج معالجہ کیا جاتا ہے، ہم گیہوں کی شراب بناتے ہیں جس سے ہم کو بڑی قوت ملتی ہے۔ اور بڑی حد تک اپنے پیشہ میں کامیاب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے یہاں سردی بھی بہت ہوتی ہے۔ اور اس سے سہارا ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

هَلْ يُسْكِرُ؟

کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

میں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا:۔

فَاجْتَنِبُوْہُ۔ اس سے :

میں نے کہا لوگ ہرگز نہیں چھوڑیں گے تو آپ نے

فَاِنْ لَمْ یَتْرُکُوْہُ فَاقْتُلُوْہُ۔ اگر وہ چھوڑیں تو قتل کردو۔

اور یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ مفسد ہے۔ اور مفسد صائل حملہ آور کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ تو جس طرح صائل حملہ آور کی مدافعت بغیر قتل کے ناممکن ہو تو قتل کیا جائے۔ اسی طرح اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور سب کا اجماع اس پر ہے کہ عقوبت و سزا دو قسم کی ہے۔ ایک ماضی کے گناہ کی عقوبت و سزا کہ اسے اپنے کئے کی سزا مل جائے۔ اور خدا کی خفگی کا تدارک ہو جائے۔ مثلاً شراب خور اور قاذف کو کوڑے لگانا۔ محارب اور چور کے ہاتھ کاٹ دینا۔

دوسری واجب حق ادا نہ کرنے کی۔ اور جو جرم وہ کر رہا ہے مستقبل میں ترک نہیں کرتا۔ اس کی سزا جس سے مقصود یہ ہے کہ حق واجب وہ ادا کرے، اور مستقبل میں جرم کو ترک کر دیوے۔ جیسے مرتد کہ اس کو توبہ کے لئے کہا کہ وہ توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے۔ تا آنکہ وہ اسلام لے آئے۔ اگر وہ اسلام پھر قبول کر لیوے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

اور جیسے کہ تارک نماز، تارک زکوٰۃ۔ اور بندوں کے حقوق نہ دینا۔ ان کے حقوق کو پامال کرنا وغیرہ تا آنکہ وہ حقوق واجبہ ادا کرنے لگ جائے۔

تو اس دوسری قسم کے جرائم میں پہلی قسم کے جرائم سے زیادہ تعزیر کی جائے گی۔ اور اس لئے مرۃ بعد مرۃ تارک نماز، تارک زکوٰۃ کو مارا اور پیٹا جائے گا۔ تا آنکہ اس پر جو حقوق ہیں ادا کرنے لگ جائے۔

اور صحیحین کی وہ حدیث کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُجْلَدُ فَوْقَ عَشَرَۃِ اَسْوَاطٍ اِلَّا فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ۔ حدود الٰہی کے سوا دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہ کی جائے۔

اس کی تفسیر علماء کی ایک جماعت یہ کرتی ہے کہ اس سے مراد حدود الٰہیہ ہیں جو اللہ کے حق کے لئے حرام کی گئی ہیں۔ کیونکہ کتاب و سنت میں جہاں حد کا لفظ آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حلال و حرام میں حد فاصل ہے۔ یعنی حلال کی آخری حد۔ اور حرام کی پہلی حد کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔ حلال کی آخری حد کے متعلق خدا کا ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ؕ یہ حدود خداوندی ہیں اُسے پھلانگو مت

اور حرام کی پہلی حد کے متعلق خدا کا ارشاد ہے :۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ یہ حدود الٰہی ہیں اس کے قریب نہ جاؤ۔

اب رہی یہ بات کہ اس عقوبت وسزا کو حد کیوں کہا گیا۔ تو جواب یہ ہے یہ نو پیدا عرف ہے اور حقیقت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی۔

اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے حق کے لئے اگر مارے۔ مثلاً مرد اپنی بی بی کو مارے کہ کسی وجہ سے باہم نشوز اور کھچاؤ پیدا ہو گیا ہے تو اس کا فرض یہ ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے۔●

اٹھارویں[۱۸] فصل کے مضامین!

جن کوڑوں سے مارا جائے وہ درمیانی ہونے چاہئیں لکڑی یا کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے۔ تمام کپڑے نہ اتارے جائیں۔ منہ پر نہ مارا جائے۔ پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مارا جائے۔ اور اس کے ہاتھ نہ باندھے جائیں۔

شریعت میں جن کوڑوں کے لگانے کا حکم ہے۔ وہ ایسے ہونے چاہئیں کہ معتدل و درمیانی ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

خَيْرُ الْأُمُوْرِ أَوْسَطُهَا۔ بہترین امور وہ ہیں جو درمیانی ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں نہ سخت ضرب لگائی جائے نہ نرم۔ کوڑا نہ بہت بڑا ہو نہ بہت چھوٹا۔

لکڑی سے نہ مارا جائے۔ کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے۔ اس میں درہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ درہ تعزیرات میں مستعمل ہے۔ حدود میں تو کوڑوں ہی کی مار ماری جائے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ جب کسی کو ادب دیتے۔ ادب سکھاتے تو درہ کے ذریعہ سکھاتے، لیکن جب حدود کا معاملہ ہوتا تو کوڑا منگوا لیتے، کوڑے لگواتے وقت مجرم کے سارے کپڑے نہ اتارے جائیں۔ بلکہ اتنے اتارے جائیں جو ضرب اور مار درد چوٹ سے روکتے ہوں۔ اندر آنتوں اور رگوں پر مار کا اثر نہ پہنچے۔ اور جبتک سخت ضرورت پیش نہ آئے محدود کو باندھا بھی نہ جائے منہ پر نہ مارا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ اس کی تادیب کی جائے۔ اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور ایسی مار ماری جائے کہ ہر عضو کو اس کا حصہ مل جائے۔ مثلاً پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مار ماری جائے۔

انیسویں فصل کے مضامین

عقوبت وسزا دو قسم کی ہے۔ ایک یہ کہ ایک یا دو یا چند آدمی خدا اور رسول خدا کی نافرمانی کریں۔ دوسری یہ کہ ایک مضبوط جماعت ہو جو اسلام کی راہ میں حائل ہو اور لڑنے مارنے مرنے پر تل جائیں۔ پہلی قسم میں حد ہے اور دوسری قسم میں جہاد۔

اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی سے جو سزا اور عقوبت لازم آتی ہے وہ دو قسم کی ہے۔ ایک وہ عقوبت وسزا جو مقدر اور مقرر ہے۔ جو ایک آدمی کے لئے یا دو یا چند آدمیوں کے لئے ہوا کرتی ہے، جیساکہ پہلے اس کا بیان گذر چکا۔ دوسری عقوبت وسزا وہ ہے جو ایک زبردست گروہ کے مقابلہ میں ہو۔ جس پر قتل کے بغیر قابو نہیں حاصل ہوتا۔ اور یہ جہاد ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمنوں کے خلاف لڑائی ہے۔

پس جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت ان تک پہنچ جائے۔ دین کی تبلیغ ہو جائے اور وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کے مقابلہ میں جہاد اور حرب وقتال واجب ہے تا آنکہ کوئی فتنہ دین کے بارے میں باقی نہ رہے۔ اور دین خداوندی پھولے پھلے۔

بعثت کے آغاز میں آپ کو صرف دعوت الی الاسلام کی اجازت تھی۔ قتل کرنے اور مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب مجبور ہو کر آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ وہاں آپ کی قوت وطاقت بڑھ گئی تو اللہ تعالے نے آپ کو اور مسلمانوں کو جہاد۔ قتال وجنگ کا حکم دیا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ

جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دئے گئے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک

وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

(حج ع ۶)

دوسرے سے نہ ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجے، اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے، اور جو اللہ کی مدد کریگا اللہ بھی ضرور اسکی مدد کریگا۔ کچھ شک و شبہہ نہیں کہ اللہ زبردست غالب ہے، یہ لوگ اگر حاکم وقت بنا کر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو اچھے ہی اچھے کام کرینگے نماز پڑھینگے، زکوٰۃ دینگے، اچھے کام کیلئے کہیں گے و برُے کام سے منع کرینگے۔ اور سب چیزوں کا انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں پر جہاد و قتال فرض کیا گیا اور یہ آیت اتری۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

(بقرہ ع ۲۶)

مسلمانو! تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو ناگوار بھی گذریگا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔

اس کے بعد مدنی سورتوں میں جہاد کی عظمت و اہمیت پیش کی۔ اور جہاد فرض کیا گیا اور جہاد ترک کرنے والوں کی مذمت اور برائی پیش کی۔ جہاد و قتال ترک کرنے والوں کو مرض قلوب سے یاد کیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی۔ اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے دار، اور مال جو تم نے کمائے ہیں، اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے۔ اگر یہ

وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○

(توبہ ع ۳)

سب چیزیں اللہ اور اسکے رسول کے رستے میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے اور اللہ ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○ (حجرات ع ۲)

پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ○ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ○ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○

(محمد ع ۳)

پھر جب کوئی سورت نازل ہو اور اس میں صاف طور پر جہاد کا حکم اور لڑائی کا تذکرہ ہو تو اے پیغمبر جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے تم ان کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو...... ...... رسول کی فرمانبرداری چاہئے اور سیدھی طرح پر جواب دینا چاہئے جب لڑائی ٹھن جائے اور یہ لوگ خدا سے سچے رہیں تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہے تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر پھر بیٹھو تو ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتوں ناطوں کو توڑنے۔

اور اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ اور اسی طرح جہاد و قتال اور جہاد کرنے والے مجاہدوں کی عظمت و اہمیت سورۂ الصف کے اندر وارد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(صف ع ۲)

اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہو کہ مسلمانو! کہو تو میں تم کو ایسی سوداگری بتاؤں! جو تم کو آخرت کے عذاب دردناک سے بچائے، وہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑا دو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو، خدا تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور تم کو بہشت کے باغوں میں لے جا داخل کریگا جن کے تلے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی۔ اور نیز عمدہ عمدہ مکانات میں کہ وہ مکانات ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے ایک اور نعمت بھی ہے جس کو تم دل سے پسند کرتے ہو کہ خدا کی طرف سے تم کو مدد ملے گی اور فتح اور اے پیغمبر! مسلمانوں کو اس کی خوشخبری سنا دو۔

اور ارشاد ہے:۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور ادب حرمت والی مسجد خانہ کعبہ کو آباد رکھنے کو اس شخص جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتا ہے، اور اللہ کے رستے میں جہاد کرتا ہے۔ اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کئے یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں۔ اور یہی ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (توبہ ع ۳)

جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی۔ اور یہ ان باغوں میں سدا کو اور ہمیشہ ہمیش رہیں گے، بیشک اللہ کے ہاں بہت بڑا ثواب موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ، يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (مائدہ ع ۸)

تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائے تو خدا ایسے لوگوں کو لا موجود کریگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے، مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے کڑے۔ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا باک نہیں رکھیں گے یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بہت وسیع بڑا جاننے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (توبہ ع ۱۵)

یہ اس لئے کہ ان جہاد کرنے والوں کو خدا کی راہ میں پیاس اور محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے تو اور جن مقامات پر کافروں کو ان کا چلنا ناگوار گزرتا ہے، وہاں چلتے ہیں تو اور جو کچھ دشمنوں سے عطا رہتا تو ہر ہر کام کے بدلے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے بیشک اللہ خلوص دل سے اسلام کی خدمت کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیا کرتا۔ اور تھوڑا یا بہت جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو میدان ان کو طے کرنے پڑتے ہیں یہ سب ان کے نام لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

پھر ان اعمال معاشرت سے جو اعمال پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا اور جہاد کا حکم دیا۔ اور

کتاب اللہ وکتاب الرسول میں بے شمار جگہوں پر جہاد کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہے کہ افضل تطوع اور بہترین نفل جہاد ہے، اور اسی بنا پر علماء کا متفقہ فتوی ہے کہ جہاد، حج، عمرہ اور نفل روزوں سے بھی افضل ہے، جیسا کہ کتاب اللہ وکتاب الرسول اس پر دلالت کرتی ہیں۔ تا آنکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعُمُوْدُہٗ الصَّلٰوۃُ وَذِرْوَۃُ سَنَامِہِ الْجِھَادُ۔

راس الامر اسلام ہے اور اسکا عمود وستون نماز ہے، ان سب سے بہترین عمل جہاد ہے۔

اور آپ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ لَمِأَۃَ دَرَجَۃٍ مَا بَیْنَ الدَّرَجَۃِ وَالدَّرَجَۃِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِلْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ۔

(متفق علیہ)

جنت میں سو درجے ہیں، اور دو دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ اور یہ درجے اللہ تعالے نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاہُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَرَّمَہُ عَلَی النَّارِ۔

(رواہ البخاری)

جس شخص کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے۔ اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اور آپ کا ارشاد ہے:۔

رِبَاطُ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ صِیَامِ شَھْرٍ وَقِیَامِہٖ وَاِنْ مَاتَ اُجْرِیَ عَلَیْہِ عَمَلُہُ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُہٗ وَ اُجْرِیَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ وَاَمِنَ الْفَتَّانَ۔

(رواہ مسلم)

ایک رات دن خدا کی راہ میں گھوڑے باندھنا ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ شب بیداری سے بہتر ہے، اگر وہ اس حالت میں مر گیا اسے اس کے عمل کا اجر ملتا رہے گا۔ اور اسکا رزق جاری کر دیا جائیگا۔ اور فتنوں سے پناہ ملے گی۔

اور آپ کا ارشاد ہے۔

لَا تَمَسُّھُمَا النَّارُ عَیْنٌ بَکَتْ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ۔ وَعَیْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ

جو آنکھ خدا کے خوف سے روئے۔ اور جو آنکھ فی سبیل اللہ حراست کرے اس کو دوزخ کی

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (قال الترمذی حدیث حسن) آگ کبھی نہ چھوئے گی۔

اور مسند احمد میں ہے:۔

حَرْسُ لَیْلَۃٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ لَیْلَۃٍ یُقَامُ لَیْلُھَا وَیُصَامُ نَھَارُھَا۔

(رواہ احمد فی مسندہ)

ایک رات خدا کی راہ میں حراست کرنا ہزار راتوں کی شب بیداری اور ہزار روزوں سے بہتر ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر ہے۔

اَنَّ رَجُلًا۔ قَالَ۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ بِشَیْءٍ یَعْدِلُ الْجِھَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ قَالَ تَسْتَطِیْعُہٗ۔ قَالَ اَخْبِرْنِیْ قَالَ ھَلْ تَسْتَطِیْعُ اِذَا خَرَجَ الْمُجَاھِدُ اَنْ تَصُوْمَ لَا تُفْطِرُ وَتَقُوْمَ لَا تَفْتُرُ قَالَ لَا۔ قَالَ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَعْدِلُ الْجِھَادَ۔

کسی شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز بتلا دیجئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو آپ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اس نے کہا بتلائے تو سہی، آپ نے فرمایا کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ جب مجاہد جہاد کیلئے نکلے تم روزے رکھنا شروع کرو اور افطار نہ کرو، اور رات کو تہجد گذارو، ناغہ نہ کرو، اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ عبادت جہاد کے برابر ہو سکتی ہے۔

اور سنن میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ سِیَاحَۃً وَسِیَاحَۃُ اُمَّتِی الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

ہر امت کی سیر و سیاحت ہوتی ہے۔ میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

یہ بات بہت وسیع ہے حقیقت جہاد۔ اعمال جہاد اور اس کے اجر و ثواب اور فضیلت کے بارے میں جس قدر احادیث وارد ہیں کسی چیز، کسی عمل کے بارے میں وارد نہیں ہیں۔ غور و عبرت کی جائے تو یہ ظاہر ہے، کیونکہ جہاد کا نفع مجاہد اور دوسروں کے لئے دین و دنیا میں عام ہے۔ اور ہر قسم کی عبادات و طاعات ظاہرہ باطنہ پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ جہاد محبت الٰہی، اخلاص توکل علی اللہ پر مشتمل ہے۔ اپنی جان و مال خدا کے حوالہ کر دیتا ہے۔ صبر و زہد، ذکر خداوندی اور ہر قسم کے اعمال اس کے اندر شامل ہیں۔ جہاد کے علاوہ دوسرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں

یہ تمام اعمال شامل ہوں۔

جو شخص اور جو امت جہاد کرتی ہے، دو قسم کی نیکیوں سے ہمیشہ بہرہ ور ہوتی ہے۔ نصرت الٰہی۔ فتح و ظفر، یا شہادت پاکر جنت حاصل کرلیوے، اور پھر یہ کہ خلق اللہ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بڑا اہم ہے، جہاد میں دین و دنیا کی سعادت ہے، اور زندگی اور موت کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتا ہے، ترک جہاد سے دنیا و آخرت کی سعادت سے یکسر محروم ہو جاتا ہے۔ یا ان میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے، بعض لوگ شدید قسم کی ریاضت کرتے ہیں دین و دنیا کے لئے اعمال شاقہ برداشت کرتے ہیں، باوجود اس کے ان سے منفعت کم حاصل ہوتی ہے۔ جہاد ایک ایسا عمل ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ نفع ہے اور اعمال شاقہ سے کہیں زیادہ اس میں منفعت ہے۔ کبھی کبھی انسان اپنی ترقی اور اصلاح کے لئے ایسے اعمال شاقہ کر گذرتا ہے کہ موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن شہید کی موت ہر قسم کی موت سے آسان اور سب سے بہتر ہے۔

حرب و قتال اور جنگ کا اصل مقصد مشروع جہاد ہے۔ اور جہاد کا مقصود اصلی یہ ہے کہ دین کُل کا کُل خدا کا ہو جائے۔ اور کلمۂ خداوندی بلند ہو۔ تو جو شخص اس جہاد سے روکے اس سے منع کرے یا اس میں مزاحمت پیدا کرے تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ جو لوگ منع نہیں کرتے، مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال نہیں کرتے جو کسی طرح جہاد میں مزاحم نہیں ہیں جیسے کہ عورتیں۔ بچے۔ راہب۔ شیخ کبیر۔ بوڑھے۔ اندھے لولے۔ لنگڑے۔ اپاہج وغیرہ تو جمہور کا یہ فتویٰ ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل نہ کیا جائے انہی لوگوں کو قتل کرنا واجب ہے جو قول و فعل سے مسلمانوں کے خلاف حرب و قتال اور جنگ کرتے ہیں۔ گو بعض تمام کو قتل کرنا مباح کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں چونکہ وہ کافر ہیں اس لئے قتل کر دیا جائے، ہاں عورتوں، اور بچوں کو قتل کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ یہ تو مسلمانوں کا مال ہے پہلا قول صحیح اور صواب اور ثواب ہے، کیونکہ جہاد یہی ہے۔ اور اسی کا نام ہے کہ جب ہم دین کی دعوت پیش کریں، دین کی اشاعت کریں۔ دین حق کو پھیلانا چاہیں تو وہ ہم سے لڑیں ہم کو روکیں اور تبلیغ و اشاعت کی راہ میں مزاحمت کریں جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ	اور مسلمانو! جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو۔ اور زیادتی نہ کرنا

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (بقرہ ع ۲۴) اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سنن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو جمع پایا اور ایک مقتولہ عورت کو دیکھا۔ آپ نے اس وقت فرمایا۔

مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ۔ یہ عورت تو کسی کو قتل نہیں کرتی تھی۔

اور آپ نے ایک شخص سے کہا۔

اِلْحَقْ خَالِدًا فَقُلْ لَهٗ لَا تَقْتُلُوْا ذُرِّيَّةً وَّلَا عَسِيْفًا۔ جاؤ جا کر خالد سے کہو، چھوٹی اولاد، اور محنت مزدوری کرنے والے اور بے ضرر غلاموں کو، اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔

اور اسی سنن میں ہے آپ نے فرمایا۔

لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَّلَا طِفْلًا صَغِيْرًا وَّلَا امْرَأَةً۔ شیخ فانی کو قتل نہ کرو، اور نہ چھوٹے بچوں کو قتل کرو، نہ عورتوں کو۔

اور یہ اس لئے کہ قتال وجہاد مخلوق کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے مباح کیا گیا ہے قتل کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ اس سے فلاح و بہبود منصور ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط اور فتنہ قتل سے بھی بہت بڑا شر ہے۔

یعنی قتل کرنا بھی شر و فساد ہے۔ تو گویا کسی کو قتل کرنا بھی شر و فساد ہے۔ مگر کفار کا شر و فساد اس سے بھی بڑھ کر ہے، اور بہت بڑا فتنہ ہے۔ پس جو شخص دین کی اشاعت، دین کی اقامت سے منع نہیں کرتا، ان کی مزاحمت نہیں کرتا تو اس کا کفر اسی کے لئے مضر ہے، نہ مسلمانوں کے لئے۔ اسی لئے فقہا۔ نے کہا ہے ایسی بدعات کی دعوت، دینا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا جو کتاب اللہ اور کتاب الرسول کے خلاف ہے۔ سراسر دین کی توہین ہے اور دعوت دینے والے اور اس کی نشر و اشاعت کرنے والے کو عقوبت و سزا دی جائے۔ خاموش رہنے والے کو وہ عقوبت و سزا نہ دی جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اِنَّ الْخَطِيْئَةَ اِذَا اُخْفِيَتْ لَمْ تَضُرَّ اِلَّا صَاحِبَهَا وَلٰكِنْ اِذَا ظَهَرَتْ فَلَمْ تُنْكَرْ ضَرَّتِ الْعَامَّةَ۔ جب خفیہ طور پر گناہ کیا جائے تو گناہ کرنے والے ہی کو نقصان کرتا ہے۔ لیکن جب کھلے طور پر کیا جائے اور اس پہ انکار نہ کیا جائے۔ تو

عام لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اسی لئے شریعت نے کفار سے قتال وجنگ واجب کیا ہے۔ لیکن جو معذور بے بس ہیں ان سے قتال وجنگ واجب نہیں کیا۔ بلکہ اگر کوئی خفیہ طور پر قتال وغیرہ کا مشورہ دیتا ہے۔ یا کشتی اور جہاز کی راہ بتلاتا ہے۔ یا یہ کہ مسلمانوں کو غلط راستہ بتلاتا ہے۔ یا اور کسی قسم کا کام کرتا ہے یا حیلہ بتلاتا ہے۔ تو امام۔ والی۔ حاکم کا فرض ہے اصلح طریقہ اختیار کرے اور سوچ سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش کرے، اسے اس کام سے دور رہنے کی ہدایت کرے، یا قتل کر دیوے، یا احسان کر کے چھوڑ دیوے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیوے، یا جان کی ضمانت لے کر اسے رہا کر دیوے، جو بہتر معلوم ہو کرے، اکثر فقہاء کا یہی قول ہے کتاب وسنت بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں، اگرچہ بعض فقہا اس پر احسان کرنے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کو منسوخ مانتے ہیں۔

لیکن اہل کتاب، اور مجوسیوں کا مسئلہ تو ان سے قتال وجنگ کی جائے، تا آنکہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں، ان کے سوا دوسرے لوگوں سے جزیہ لینے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، مگر عام فقہاء عربوں سے جزیہ نہیں لیتے۔

جو طائفہ جو گروہ کہ اس کی نسبت اسلام کی طرف ہوتی ہے۔ اور مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن بعض شرائع سے وہ حذر کرتے ہیں یا منع کرتے ہیں اور وہ شرائع ایسے ہیں جو ظاہر اور متواتر ہیں تو ان سے جہاد کرنا واجب ہے۔ اس پر تمام مسلمان متفق ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد وقتال کرنا فرض ہے۔ تا آنکہ اللہ کا دین کل کا کل پھیل جائے۔ جیسا کہ ابو بکر صدیق رضؓ اور تمام صحابہ کرامؓ نے "زکوٰۃ" نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ گو بعض صحابہؓ نے ابتدا میں اس سے اختلاف کیا لیکن بعد میں جا کر اس سے متفق ہو گئے تا آنکہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے کہا۔

كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَإِذَا قَالُوْهَا فَقَدْ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔

تم ان لوگوں سے جہاد وقتال کیسے کر سکتے ہو؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، مجھے امر کیا گیا ہے میں لوگوں سے جنگ اس وقت تک کروں کہ وہ شہادت دیویں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، جب شہادت دے دیں تو اپنی جان ومال بچا لیں گے مگر کسی حق کے ساتھ۔ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس کا جواب دیا۔

فَإِنَّ الزَّكَاتَ مِنْ حَقِّهَا وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا۔

زکوٰۃ اس کلمہ کا حق ہے، واللہ اگر یہ لوگ اس کا وہ ٹکڑا بھی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال و جنگ کرونگا۔

حضرت عمر رضؓ بعد میں کہا کرتے تھے، یقیناً اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا قتال و جنگ کے لئے شرح صدر فرما دیا تھا۔ اور میں اچھی طرح اب سمجھ چکا ہوں کہ یہ حق پر تھے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مختلف بہت سے طریقوں سے مروی ہے کہ آپ نے خوارج کے خلاف جہاد و جنگ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین کے اندر حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے۔

سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ۔ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ۔ يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ۔ لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

آخر زمانے میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو جوان ہونگے اور بیوقوف ہونگے، وہ خیر البریہ کا قول پیش کریں گے لیکن ایمان ان کے حنجروں سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین ان سے ایسے نکل جائے گا جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے، پس جہاں تم ان کو پاؤ قتل کردو۔ ان کے قتل کرنے سے قیامت کے دن تمہیں اجر و ثواب ملے گا۔

اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت علی رضؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔

يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ لَيْسَ قِرَاءَتُكُمْ إِلَى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ وَلَا صِيَامُكُمْ إِلَى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ يَحْسَبُونَهُ أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ لَا تُجَاوِزُ قِرَاءَتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ

میری امت میں ایک ایسی قوم نکلے گی جو قرآن پڑھتی رہے گی، لیکن ان کی قرأت کے مقابلہ میں تمہاری قرأت کوئی چیز نہیں اور نہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تمہاری نماز کوئی چیز ہے، اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں تمہارے روزے کوئی چیز نہیں، قرآن

يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔

پڑھینگے اور خیال کرینگے قرآن ان کیلئے دلیل ہے حالانکہ قرآن ان کے خلاف ہوگا ان کی قرأت ان کی ہنسلی کے نیچے نہیں جائے گی۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔

تو اگر وہ جیش اور لشکر جن تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ پہنچے کہ رسول خدا کی زبان اقدس نے یہ فیصلہ کیا ہے، تو یقیناً اس پر عمل کریں گے۔

اور ابو سعیدؓ نے اوپر والی حدیث میں یہ جملے بھی روایت کئے ہیں۔

يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِيمَانِ۔ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ۔ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ۔ (متفق علیہ)

وہ اہل ایمان کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے۔ اگر میں ان کو پاؤں گا تو قوم عاد کی طرح انہیں قتل کردوں گا۔

اور مسلم کی ایک روایت ہے

تَكُونُ أُمَّتِي فِرْقَتَيْنِ تَخْرُجُ مِنْ بَيْنِهِمَا مَارِقَةٌ يَلِي قَتْلَهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ۔

میری امت دو فرقوں میں بٹ جائے گی، ان دونوں سے بے دین لوگ کھڑے ہو جائیں گے تو جو لوگ حق پر ہوں گے وہ ان کو قتل کرینگے

یہ وہی لوگ تھے جن سے امیرالمومنین حضرت علیؓ نے جنگ کی تھی جبکہ عراقی لوگوں میں اور شام کے لوگوں میں تفرقہ بازی ہوئی تھی، اور صحابہ کرامؓ نے ان کا نام حروریہ رکھا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں گروہ آپ کی امت سے علیحدہ ہیں اور اصحاب علیؓ حق پر ہیں۔ آپ نے ان مارقین، بے دینوں کے سوا کسی سے جنگ کرنیکی تحریص و تحریک نہیں فرمائی۔ بلکہ انہی لوگوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال کا حکم فرمایا جو اسلام سے خارج ہوگئے تھے، اور جماعت اسلامی کو ترک کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کا خون اور مال اپنے لئے حلال و مباح کر لیا تھا۔

پس کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہو گیا کہ اس جماعت سے قتال و جنگ کی جائے جو شریعت اسلام سے خارج ہوں۔ اگرچہ وہ کلمہ شہادت یعنی لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ۔ کا زبان سے اقرار کریں۔

فقہاء کہتے ہیں اگر کوئی زبردست گروہ سنت راتبہ کی مزاحمت کرے اور اسے ترک کرنے پر کمربستہ ہو جائے۔ مثلاً فجر کی دو سنتوں کا انکار کرے تو دونوں قول کے مطابق انسے قتال و جنگ

کی جائے۔ اور اگر واجبات اور محرمات ظاہرہ ثابتہ مستفیضہ سے انکار کرے تو بالاتفاق ان سے مقاتلہ کیا جائے، تاآنکہ وہ نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ کا التزام کرلیں، اور محرمات مثلاً بہنوں سے نکاح کرنے، خبیث چیزوں کے کھانے، اور مسلمانوں پر ظلم کرنے سے باز آجائیں، ایسے لوگوں سے قتال وجنگ واجب ہے۔ اور قتال وجنگ اس وقت واجب ہے جبکہ دعوت نبوی ان تک پہنچ جائے۔

لیکن جب مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ لوگ جنگ کی ابتدا کریں۔ تو اس وقت انکا مقابلہ کرنا اور ان سے قتال وجنگ ضروری ہوجاتی ہے، عام فرض ہے کہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں۔ اور اس طرح مقابلہ کریں جس طرح کہ مسلمانوں پر زیادتی کرنے والوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً قطاع الطریق وغیرہ اور ان سے بھی زیادہ ضروری اور واجب ہے کہ کفار اور طائفہ ممتنعہ سے جو بعض شرائع الٰہیہ سے مزاحمت کریں جنگ وقتال واجب ہے، مثلاً زکوٰۃ نہ دینا اور خوارج کا فتنہ وغیرہ تو ان سے مقابلہ اور قتال وجنگ کرنا واجب ہے۔

ابتدا جنگ میں مدافعانہ جنگ کی جائے۔ اور یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض مسلمان جنگ و قتال میں حصہ لیں گے تو باقی مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہوجائے گا۔ اگرچہ فضیلت اسی میں ہے کہ اس جنگ میں شرکت کی جائے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ الآیہ (نساء ع ۱۳)	جن مسلمانوں کو کسی طرح کی معذوری نہیں اور وہ جہاد سے بیٹھ رہے، ان کی شرکت کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی یہ لوگ درجے میں برابر نہیں ہو سکتے۔

لیکن اگر دشمن کا ارادہ مسلمانوں کے خلاف جنگ وقتال کا ہے، اور ہجوم کرکے چڑھ دوڑے ہیں تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی مدافعت کریں۔ مدافعت ان پر فرض ہوجاتی ہے جن پر حملہ کیا گیا ہے، ان پر فرض اس لئے ہے کہ ان پر حملہ ہوا ہے، اور دوسرے مسلمانوں پر اس لئے کہ اہل اسلام کی اعانت و امداد فرض ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ط (انفال ع ۱۰)	ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم کو انکی مدد کرنی لازم ہے، مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہو۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَلْمُسْلِمُ یَنْصُرُ الْمُسْلِمَ۔ مسلمان مسلمان کی امداد کریں۔

مسلمانوں کی امداد ضروری ہے اس میں ان کو روزینہ ملے یا نہ ملے اگرچہ روزینہ دینا بہتر ہے۔ تمام مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جان و مال سے اعانت و امداد کریں۔ اور یہ اعانت امداد ان پر فرض ہے۔ جس قسم کی سہولت ہو قلیل ہو یا کثیر، پیادہ جائے۔ یا سواری پر۔ بہرحال اعانت و امداد فرض ہے، جیسے کہ جنگ خندق کے وقت کہ جب کفار نے حملہ کیا تو سب مسلمانوں پر حسب امکان جہاد فرض ہو گیا تھا۔ کسی ایک کو بھی اس جہاد کے ترک کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جیسی کہ ترک جہاد کی اجازت ابتداء میں تھی کہ دشمنوں کی طلب میں نکلیں۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی دو۲ قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک قاعد۔ دوسرے خارج نہ لڑنے والے اور لڑنے والے، بلکہ اس وقت بھی جن لوگوں نے عذر پیش کر کے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ جانے کی درخواست کی تو خدا نے ان کی مذمت کی۔

یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَمَا هِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا۔ (احزاب ع ۲)

پیغمبر سے گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگنے اور کہنے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ میں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں بلکہ ان کا ارادہ تو صرف بھاگنے ہی کا ہے۔

یہ جہاد قتال و جنگ دین اور حرمت وعزت اور جانوں کی مدافعت کے لئے ہے۔ اور یہ اضطراری اور مجبوری کے سبب سے لڑنا پڑتی ہے۔ اور وہ قتال و جنگ اختیاری ہے۔ دین و ملت کی زیادتی اور اضافہ اور اعلاء کلمۂ دین اور دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھنا مقصود ہے کہ دشمن کسی وقت بھی سر اونچا نہ کریں۔ جیسے غزوہ تبوک وغیرہ۔

تو یہ عقوبت و سزا اس جماعت ممتنعہ، اور طاقتور گروہ کے مقابلہ کے لئے ہے لیکن اگر جماعت ممتنعہ اور طاقتور گروہ نہیں ہے، اکا دکا واقعہ ہے تو اس کے لئے یہ عقوبت و سزا نہیں ہے، جیسے کہ اسلامی آبادیوں میں ہوتا رہتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے امیر و حاکم کا فرض ہے کہ انہیں فرائض، واجبات سنن، و مستحبات کا پابند بنائے، اور مبانی اسلام، ضروریات دین، اصول اسلام پر عمل کرائے۔ اور اس کے لئے مجبور کیا جائے۔ اور معاملات کے بارے میں ادائے امانت۔ وفا بعہد ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جائے۔

پس جو لوگ نماز ترک کر دیں اور عورتیں عموماً بے نمازی ہوں تو انہیں حکم دیا جائے کہ وہ

نماز پڑھیں۔ جو نماز نہ پڑھے اسے عقوبت و سزا دی جائے تا آنکہ وہ نماز پڑھنے لگ جائیں اور اس پہ مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اکثر علماء کہتے ہیں ایسے بے نمازی کو قتل کر دیا جائے۔ پہلے ایسے بے نمازیوں کو توبہ کرنے کا حکم دیوے، اور حکم دیوے کہ نماز پڑھا کریں۔ اگر توبہ کر لیویں نماز پڑھنے لگ جائیں تو فبہا ورنہ قتل کر دئے جائیں۔

اب انہیں قتل کیا جائے تو کس گناہ کی بنا پر؟ آیا وہ نماز نہ پڑھنے سے کافر ہو جاتے ہیں اس لئے۔ یا مرتد یا فاسق ہو جاتے ہیں اس لئے؟ تو امام احمدؒ وغیرہ کے مذہب کے روسے دو قول مشہور ہیں۔ ایک قول کی رو سے وہ کافر ہو جاتے ہیں اس لئے۔ دوسرے قول کے مطابق فاسق ہیں اس لئے۔ اور اکثر سلف سے جو منقول ہے وہ اسی کے مقتضی ہیں کہ وہ کافر ہو جاتے ہیں اس لئے ان کا قتل کرنا واجب ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ فرض و وجوب کا اقرار کریں اور نماز نہ پڑھیں۔ لیکن ایسا شخص کہ نماز کے فرض و وجوب کا انکار کرتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ بلکہ چھوٹے بچوں کے والیوں پر واجب ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں نماز پڑھنے کا حکم کریں۔ جب دس سال کے ہو جائیں تو مار مار کر نماز پڑھائیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

مُرُوهُمْ بِالصَّلٰوةِ لِسَبْعٍ۔ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ۔ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔

بچے جب سات برس کے ہوں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پہ مارا کرو، اور ان کو علیحدہ سلاؤ۔

اسی طرح بچوں کو ضروریات نماز۔ طہارت واجبہ سکھانا بھی ضروری ہے، اور ضروریات نماز میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کی مسجدیں آباد کریں۔ ان کے امام وغیرہ مقرر کریں اور انہیں حکم کریں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھا کریں۔ اور ایسی نماز پڑھائیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔ (رواہ البخاری)

تم ایسی نماز پڑھو جیسی میں پڑھا کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے صحابہ رضؓ کو لے کر منبر کی ایک جانب نماز پڑھائی۔ اور پھر فرمایا:۔

إِنَّمَا فَعَلْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوا بِي وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي. میں نے یہ اس لئے کیا کہ تم میری اقتدا کرو اور تم میری نماز سیکھ لو۔

اور امام پر فرض ہے کہ نماز وغیرہ پر پوری نظر رکھے۔ کہ ان کی نماز میں کسی قسم کا نقصان متصور نہ ہو۔ بلکہ امام پر لازم ہے کہ نماز کامل طور پر پڑھائے، جیسے منفرد پڑھتا ہے اس طرح نہ پڑھائے کہ منفرد بوجہ عذر اقتصار بھی کر سکتا ہے، امام کا فرض ہے کہ وہ نمازیوں کی تمام ضروریات پر نگاہ رکھے۔

یہی حکم امام حج کا ہے۔ کہ تمام حاجیوں کی ضروریات پر نظر رکھے۔ اور انھیں حج کی ضروریات سکھائے۔ امیر لشکر کے لئے ضروری ہے کہ وہ لشکریوں پر پوری پوری نگاہ رکھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وکیل مال اور ولی بیع وشرا، پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے موکل اور ولی بنانے والے کے مال کی نگرانی اور اس میں تصرف کس طرح کرتا ہے۔ اور جو اصلح طریقہ ہوتا ہے وہ اختیار کرتا ہے۔ تا آنکہ اپنا مال بھی کچھ ضائع ہو جائے، تو پرواہ نہیں کرتا، لیکن اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، تو یہ تو دین کا معاملہ ہے جو نہایت اہم ہے۔ اور اس معنی کی وضاحت فقہاء نے کی ہے۔ جب والیان امر والیان ملک لوگوں کے دین کی اصلاح کریں گے تو دونوں گروہ کا دین اور دنیا درست ہو جائیگا۔ امیر ووالی اور رعایا دونوں فلاح وبہبود کو پہنچیں گے۔ ورنہ معاملہ مضطرب ہو جائے گا، اور ان کو حکومت کرنا دشوار ہو جائے گی۔

اور ان تمام باتوں کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ رعیت کے لئے حسن نیت اور دین کے لئے اخلاص درکار ہے۔ کہ دین خداوندی ترقی کرے، اور خدا پر توکل وبھروسہ رکھے۔ کیونکہ اخلاص وتوکل یہی دو چیزیں ایسی ہیں جن پر خواص وعوام کی صلاح وبہبود موقوف ہے۔ جیسا کہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم اپنی نماز میں یہ پڑھا کریں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (فاتحہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

ان دو کلموں کے متعلق کہا گیا ہے، تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ان جملوں میں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جب

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (فاتحہ) روز جزا کا حاکم ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

پڑھتے ہیں تو لوگوں کے سر اپنے کندھوں پر ہل جاتے ہیں۔ اور خدا نے قرآن میں بہت سی جگہ اس معنی کو ادا کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط (ہود ع ۱۰) — تو اسی کی عبادت کرو، اور اسی پر بھروسہ رکھو،

اور فرمایا:۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ (ہود ع ۸) — میں تو اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اضحیہ کو ذبح کرتے تو فرماتے:۔

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَإِلَيْكَ ۔ — اے اللہ! یہ تیری جانب سے اور تیرے لئے ہے۔

اور سب سے زیادہ سب سے بڑی اعانت و امداد جو ولی الامر، اور حاکم اور رعایا کو ملتی ہے وہ ان تین امور سے ملتی ہے، ایک اخلاص للہ، اس پہ توکل، اور دعا، اور اس کی محافظت نماز میں قلب وجسم کی محافظت سے ہوتی ہے۔

دوسرا یہ کہ مخلوق پر احسان کہ وہ اپنے مال سے لوگوں کو نفع پہنچائے، اور وہ زکوٰۃ وصدقات اور خیرات ہے جس سے نفع پہنچایا جاسکتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا اور تکلیف پر صبر کرے، صبر سے کام لیدے، اور اسی لئے اللہ تعالےٰ نے نماز اور صبر کو جمع کر دیا ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ط (بقرہ ع ۵) — اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔

اور فرماتا ہے:۔

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ط إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ — اور دن کے دونوں سرے صبح وشام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ جو لوگ ذکر کرنے والے ہیں ان کے حق میں یہ یاد دہانی ہے اور عبادت کی تکلیف برداشت کرو

الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (ہود ع ۱۰) کیونکہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔

اور فرماتا ہے:۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا (طٰہٰ ع ۸)

تو جیسی باتیں یہ کہتے ہیں، ان پر صبر کرو۔ اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔

اور فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ (حجر ع ۶)

اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ کافر جیسی جیسی باتیں کہتے ہیں ان کی وجہ سے تم تنگ دل ہوتے ہو تو تم اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور اس کی جناب میں سجدے کرو۔

اور نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان کیا ہے، نماز، زکوٰۃ، اور صبر سے راعی اور رعایا۔ امیر و غریب دونوں کی اصلاح ہوتی ہے، جب ایک انسان اس معنی کو سمجھ لیوے۔ اور جامع ترین اسماء خداوندی کو سمجھ لیوے، اور سمجھ کر نماز پڑھے۔ اور ذکر خداوندی میں مشغول ہو جائے۔ دعا کرے۔ اللہ کے قرآن اللہ کی کتاب کی تلاوت کرے اور اخلاص دین۔ اور توکل علی اللہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ اور زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ مخلوق خدا پر احسان کرے، مظلوم کی نصرت و امداد کرے، غریب مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرے، اور محتاجوں کی حاجتیں پوری کرے، صحیحین کے اندر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ۔ ہر اچھی بات صدقہ ہے

معروف میں ہر قسم کا احسان داخل ہے۔ کھلی پیشانی پیش آنا۔ کلمہ طیبہ۔ اچھی بات کہنا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ صحیحین کے اندر حضرت علی بن حاتم رض سے روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهٗ رَبُّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ حَاجِبٌ

تم میں سے ہر ایک اپنے پروردگار سے بات کرے گا، اور پروردگار اور اس کے درمیان نہ

وَلَا تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ وَيَنْظُرُ اَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ فَيَنْظُرُ اَمَامَهُ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ۔ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ فَلْيَفْعَلْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

کوئی حاجب ہوگا نہ ترجمان۔ یہ اپنے داہنے دیکھے گا تو اسے وہی چیز نظر آئے گی جو اس نے پہلے بھیجی ہے اور بائیں جانب دیکھے گا تو وہی چیز نظر آئے گی جو اس نے پہلے بھیجی ہے آگے دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا پس جو شخص تم میں سے چاہے کہ آگ سے بچ جائے تو صدقہ و خیرات کرے، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی یہ بھی نہ پائے تو اچھی بات کرے، اور جہنم کی آگ اپنے اوپر ٹھنڈی کر لیوے۔

اور سنن کے اندر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:۔

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ وَوَجْهُكَ اِلَيْهِ مُنْبَسِطٌ وَلَوْ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ الْمُسْتَسْقِيْ۔

تم معروف اور احسان کو حقیر مت سمجھو اگرچہ تم اپنے بھائی سے کھلی پیشانی ملاقات کرو، اور اگرچہ تم اپنے ڈول سے پانی پینے والے کے برتن میں پانی ڈال دو۔

اور سنن کے اندر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

اَنَّ اَثْقَلَ مَا يُوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ۔

بھاری سے بھاری وزنی چیز جو میزان میں رکھی جائے گی اچھے اخلاق ہوں گے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ام سلمہ رضؓ سے فرمایا:۔

يَا اُمَّ سَلَمَةَ ذَهَبَ حُسْنُ الْخُلُقِ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اے ام سلمہ رضؓ حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائی ساتھ لے گیا۔

صبر میں لوگوں کی تکالیف و ایذا برداشت کرنا، غصہ کو پی جانا، لوگوں کو معاف کر دینا، اور خواہشات نفس کی مخالفت کرنا۔ اور شر، اور فخر و غرور ترک کرنا وغیرہ داخل ہیں جیسا کہ اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا

اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی چکھا ئیں

رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ٥

(ہود ع ۲)

پھر اس کو اس سے چھین لیں تو وہ ناامید ہو جانے والا ناشکرا ہے، اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچی ہو، اور اس کے بعد ہم اس کو آرام چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ مجھ سے سب سختیاں دور ہو گئیں کیونکہ وہ بہت ہی خوش ہو جانے والا شیخی خور ہے، مگر جو لوگ صبر اور نیک عمل کرتے ہیں، یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

اور اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا:۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ٥ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ٥ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥

(حم سجدہ ع ۵)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی، برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو، تو تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ دل سوز دوست ہو جائیگا، اور حسن مدارات کی توفیق ان ہی کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں، اور یہ ان ہی کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں اور اگر تم کو کسی طرح کا شیطانی وسوسہ گدگدائے تو خدا سے پناہ مانگ لیا کرو کہ وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اور اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے:۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ٥

(شوریٰ ع ۴)

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اسکا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حسن بصری رح کہتے ہیں:۔

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ مِنْ بُطْنَانِ الْعَرْشِ أَلَا لِيَقُمْ مَنْ وَجَبَ أَجْرُهُ عَلَى اللهِ فَلَا يَقُومُ إِلَّا مَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ۔

قیامت کے دن عرش کے نیچے سے فرشتے پکاریں گے کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کا اجر و ثواب واجب ہو گیا ہے۔ تو کوئی کھڑا نہ ہوگا سوائے اس کے کہ جس نے معاف کیا اور اصلاح کی ہے۔

رعایا کے ساتھ نیک نیتی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ وہ احسان کیا جائے جو ان کی خواہش ہو۔ اور وہ چھوڑ دیا جائے۔ جس کو وہ مکروہ سمجھیں۔ کیونکہ اللہ تعالے کا ارشاد ہے:۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط (مومنون ع ۴)

اور اگر حق ان کی خواہش کے مطابق ہوا کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے درہم وبرہم ہو گیا ہوتا۔

اور صحابہ کرامؓ سے خدا خطاب کرتا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللهِ ط لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ (حجرات ع ۱)

اور جانے رہو کہ تم میں رسول خدا موجود ہیں بہتیری باتیں ہیں اگر وہ ان میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم ہی پر مشکل پڑ جائے۔

احسان یہ ہے کہ دین و دنیا میں جو ان کے لئے مفید ہو وہ کیا جائے۔ اگرچہ وہ اسے مکروہ اور بُرا ہی کیوں نہ سمجھیں، لیکن امیر و والی کا فرض ہے، جسے وہ مکروہ سمجھتے ہوں، اور ان کیلئے مفید ہے تو رفق و نرمی کا سلوک کر کے ان کو منوائے، جیسا کہ صحیحین کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

مَا كَانَ الرِّفْقُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ۔ وَلَا كَانَ الْعُنْفُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔

جب کسی چیز میں رفق و نرمی کی جائے تو وہ خیر و نرمی لاتی ہے، اور جب کسی چیز میں سختی کی جائے تو وہ برائی لاتی ہے۔

اور آپ نے فرمایا:۔

إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ۔

بے شک اللہ تعالے رفیق ہے، رفق کو پسند فرماتا ہے، اور رفق و نرمی کرنے والے کو

وہ کچھ دیتا ہے جو ترش رو کو نہیں دیتا۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رض فرماتے ہیں "میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان کو ایک مرتبہ حق نکال دوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ وہ اس سے نفرت کریں گے تو میں صبر کر جاتا ہوں تا آنکہ میٹھی دنیا میرے پاس آجائے تو میں ان کو ساتھ ہی ساتھ ان کا حق دے دوں۔ اگر اس سے نفرت کریں تو دوسری چیز سے ان کو سکون واطمینان حاصل ہو جائے"

یہی حال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ جب کوئی شخص حاجت لے کر آتا تو اس کی حاجت پوری فرما دیتے، یا آسان، خوش کن جواب دے دیتے۔ ایک مرتبہ آپ کے قرابتدار نے متولی اوقاف بننے کی خواہش کی اور کہا اس میں سے کچھ روزینہ مقرر کر دیا جائے، تو آپ نے فرمایا:۔

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ۔ صدقہ محمد اور ان کی آل کے لئے جائز نہیں ہے۔

اور آپ نے صدقہ سے بالکل منع فرما دیا۔ اور فے کے مال میں سے کچھ دے دیا۔

ایک مرتبہ حضرت حمزہؓ کی لڑکی کی پرورش کے لئے تین دعویدار کھڑے ہو گئے، حضرت علی رض اور حضرت زید رض اور حضرت جعفر رض، حضرت علی رض نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حق پرورش مجھے پہنچتا ہے۔ حضرت زید رض نے اپنا رشتہ بتا کر کہا حق پرورش مجھے پہنچتا ہے۔ حضرت جعفر رض نے اپنا رشتہ جتا کر کہا حق پرورش مجھے حاصل ہے، لیکن آپ نے کسی کے حق میں بھی فیصلہ نہیں دیا۔ اور لڑکی کی خالہ کو دے دیا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے، اور ہر ایک کو کلمہ حسنہ (اچھی باتوں) سے خوش کر دیا، حضرت علی رض کو کہا:۔

أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

اور حضرت جعفر رض سے کہا:۔

أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي۔ تم میرے خَلق اور اخلاق کے مشابہ ہو۔

اور حضرت زید رض سے کہا:۔

أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا۔ تم ہمارے بھائی ہو، ہمارے مولی ہو۔

ولی الامر اور حاکم کو تقسیم مال اور دوسرے احکام دینے میں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ لوگ ہمیشہ ولی الامر، اور حاکم سے ایسی ایسی چیزیں مانگتے رہتے ہیں جو ان کو نہیں دی جا

سکتیں، مثلاً ولایت و حکومت، مال یا منافع مال، اور حدود وغیرہ میں سفارش وغیرہ پورا کرنا اور یہ سوال ان کا پورا نہیں کیا جا سکتا۔ تو ان کو دوسرے طریقہ سے دوسری چیز دے کر خوش رکھنا چاہیے، یا رفق و نرمی اور نرم گفتاری خوش اخلاقی سے خوش رکھنا چاہیئے، اور غفلت و سختی نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ اس کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ سائل کے سوال کو مسترد کرنا اسے سخت تکلیف دہ ہوتا ہے، خصوصاً ایسے لوگ کہ جن کی تالیف قلوب ضروری ہو، اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ
(ضحیٰ ع ۱)

اور نہ سائل کو جھڑکا کرو۔

اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا الیٰ قولہ۔ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝
(بنی اسرائیل ع ۳)

اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اسکا حق پہنچاتے رہو، اور بے جا مت اڑاؤ۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو ان غرباء سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو۔

تو جب کسی شخص کو اس کی طلب و مانگ کے خلاف حکم دیا جاتا ہے اسے تکلیف ہوتی ہے، ایسے موقع پر قول و عمل سے اسے خوش رکھنا کامل ترین سیاست ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ حکیم و ڈاکٹر کسی کو مکروہ اور کڑوی دوا دیوے، اور پھر اسے ایسی چیز دیوے جو اس کا نعم البدل ہو جائے۔

جب اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو کہا گیا،

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (طٰہٰ ع ۲)

پھر اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ سمجھ جائے یا ہمارے عتاب سے ڈرے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضؓ، اور حضرت ابو موسےٰ اشعری رضؓ کو یمن کی طرف بھیجا تھا۔

فرمایا:۔

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔ — لوگوں کے ساتھ آسانی برتنا۔ سختی نہ کرنا۔ خوش رکھنا، متنفر نہ کرنا، باہم ایک دوسرے کی مطاوعت کرنا، اختلاف نہ کرنا۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد کے اندر پیشاب کر دیا، صحابہ کھڑے ہو گئے، اور اُسے ڈانٹنے لگے، آپ نے فرمایا:۔

لَا تُزْرِمُوْهُ عَلَيْهِ بَوْلَهٗ۔ — اس کا پیشاب بند نہ کرو۔

اس کے بعد آپ نے پانی کا ڈول منگوا کر پیشاب پر بہا دیا۔ اور پھر صحابہ رضہ کو فرمایا:۔

إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ۔ — خدا نے تمہیں آسانی دے کر بھیجا ہے، سختی کرنے کو نہیں بھیجا۔

(یہ اور اوپر والی حدیث صحیحین کے اندر ہے)

اس سیاست کی ضرورت انسان کو اپنے لئے، اپنے گھر کے لئے۔ اور ولی الامر کو رعایا کی نگہداشت کے لئے ضروری ہے، کیونکہ نفس انسانی کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ حق بات جلدی قبول نہیں کرتا، جب تک کہ اس کو حظوظ اور خوش کن اور ضروری چیزوں سے خوش نہ کیا جائے، اور اس کی احتیاج و ضرورت پوری نہ کی جائیں، تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور بھلی باتیں کرنا بھی عبادت الٰہی میں داخل ہے، اور یہ امور بھی طاعت خداوندی ہے، بشرطیکہ نیت نیک ہو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ کھانا، پینا، لباس اور کپڑے انسان کے لئے واجب اور ضروری ہیں، یہاں تک کہ بحالت اضطرار مردار کھانا بھی اس کے لئے جائز ہے، بلکہ واجب ہے، اور عام علماء کرام کا اس پر فتویٰ ہے، اگر اس نے حالت اضطراری میں نہیں کھایا اور وہ مر گیا تو دوزخی ہو گا۔ کیونکہ عام عبادتیں اس کے بغیر ادا نہیں ہوتیں، اور جس چیز کے بغیر واجب انجام نہ پائے اس کا کرنا واجب ہوتا ہے، اور اسی لئے انسان پر اپنی جان اپنے اہل و عیال کا نفقہ دوسروں کے مقابلہ میں پہلے ہے جیسا کہ سنن کے اندر حضرت ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:۔

تَصَدَّقُوْا۔ — صدقہ دیا کرو۔

ایک شخص نے کہا، یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا:۔

تَصَدَّقْ عَلٰى نَفْسِكَ ۔ اپنی جان پر صدقہ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا:۔

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى زَوْجَتِكَ ۔ اسے اپنی بی بی پر خرچ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس تیسرا دینار بھی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى وَلَدِكَ ۔ اسے اپنے لڑکے پر خرچ کرو۔

اس نے کہا چوتھا دینار بھی میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

تَصَدَّقْ عَلٰى خَادِمِكَ ۔ اپنے خادم پر اسے خرچ کرو۔

اس نے کہا پانچواں دینار بھی میرے پاس ہے، آپ نے فرمایا:۔

أَنْتَ أَبْصَرُ بِهٖ ۔ تم اسے خوب جانتے ہو کہ کہاں خرچ کرنا چاہیے۔

اور صحیح مسلم کے اندر حضرت ابوہریرۂ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهٗ فِيْ رَقَبَةٍ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ، وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهٗ عَلٰى أَهْلِكَ ۔ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِيْ أَنْفَقْتَهٗ عَلٰى أَهْلِكَ ۔ (رواہ مسلم)

ایک دینار تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور ایک دینار غلام آزاد کرنے میں خرچ کرو، ایک دینار تم مسکین کو دو، ایک دینار اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، سب سے بڑا اجر اس میں ہے، جو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو۔

اور صحیح مسلم کے اندر ابی امامۂ سے مروی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِبْنَ اٰدَمَ إِنَّكَ تَبْذُلُ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ وَإِنْ تُمْسِكْهُ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ ۔ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ ۔ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى ۔

اے ابن آدم فاضل مال کو خرچ کرنا تمہارے لئے بہتر ہے روکے رکھنے سے، اور کفاف پر ملامت نہیں کی جائیگی جنکی عیالداری کر رہے ہو، اسکے لئے خرچ کرو، اور اوپر کا ہاتھ (دینے والا) نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔

اور یہی تاویل و تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی ہے،

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ ط (بقرہ ع ۲۷) — اور تم سے دریافت کرتے ہیں کتنا خرچ کریں، تو سمجھا دو جتنا تمہاری حاجت سے زیادہ ہو۔

عفو کے معنی فضل کے ہیں کہ مال فاضل ہو، اس لئے کہ اپنی جان، اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ فرض عین ہے، بخلاف جہاد فی سبیل اللہ اور غزوات میں خرچ کرنا، اور مساکین کو دینا یہ فرض کفایہ ہے، یا مستحب، البتہ کبھی کبھی فرض عین بھی ہو جاتا ہے، اور یہ اس وقت جبکہ کوئی دوسرا دینے والا نہ ہو، کیونکہ بھوکے کو کھانا کھلانا فرض عین ہے۔ اور اسی بنا پر حدیث میں وارد ہے،

لَوْصَدَقَ السَّائِلُ لَمَّا أَفْلَحَ مَنْ رَدَّهٗ. (رواہ الامام احمد) — اگر سائل سچا ہے تو اسے رد کرنے والا فلاح کو نہیں پہونچے گا۔

اور ابو حاتم البستی رحمہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں علم و حکمت کی بہت سی باتیں ہیں، آل داؤد علیہ السلام کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عقلمند پر یہ حق ہے کہ اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کر دے۔ ایک گھڑی اپنے پروردگار کے حضور میں مناجات۔ دعا کرے۔ اور ذکر و فکر میں صرف کرے، ایک گھڑی اپنے نفس اپنی جان کا محاسبہ کرے، ایک گھڑی دوست و احباب سے مل بیٹھے جو اس کو اس کے عیوب سے باخبر کریں، اور ایک گھڑی حلال و جمیل لذتوں سے بہرہ ور ہو، کیونکہ اس گھڑی سے دوسری گھڑیوں کو مدد ملا کرتی ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مباح اور اچھی جائز لذتوں میں وقت خرچ کرنا بھی ضروری ہے، اس سے دوسری ساعتوں کو تقویت پہونچتی ہے، اور اسی لئے فقہائے کہا ہے، دین و مروت کا اصلاح و بہبودی عدالت ہے۔

اور حضرت ابو الدرداء رضہ کہا کرتے تھے۔ "میں کبھی کبھی باطل سے اپنی جان کو خوش کر لیا کرتا ہوں۔ تاکہ حق کے لئے مجھے مدد ملے"

اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے لذتیں، شہوتیں اسی لئے پیدا کی ہیں کہ مخلوق کی مصلحتیں ان سے پوری ہوتی ہیں۔ اور اس سے اپنے فوائد منافع حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ مثلاً غضب

غصہ کو اس لئے پیدا کیا کہ اس کے ذریعہ ضرر رساں اور تکلیف دہ چیزوں کی مدافعت ہو سکے اور شہوتیں وہی حرام کیں جو ہمارے لئے مضرت رساں ہیں۔ لیکن وہ مباح اور جائز شہوات جن کے ذریعہ حق پہ چلنے کی استطاعت ملتی ہو، تو ایسی شہوات اعمال صالحہ نیک کام ہوں گے۔ اور اسی لئے صحیح حدیث کے اندر مروی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ۔ بی بی سے خلوت کرنا بھی صدقہ ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اپنی شہوت پوری کی جائے اس میں بھی اجر و ثواب ہے؟

آپ نے فرمایا:

أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَمَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرٌ؟ اگر وہ حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ نہ ہوتا!

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہاں کیوں نہیں، آپ نے فرمایا۔

فَلِمَ تَحْتَسِبُونَ بِالْحَرَامِ وَلَا تَحْتَسِبُونَ بِالْحَلَالِ؟ حرام کا تو حساب لگاتے ہو، اور حلال کا حساب نہیں لگاتے۔

اور صحیحین کے اندر حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهَا دَرَجَةً وَرِفْعَةً حَتَّى اللُّقْمَةَ تَضَعُهَا فِي فَمِ امْرَأَتِكَ۔ تم اللہ کی رضا مندی میں خرچ کرتے ہو اس سے تمہارا درجہ بڑھتا ہے۔ رفعت و بلندی حاصل ہوتی ہے۔ تا آنکہ تم اپنی بی بی کے منہ میں لقمہ رکھ دو تو یہ بھی کار ثواب ہے۔

اور اس بارے میں آثار بے شمار ہیں، اگر مؤمن نیت صالح رکھ کر اپنے اعمال و افعال انجام دیوے، تو ہر وقت ہر کام سے بڑے سے بڑا اجر و ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ اور صالح اعمال و افعال جو مباح ہیں ان کے قلوب کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ اور منافق کے لئے فساد قلب، فساد نیت کا موجب ہوتے ہیں، اور اس کو عقاب و سزا اس کے اعمال و افعال ہی سے ملتی ہے، اس کی عبادتیں ریاکارانہ ہوتی ہیں جو بجائے فائدہ کے اس کو نقصان

پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کے اندر ہے، آپ نے فرمایا:۔

اَلَا فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ لَھَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ لَھَا سَائِرُ الْجَسَدِ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔	آگاہ رہو جسم میں ایک مضغہ لوتھڑا ایسا ہے جو اگر وہ اچھا ہو تو سارا جسم اچھا ہوتا ہے، جب وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، آگاہ رہو کہ وہ قلب ہے۔

بیسویں فصل کے مضامین

عقوبتیں۔ سزائیں، اس لئے مشروع کی گئی ہیں فرائض واجبات پر عمل کرایا جائے، اور حرام امور سے بچایا جائے۔ اور اس لئے ایسی چیزیں پیش کرنی چاہیے جو خیر وطاعات کی طرف رغبت دلائے، اور ایسی چیز دل سے رد کا جائے جو برائی اور شر کی رغبت دلائے۔

عقوبتیں، سزائیں، واجبات پر عمل کرنے اور محرمات سے بچنے کے لئے ہیں، اور اس لئے ہر وہ چیز مشروع ہے، جو اس کے لئے معین ومددگار ثابت ہو۔ اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے طریق خیر وطاعات اور اس کی ترغیب وتحریص ہو، اور خیر وطاعت میں معین ومددگار ثابت ہو، اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی طرف توجہ دلائی جائے، مثلاً لڑکوں پر، اہل وعیال پر اور اگر امیر ووالی ہو تو رعایا پر صرف کیا جائے، اور ایسے طریقہ سے صرف کیا جائے کہ ان کے جذبات برانگیختہ ہوں۔ مال پیسوں سے ہو یا تعریف وستائش سے یا کسی اور طریقہ سے۔ اور اسی لئے شریعت نے مسابقت بالخیل یعنی گھوڑدوڑ، اور اونٹ دوڑانے میں بازی لے جانا نیزہ وغیرہ چلانے میں قوت وغیرہ خرچ کرنا مشروع فرمایا ہے۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین رضی گھوڑدوڑ کی مسابقت میں شرکت کیا کرتے تھے، اور بیت المال کے گھوڑے اس مسابقت میں لاتے تھے، اور یہی کیفیت مؤلفۃ القلوب کی ہے، مؤلفۃ القلوب کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے، چنانچہ روایت کے اندر ہے، "ایک آدمی شروع میں یعنی صبح کو اسلام اس لئے قبول کرتا ہے کہ اسے دنیا مطلوب ہوتی تھی، لیکن آخر دن یعنی شام کو وہ اس قدر پختہ اسلام ہوتا ہے کہ ہر چیز اور ہر آدمی سے اسے اسلام زیادہ محبوب ہوتا ہے، اور سب سے زیادہ اس کا اسلام پسندیدہ ہوتا ہے"۔

یہی حال شر ومعصیت کا ہے، شر اور معصیت کا جو اصل مادہ ہے اسے جڑ بن سے

اکھاڑ دینا چاہیئے، گناہ کے ذرائع ووسائل کا سد باب کر دینا چاہیئے۔ جو چیزیں بھی شرو معصیت کی طرف منتج ہوں پوری قوت سے اس کی مدافعت کرنی چاہیئے۔ جب تک کہ کوئی ایسی مصلحت راجحہ اس کے خلاف نہ ہو کہ جس کی وجہ سے خاموشی اختیار کی جائے اس کی مثال خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ملتی ہے آپ نے فرمایا۔

لَا يَخْلُوَنَّ الرَّجُلُ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ۔ — کوئی غیر مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے، کیونکہ تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد ہے:۔

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ إِلَّا مَعَهَا زَوْجٌ أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ۔ — جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ دو روز کا سفر بھی بلا شوہر یا بلا ذی محرم کے کرے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورت کے ملنے، اور تنہا سفر کرنے سے اسی لئے روکا اور منع فرمایا کہ شر و معصیت کا سد باب ہو جائے، اور شر و معصیت کے مادہ کی جڑیں کاٹ دی جائیں۔

امام شعبی ؒ سے مروی ہے، جب عبد القیس کا وفد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس میں ایک حسین وخوبصورت لڑکا بھی تھا۔ آپ نے اسے دیکھا اور اپنی پشت کے پیچھے بیٹھنے کا اُسے حکم دیا، پھر آپ نے فرمایا حضرت داؤد کی خطا اور گناہ بھی نظر ونگاہ تھی۔

جب حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے سنا کہ ایک عورت چند اشعار پڑھ رہی ہے، اور ان اشعار میں یہ شعر بھی تھا۔

هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ إِلَى خَمْرٍ فَأَشْرَبُهَا؟

هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ إِلَى نَصْرِ بْنِ حَجَّاجٍ؟

یعنی کیا شراب مجھے کسی راستے سے مل سکتی ہے؟ کیا کوئی راہ نصر بن حجاج سے ملنے کی ہے؟

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسی وقت نصر بن حجاج کو بلایا، دیکھا وہ جوان اور نہایت حسین و خوبصورت ہے۔ آپ نے اس کا سر منڈوا دیا، لیکن اس سے اس کی خوبصورتی اور حسن زیادہ ابھر آیا۔ تو اسے آپ نے بصرہ جلا وطن کر دیا، تاکہ مدینہ کی عورتیں فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

اور حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کسی شخص کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس بہت سے لڑکے بیٹھا کرتے ہیں، آپ نے لڑکوں کو اس کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا اور کہہ دیا اس کے پاس مت بیٹھا کرو۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایسے آدمی کی مجالست اور ہم نشینی سے بھی منع کر دیا جس سے فتنے کا اندیشہ ہو، اور مردوں یا عورتوں کے لئے فتنہ کا سبب ہوں، ایسے لڑکوں کے والیوں کا فرض ہے کہ وہ بلا ضرورت انہیں نکلنے نہ دیویں۔ بن سنور کر نکلنے اور خوشبو لگانے سے روکیں۔ حمام وغیرہ میں نہ جانے دیویں، اگر جائے تو کپڑے وغیرہ نہ اتارنے دیویں۔ لہو ولعب، گانے بجانے کی مجلسوں میں نہ جانے دیویں۔ ایسے امور میں تعزیر کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جس آدمی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ فسق و فجور میں مشہور ہے۔ اسے خوبصورت غلام کا مالک بننے سے روکا جائے۔ اور غلاموں میں اور اس میں تفریق کرا دی جاتے۔ کیونکہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اگر ایسا آدمی شہادت دیوے جو مشہور قسم کے فسق میں مبتلا ہے۔ تو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ اور فریق ثانی کو حق پہونچتا ہے کہ اس کی شہادت پر جرح کرے، اگرچہ اس نے دیکھا نہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا لوگوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ آپ نے فرمایا۔

وَجَبَتْ - ! واجب ہو گئی - !

اس کے بعد دوسرا جنازہ گذرا، لوگوں نے کہا یہ بہت ہی برا آدمی تھا تو آپ نے فرمایا۔

وَجَبَتْ - ! واجب ہو گئی - !

صحابہ رضہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دونوں کے متعلق آپ نے

یہی فرمایا کہ "وَجَبَتْ" کیا وجہ ہے، اور کیا واجب ہوا؟ آپ نے فرمایا۔

هٰذِهِ الْجَنَازَةُ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهَا خَيْرًا فَقُلْتُ وَجَبَتْ لَهَا الْجَنَّةُ۔ وَهٰذِهِ الْجَنَازَةُ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهَا شَرًّا فَقُلْتُ وَجَبَتْ لَهَا النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔

پہلے جنازہ کی تم نے تعریف کی تو میں نے کہا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، اور دوسرے جنازہ کی تم نے مذمت اور برائی کی تو میں نے کہا اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی، کیونکہ تم لوگ زمین پر خدا کے گواہ ہو۔

آپ کے زمانہ میں ایک عورت ایسی تھی جو علانیہ فسق و فجور کیا کرتی تھی۔ اس کے حق میں آپ فرمایا کرتے تھے۔

لَوْكُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ هٰذِهِ۔

اگر گواہوں کے بغیر میں کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا۔

کیونکہ حدود بلا بینہ یا اقرار کے نہیں نافذ ہوسکتیں۔ لیکن ایسے آدمی کی شہادت اور امانت وغیرہ میں معاینہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کے لئے عام شہرت کافی ہے، اگر مشہور نہ ہو، کم درجہ کی شہرت ہو تو اس کے دوستوں کو دیکھ کر دلیل لاسکتے ہیں، جیساکہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

اِعْتَبِرُوا النَّاسَ بِاَخْدَانِهِمْ۔

لوگوں کا اعتبار اس کے دوستوں کے لحاظ سے کیا کرو۔

دیکھا جائے کہ اس کے دوست کس قسم کے ہیں۔

اور یہ مدافعت شر ہے۔ اس سے اجتناب و احتراز لازم ہے، جیسے دشمن سے اجتناب و احتراز لازم ہے۔

جیساکہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:

اِحْتَرِسُوا النَّاسَ بِسُوْءِ الظَّنِّ۔

لوگوں کے سوءظن سے بھی بچا کرو۔

یہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا حکم ہے، حالانکہ سوءظن کی بنا پر عقوبت و سزا جائز نہیں ہے۔

اکیسویں فصل کے مضامین

حدود و حقوق، بلاوجہ، بلاسبب کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، قیامت کے دن خون ناحق کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا۔ قصاص لینے میں زندگی ہے۔

کسی متعین اور مقرر شخص کے حدود و حقوق ہوں ان میں کسی کو قتل کرنا کسی کی جان لینا، کسی کو ہلاک کرنا ہے۔

اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ

لوگوں سے کہو ادھر آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں، جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک مت ٹھیراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو۔ اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہی تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر اور جو پوشیدہ ہوں ان میں سے کسی کے پاس بھی نہ پھٹکنا اور جان جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے مار نہ ڈالنا مگر حق پر، یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم خدا نے تم کو دیا ہے تاکہ دنیا میں رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طور پر کہ بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کرو، اور پوری پوری تولو، ہم کسی شخص پر اس کی سمائی سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے اور جب

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (انعام ع ۱۹)

بات کہو تو گو قرابت دار ہی ہو انصاف کرو، اور اللہ سے عہد ہے اس کو پورا کرو، یہ ہیں وہ باتیں جن کا خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور یہ کہ یہی ہمارا سیدھا راستہ ہے تو اسی پہ چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پہ نہ پڑ جانا کہ یہ تم کو خدا کے رستے سے تتر بتر کر دیں گے، یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اور اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ ـــ الیٰ قولہ ـــ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ (سورۂ نساء ع ۱۳)

کسی مسلمان کے لئے روا نہیں کہ مسلمان کو جان سے مار ڈالے مگر غلطی سے ...... الیٰ قولہ.. اور جو مسلمان کو دیدہ دانستہ مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پہ اللہ کی لعنت ہو گی، اور اللہ نے اس کے لئے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور اللہ تعالے کا ارشاد ہے،

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۝

(مائدہ ع ۵)

اس واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو تحریری حکم دیا کہ جو کوئی جان کے بدلہ نہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے طور پر نہیں بلکہ ناحق کسی کو مار ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو مار ڈالا، اور جس نے مرنے کو بچا لیا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اندر ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِى الدِّمَاءِ (متفق علیہ)

قیامت کے دن سب سے پہلے جس کا فیصلہ ہوگا وہ ناحق خون کا ہوگا۔

قتل و خون تین قسم کا ہے۔ ایک قتل عمداً ہے جس میں خطا اور شبہ خطا، کا احتمال ہی نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی کو بے گناہ قتل کر دیا جیسا کہ عام طور پر قتل ہوا کرتا ہے۔ مثلاً تلوار سے کسی کو مار دینا، یا خنجر اور چھری سے یا ہتوڑے یا پھاوڑے، کدال یا کلھاڑی، تبر وغیرہ سے یا گولی مار کر مار دینا، یا جلا کر مار دینا، یا غرق کر دینا، یا بلند اور اونچی جگہ سے پھینک کر مار دینا، یا گلا دبا کر مار دینا، یا خصیتین کو پکڑ کر مار دینا، یا منہ بند کر کے مار دینا، یا زہر خورانی سے مار دینا، وغیرہ وغیرہ۔ تو اس قتل میں حد و قود جاری ہوگی، اور مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو حق ہوگا کہ چاہیں اسے قتل کریں، چاہیں معاف کر دیویں، اور اگر چاہیں دیتہ و خونبہا لے کر چھوڑ دیں، مقتول کے اولیاء و ورثاء کو جائز نہیں ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل کر دیں، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝

(بنی اسرائیل ع ۴)

اور کسی کی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ناحق قتل نہ کرو، اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اسکے والی کو اختیار دیا ہے تو اس کو چاہئے کہ خون میں زیادتی نہ کرے کیونکہ واجبی بدلہ لینے میں اس کی جیت ہے۔

اس آیت کی تفسیر یہی کی گئی ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو قتل نہ کیا جائے۔ اور حضرت ابی شریح الخزاعی رض سے مروی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبْلٍ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ إِحْدَى ثَلَاثٍ فَإِنْ أَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَنْ يَقْتُلَ أَوْ يَعْفُوَ أَوْ يَأْخُذَ الدِّيَةَ فَمَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَعَادَ فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔

(رواہ اہل السنن۔ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

جو خون ہو جائے یا خطرناک حالت میں پایا جائے، اور پھر مر جائے، تو تین راستے ہیں، جو چوتھا راستہ اختیار کرے اسے روکو، ایک یہ کہ قاتل کو قتل کر دیوے، دوسرا یہ کہ اسے معاف کر دیوے، تیسرا یہ کہ دیت و خونبہا لے کر چھوڑ دیوے، ان تین طریقوں کے علاوہ کوئی چوتھا راستہ اختیار کرے تو وہ زیادتی کر رہا ہے۔ اسکے لئے ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم ہے۔

اگر کوئی شخص معاف کر دیوے، معاف کرنے کے بعد یا دیت وخونبہا لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دیوے، تو یہ بہت بڑا جرم ہے، ابتداءً قتل کرنے سے بھی بہت سخت جرم ہے، یہاں تک کہ بعض علماء کا قول ہے اسے بطور حد قتل کیا جائے، اور مقتول کے اولیاء و ورثاء کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے قتل کریں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(بقرہ ع ۲۲)

جو لوگ تم میں مارے جائیں ان میں تم کو جان کے بدلہ میں جان کا حکم دیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کو اس کے بھائی سے قصاص کا کوئی جز معاف کر دیا جائے، تو مطابق دستور شرع کے مطابق اور قاتل کی طرف سے وارث مقتول کو خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے، اور عقلمندو قصاص میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم خونریزی سے باز رہو۔

علماء کہتے ہیں مقتول کے اولیاء و ورثاء کے قلوب غیظ و غضب سے لبریز ہوتے ہیں، ان کا بس چلے تو قاتل اور قاتل کے اولیاء و ورثاء کو بھی قتل کر دیویں، بسا اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ قاتل پر بس نہیں کرتے بلکہ قاتل کے ساتھ ہی ساتھ اس کے عزیزوں، قرابتداروں کو بھی قتل کر دیتے ہیں قاتل کے قبیلہ کے سردار با مقدم و پیشوا کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اور یہ نہایت خطرناک صورت ہے۔ اصل قاتل نے تو ابتداء میں ظلم کیا۔ لیکن مقتول کے اولیاء اور ورثاء نے خون کا بدلہ لینے میں جو ظلم و جور اور زیادتی کی ہے اصل قاتل نے نہیں کی۔ اور وہ کام کیا جو شریعت سے خارج اہل جاہلیت کیا کرتے تھے کہ شہری اور دیہاتی سب کے سب اس میں مبتلا ہو جاتے تھے، اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا تھا۔ مقتول کے اولیاء۔ قاتل کے اولیاء کو قتل کر

دیتے تھے اور ان قاتل اولیاء کے قاتلوں کو دوسرا فریق قتل کر دیتا تھا، تاآنکہ بسا اوقات دونوں فریق اپنا اپنا جتھا بنا لیتے تھے، اپنے اپنے حلیف بنا لیتے تھے، ایک قوم ایک کی امداد کرتی، دوسری قوم دوسرے فریق کی اعانت وامداد کرتی، اور اس طرح یہ فتنوں کا دروازہ کھل جاتا، اور انتہائی بغض وعناد اور کینہ ان میں گھر کر جاتا، اس کا سبب یہی ہوا کرتا تھا کہ یہ لوگ عدل و انصاف کو بالکل چھوڑ دیتے تھے، اور قصاص پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ہم پر قصاص فرض کر دیا ہے، اور قصاص کے معنی یہی ہیں کہ قتل کے بارے میں مساوات اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے، زیادتی نہ کی جائے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ قصاص سے قاتل کے اولیاء، اور ورثہ کی خونریزی بند ہو جاتی ہے، غیر قاتل بچ جاتے ہیں، اور فتنہ ختم ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے معلوم ہو جائے کہ قصاص میں یہ بھی مارا جائے گا تو قتل کرنے سے باز رہتا ہے، چنانچہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور عمرو بن شعیبؓ عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَکَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَهُمْ یَدٌ عَلٰی مَنْ سِوَاهُمْ وَیَسْعٰی بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ اَلَا لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِیْ عَهْدِهٖ۔

(رواہ احمد وابی داؤد وغیرہما من اہل السنن)

تمام مسلمانوں کے خون مساوی اور برابر ہیں اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں، اور ذمیوں سے اچھا سلوک کرنے میں ادنیٰ اعلیٰ پوری کوشش کرتے ہیں، آگاہ رہو کہ کافر کے مقابلہ مسلمان کو قتل نہ کیا جائے، اور نہ متعاہد کو جبتک کہ وہ اپنے عہد پر قائم ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون مساوی اور بلا امتیاز تمام برابر ہیں، عربی کو عجمی پر قریشی ہاشمی کو غیر قریشی غیر ہاشمی پر اور اصلی حر کو مولیٰ عتیق پر، عالم کو جاہل پر امیر کو رعایا پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ اور یہ تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہے، بخلاف اہل جاہلیہ اور حکام یہود کے کہ انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا، اور غلط حکم جاری کیا تو دنیائے عرب باہم لڑ مرے،

مدینہ طیبہ کے قریب دو قسم کے یہود آباد تھے، نضیر اور قریظہ، قریظہ کے مقابلہ میں نضیر کے خون بہت ہوتے تھے اور تب لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم و منصف بنایا۔

اور حد زنا میں کچھ ایسا تغیر و تبدل کر دیا کہ رجم کو لوہے کے داغ سے تبدیل کر دیا۔ یہ یہود مسلمانوں کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر تمہارے پیغمبر اس کا حکم دے دیں تو ہمارے لئے حجت ہے، ورنہ سمجھا جائے گا کہ تم نے تورات کا حکم چھوڑ دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ .... الی قولہ .... فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ... الی قولہ ...... فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ

(مائدہ ع ۶-۷)

اے پیغمبر! جو لوگ کفر پر لپکتے رہتے ہیں ان کی وجہ سے تم آزردہ خاطر نہ ہو، بعض ایسے ہیں جو اپنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل ایمان نہیں لائے .... تو اے پیغمبر اگر یہ لوگ فیصلہ کرانے کو تمہارے پاس آئیں تو تم کو اختیار ہے کہ ان میں فیصلہ کر دو یا انکے معاملہ میں دخل دینے سے کنارہ کش رہو۔ اگر تم ان سے کنارہ کشی کروگے تو یہ تم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے .... تم لوگوں سے نہ ڈرو ہمارا ہی ڈر مانو، اور ہماری آیتوں کے معاوضے میں ناچیز فائدے نہ لو، اور جو خدا کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے تو یہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے تورات میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ویسا ہی زخم۔

ان آیات میں خدا نے بیان کیا کہ تمام جانیں برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے جیسا کہ یہود کیا کرتے تھے۔

...... الی قولہ ...... وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط ... الی قولہ ...... اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝

(مائدہ ع ۷)

...... اور اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف بھی کتاب برحق اتاری کہ جو کتابیں اس کے آنے سے پہلے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے تو جو کچھ خدا نے تم پر اتارا ہے تم بھی اسی کے مطابق ان لوگوں کو حکم دو اور جو حق بات تم کو پہنچی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت ٹھہرائی ہے اور طریقہ خاص .... کیا اس وقت میں زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں خدا نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون سب کے سب مساوی اور برابر ہیں بخلاف جاہلیت کے کہ اکثر خواہش نفس کی وجہ سے خون ہوا کرتے تھے، اور شہری دیہاتی آبادیاں تمام کی تمام اس سے متاثر ہوتی تھیں، اور یہ درحقیقت بغاوت اور ترک عدل وانصاف کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔ ہر گروہ اپنے کو دوسرے گروہ پر غالب رکھنے کی کوشش کرتا تھا خواہ خون کا معاملہ ہو یا مال کا۔ ایک دوسرے پر غالب رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور غلبہ پر فخر و ناز کرتا تھا۔ عدل وانصاف کا نام ونشان تک نہ تھا۔ دونوں فریق میں کوئی بھی خاموش نہیں بیٹھتا تھا ہر گروہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے وہی کرتا جو دوسرا گروہ کرتا تھا، قرآن مجید نے قسط و عدل۔ اور انصاف کا حکم دیا، جاہلیت کے احکام کو بالکل باطل کر دیا۔ جس میں اکثر لوگ مبتلا تھے۔ جب کبھی اور جس وقت کوئی مصلح اصلاح کے لئے اقدام کرتا تو یہی اصول۔ اور یہی عدل وانصاف لے کر اقدام کرتا قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى

اور اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ان میں کا ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی

اَمْرِ اللّٰہِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (حجرات ع ۱)

طرف رجوع کرے پھر جب رجوع کرے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کو ملحوظ رکھو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو۔

اور اس بارے میں اولیٰ و افضل یہ ہے کہ پہلے اولیاء مقتول سے معافی کی درخواست کی جائے کیونکہ قرآن مجید کے اندر ہے

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہٖ فَہُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ (مائدہ ع ۷)

اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم ہیں پھر جو مظلوم بدلہ معاف کر دے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

مَا رُفِعَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْرٌ فِیْہِ الْقِصَاصُ اِلَّا اَمَرَ فِیْہِ بِالْعَفْوِ۔ (رواہ ابوداؤد وغیرہ)

جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں آپ کو قصاص کا حکم فرمانا ہوتا لیکن آپ معاف کرنے کا حکم فرماتے۔

اور صحیح مسلم کے اندر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَا نَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِّنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ (رواہ مسلم)

صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور جو کچھ بندہ معاف کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس میں عزت دیتا ہے، اور جو اللہ کے لئے تواضع عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالےٰ اسے رفعت عطا فرماتا ہے۔

اور یہ جو ہم نے لکھا ہے مساوات کے متعلق لکھا ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے بارے میں ہے، کہ مسلمان حر اور آزاد سب کے سب مساوی ہیں۔ ذمی کفو نہیں، نہ مسلمان کے برابر ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ جیسے کہ کفار اسلامی شہروں میں سفر و تجارت کی غرض سے

آتے ہیں کہ یہ بالاتفاق کفو نہیں اور مسلمان کے برابر نہیں۔
بعض علماء کا قول ہے۔ ذمی کفو ہیں۔ اور مسلمان سے بدبر میں یہی نزاع غلام اور حر آزاد
کے متعلق ہے کہ غلام کے مقابلہ میں حر آزاد کو قتل کیا جائے یا نہیں۔
دوسری قسم کا خون قتل خطاء ہے، جو شبہ عمد ہو۔ اور اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلَا اَنَّ فِیْ قَتْلِ الْخَطَاءِ شِبْہِ الْعَمَدِ مَا کَانَ فِی السَّوْطِ وَالْعَصَاءِ مِائَۃٌ مِّنَ الْاِبِلِ مِنْھَا اَرْبَعُوْنَ خَلْقَۃٌ فِیْ بُطُوْنِھَا اَوْلَادُھَا۔	آگاہ رہو کہ قتل خطا شبہ عمد میں جو کہ کوڑے یا لکڑی سے ہو سو اونٹ ہیں، جن میں سے چالیس اونٹ ایسے ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

اور اسے شبہ عمد اس لئے کہا گیا ہے، کہ کوڑا یا لکڑی مارنے والے نے زیادتی ضرور کی۔ اس
نے مار مارنے میں اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا، لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی مار سے اکثر اوقات
موت نہیں واقع ہوتی،
تیسری قسم خون کی قتل خطا ہے، مثلاً یہ کہ شکار پر تیر چلایا[1]۔ اور وہ انسان کو لگ گیا نے
اور اس کے علم و ارادہ کے خلاف واقعہ پیش آیا۔ تو اس میں قود و حد نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کفارہ
اور دیت، خونبہا ہوگا۔
اور اس بارے میں بے شمار مسائل ہیں جو اہل علم کی کتابوں میں درج ہیں۔

---

[1] یا گولی چلائی ۱۲

بائیسویں فصل کے مضامین

جرح وزخم کا قصاص، ہاتھ پاؤں کاٹنے سے ہاتھ پاؤں کاٹا جائے گا۔ دانت توڑنے سے دانت توڑا جائے گا۔ کسی کا سر پھوڑا، تو اس کا سر پھوڑا جائے گا۔

جرح وزخم میں قصاص واجب ہے، اور یہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، بشرطیکہ مساوات ممکن ہو۔ اگر کسی نے کسی کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دیا تو اس کے لئے جائز ہے وہ اس کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دیوے، اگر کسی کا دانت توڑ دیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کا دانت توڑ دیوے۔ سر اور منہ زخمی کر دیا ہے ایسا کہ ہڈی نظر آنے لگ گئی، تو اسکے لئے جائز ہے کہ اس کا سر اور منہ اسی طرح زخمی کر دیوے جس طرح اس نے زخمی کیا ہے۔

اگر ایسا اور اس طرح توڑ دیا یا زخمی کیا ہے کہ مساوات ممکن نہیں ہے، مثلاً اندر کی ہڈی توڑ دی ہے یا یہ کہ اس طرح زخمی کیا ہے کہ ہڈی نظر نہیں آتی، تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تاوان اسے دینا پڑے گا۔

قصاص کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ سے پیٹا جائے۔ یا لاٹھی یا کوڑے سے مارا جائے۔ مثلاً طمانچہ یا گھونسا لگائے، یا لاٹھی وغیرہ سے مارا جائے، علماء کی ایک جماعت کہتی ہے اس میں قصاص نہیں ہے، بلکہ اس میں تعزیر ہے، کیونکہ اس میں مساوات اور برابری ممکن نہیں ہے، لیکن خلفاء راشدین رض اور دوسرے صحابہ رض سے ماثور ہے کہ اس میں قصاص مشروع ہے، اور یہی امام احمدؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ اور سنت نبویؐ بھی یہی ہے۔ ابو فراس ؒ کہتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے خطبہ دیا، اس میں حدیث پیش کی۔ اس حدیث میں کہا۔

أَلَا إِنِّي وَاللّٰهِ مَا أُرْسِلُ عُمَّالِي إِلَيْكُمْ لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ وَلَا يَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ وَلٰكِنْ أُرْسِلُهُمْ إِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوكُمْ دِينَكُمْ وَسُنَّتَكُمْ فَمَنْ فُعِلَ بِهِ سِوَىٰ ذٰلِكَ فَلْيَرْفَعْهُ إِلَيَّ۔

آگاہ رہو قسم خدا کی میں اپنے عمال تمہارے پاس اسلئے نہیں بھیجا کرتا کہ وہ تمہیں ماریں نہ تمہارا مال لینے کو بھیجتا ہوں۔ بلکہ اس لئے بھیجتا ہوں کہ تم کو تمہارا دین اور سنتیں سکھائیں، پس جو اس کے سوا دوسرا کرے

فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِذًا لَاُقِصَّنَّہٗ میرے پاس لائے. قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان سے قصاص لوں گا.

اس پر حضرت عمرو بن العاص کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، امیرالمومنین! اگر کوئی امیر مسلمانوں کی نگرانی کر رہا ہے، اور وہ اپنی رعایا کو ادب سکھاتا ہے آپ اس سے بھی قصاص لیں گے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ہاں قسم خدا کی میں اس سے بھی قصاص لونگا۔ اور صرف میں ہی قصاص نہیں لیتا بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی قصاص لیتے تھے۔ خبردار تم مسلمانوں کو مت مارا کرو، ان کو ذلیل نہ کیا کرو، ان کے حقوق نہ روکا کرو، اس سے وہ لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ روایت مسند احمدؒ وغیرہ میں موجود ہے۔

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ والی، حاکم ناجائز مار مارا کریں، اگر مشروع مار ہو تو اجماع ہے اس میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ مشروع مار یا تو واجب ہو گی یا مستحب ہو گی، یا جائز ہو گی، اور ان تینوں میں قصاص نہیں ہے۔

تئیسویں[۲۳] فصل کے مضامین

عزت و آبرو کا قصاص بھی مشروع ہے۔ گالی دینا جرم ہے اس کا بھی قصاص ہے، اگر کوئی کسی کے باپ دادا یا قبیلے کو بُرا کہے تو جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے باپ دادا اور قبیلہ کو بُرا کہے، کیونکہ انہوں نے اس پر ظلم نہیں کیا۔

عزت و آبرو کا بھی قصاص مشروع ہے، اور وہ یہ کہ مثلاً کوئی شخص کسی پر لعنت بھیجے یا بددعا کرے، تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرے، اگر کوئی سچی گالی دیوے جس میں جھوٹ قطعاً نہیں ہے، تو یہ بھی گالی دے سکتا ہے، لیکن معاف کر دینا افضل و بہتر ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۔ (شوریٰ ع ۴)

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اسکا ثواب اللہ کے ذمّے ہے، بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور ہاں کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے۔ تو یہ لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِیِٔ مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ۔

آمنے سامنے بولنے والے پر وہی ہوگا لیکن شروع کرنے والے پر کچھ زیادہ ہوگا جبتک کہ اس نے مظلوم پر زیادتی نہیں کی۔

اور اسی کو انتصار بھی کہا جائے گا۔ اور گالی گلوچ ایسی کہ اس میں جھوٹ نہ ہو مثلاً یہ کہ جو برائیاں اس میں ہیں وہ ظاہر کرنی یا یہ کہ کتا، یا گدھا، وغیرہ کہنا تو اس میں قصاص ہے۔ لیکن اگر کسی نے افترا و بہتان لگایا تو جائز نہیں ہے کہ افترا و بہتان کے بدلہ میں افترا و بہتان لگائے۔ اگر کوئی کسی کو بلا استحقاق کافر یا فاسق کہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ

یہ بھی اسے کافر یا فاسق کہے، اگر کوئی کسی کے باپ دادا اور قبیلے یا اہل شہر پر لعنت بھیجے تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ جواب میں یہ بھی ایسا ہی کہے، کہ یہ تعدی اور زیادتی ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس پر کچھ نہیں کیا، بلکہ جو کچھ کیا ہے اس آدمی نے کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. (مائدہ ع ۲)	مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو، اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کی باعث نہ ہو کہ تم معاملات میں انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

اس آیت میں خدا نے حکم دیا ہے کہ کفار سے بغض و عناد کی وجہ سے اعتدا اور زیادتی نہ کیا کرو، صاف صاف کہہ دیا:-

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ع ۲)	ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

پس عزت و آبرو کے بارے میں بھی عدوان اور زیادتی حرام ہے، حالانکہ اس کا حق ہے پس اگر ایذار اور تکلیف ایسی پہنچائے جس میں قصاص و بدلہ لیا جاسکتا ہے، مثلاً کسی نے کسی پر بددعا کی تو مظلوم بلا عدوان اور زیادتی کے بددعا کر سکتا ہے، لیکن اگر حق اللہ اس کے متعلق ہوتا ہے مثلاً جھوٹ بولا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ یہ بھی جھوٹ بولے۔

اسی طرح اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ کسی نے کسی کو جلا کر مار ڈالا، یا غرق کر دیا، یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، یا اس کے مثل کسی اور طریقے سے قتل کر دیا تو اس کے لئے وہی کیا جائے جو اس نے کیا ہے، لیکن ملحوظ رہے کہ وہ سزا فی نفسہ حرام نہ ہو، مثلاً شراب پلائی تو اس کے بدلہ اور قصاص میں شراب پلائی جائے۔ یا لواطت کی تو اس کے ساتھ لواطت کی جائے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں جلا کر مار دینے، یا غرق کر دینے، یا گلا گھونٹ کر مار دینے کی عقوبت و سزا، قود بالسیف ہے یعنی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے لیکن ہم پہلے کہہ چکے ہیں وہی کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے زیادہ مشابہ ہے۔

چوبیسویں فصل کے مضامین

افترا میں قصاص نہیں ہے، اس میں عقوبت وسزا ہے، حد قذف بھی انہیں میں ہے، جبکہ مقذوف محصن، مسلم، حر اور عفیف ہو، جو شخص فسق و فجور میں مشہور ہو اس کے قاذف پر حد نہیں لگے گی۔

افترا، وبہتان وغیرہ میں قصاص نہیں ہے، بلکہ عقوبت وسزا ہے اسی افترا، وبہتان میں حد قذف بھی ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسی کوڑے مارو اور آیندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ خود بدکار ہیں مگر جنہوں نے ایسا کئے پیچھے توبہ کی اور اپنی حالت درست کرلی تو اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

(نور ع ۱)

جب کسی حر محصن پر زنا یا لواطت کی تہمت لگائی جائے تو اس پر حد قذف جاری کرنا واجب ہے، اور یہ حد اسی کوڑے ہیں، اگر اس کے علاوہ کسی دوسری بات کی تہمت لگائی تو اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی۔

اس حد کا حق مقذوف کو پہنچتا ہے، اور اس لئے حد اسی وقت جاری ہوگی جبکہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اگر مقذوف معاف کردیوے تو حد ساقط ہو جائے گی جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ تر حق آدمی کا ہے۔ جیسا کہ قصاص مال وغیرہ آدمی کا حق ہے بعض کہتے ہیں نہیں حد ساقط نہیں ہوگی کیوں کہ اس میں اللہ تعالےٰ کا بھی حق ہے، اور جس طرح دوسری حدود معاف نہیں ہوسکتیں یہ بھی معاف نہیں

ہوگی۔

حد قذف اس وقت جاری ہوگی جبکہ مقذوف محصن ہو، اور مسلم، حر، آزاد، عفیف و پاک ہو۔

جو شخص فسق و فجور کے معاملہ میں مجروح اور بدنام ہو، اس پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہوگی۔ اسی طرح کافر اور غلام پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہوگی، البتہ ان پر تعزیر ہوگی۔

شوہر کے لیے جائز ہے کہ اپنی بی بی پر تہمت لگائے جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہو اور زنا سے حاملہ نہیں ہوئی ہے، اگر زنا سے حاملہ ہوگئی ہے، اور بچہ پیدا ہوگیا ہے، تو شوہر پر فرض ہے کہ اسے متہم کرے، اور بچہ کا انکار کردیوے کہ اس کا نہیں ہے، تاکہ جو اس کا نہیں ہے وہ اس کی طرف منسوب نہ ہو۔

جب شوہر نے بی بی پر قذف اور تہمت لگائی تو بی بی یا تو زنا کا اقرار کرلیوے یا ملاعنت کرے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کے اندر، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت میں ذکر کیا ہے۔

اگر قاذف یعنی تہمت لگانے والا غلام ہے تو اس پر نصف حد جاری ہوگی، اور یہی حکم زنا اور شراب نوشی میں بھی ہے، کہ نصف سزا اسے ہوگی، چنانچہ غلام اور باندی وغیرہ کے متعلق خدا کا ارشاد ہے:۔

فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ (نساء ع ۴)

پھر اگر قید نکاح میں آئے پیچھے کوئی بے حیائی کا کام کریں تو جو سزا بی بی کی ہے اس کی آدھی لونڈی کی۔

لیکن جس حد میں قتل واجب ہے یا ہاتھ کاٹنا واجب ہے تو سزا النصف نہیں ہوگی بلکہ پوری پوری عقوبت و سزا ہوگی۔

پچیسویں فصل کے مضامین

حقوق ابضاع: زن وشوہر کے تعلقات اور حقوق مہر، نفقہ اور معاشرہ کے حقوق۔

میاں بی بی کے باہمی تعلقات اور حقوق: میاں اور بی بی دونوں پر واجب ہے کہ حکم خداوندی پر عمل کریں، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (بقرہ ع ۲۹) — دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا۔

میاں اور بی بی دونوں پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق بطیب خاطر اور انشراح صدر کے ساتھ پورے کریں۔ بی بی کا شوہر کے مال میں حق ہے، اور وہ مہر اور نفقہ ہے: جسم پر حق ہے وہ عورت سے صحیح معاشرت رکھے اور اس سے استفادہ کرے۔ اور اس لئے اگر اس نے ایلاء کیا اور نہ ملنے کی قسم کھائی تو عورت تفریق کی حقدار ہے، سب مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اگر شوہر مجبوب اور عنین ہے، جماع اور ہمبستری نہیں کر سکتا کہ اس پر جماع کرنا واجب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اگر اس کا باعث طبعی ہے تو واجب نہیں ہے۔ لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ جماع وہمبستری واجب ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول اور اصول شریعت دلالت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا وہ روزے بہت رکھتے ہیں اور نماز میں اکثر وقت گذارتے ہیں تو آپ نے فرمایا:۔

إِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا — تمہاری بی بی کا بھی تم پر حق ہے۔

پس جماع وہمبستری واجب ہے۔ پس کتنے عرصہ میں جماع کرنا چاہئے اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں چار ماہ میں ایک مرتبہ جماع واجب ہے، بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ اس کی طاقت اور بی بی کی حاجت کے مطابق واجب ہے۔ جس طرح کہ نان و نفقہ واجب ہے، اور یہی مناسب فیصلہ ہے۔ اور بی بی پر شوہر کا حق ہے جب چاہے

بی بی سے فائدہ اٹھائے، لیکن شرط یہ ہے کہ بی بی کو نقصان نہ پہنچے، یا کسی واجب حق سے قاصر نہ ہو جائے، بی بی پر واجب ہے کہ شوہر کو قدرت دیوے۔ اس کے گھر سے اس کی اجازت یا شارع کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

گھر کی خدمت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً فرش بچھا دینا، جھاڑو وغیرہ لگا دینی، روٹی وغیرہ پکا دینا وغیرہ، تو بعض علماء کہتے ہیں، یہ بی بی پر واجب ہے، بعض واجب نہیں کہتے، بعض کہتے ہیں درمیانی خدمات واجب ہیں۔

چھبیسویں فصل کے مضامین

اموال کا فیصلہ عدل وانصاف سے کیا جائے، معاملات میں عدل وانصاف ہی دنیا کے امن وچین کا کفیل ہے، دنیا اور آخرت اسی سے درست ہوتی ہے۔

اموال کا فیصلہ عدل وانصاف سے کیا جائے، جیسا خدا اور رسول کا حکم ہے، مثلاً ترکہ، وارثوں پر کتاب وسنت کے مطابق تقسیم کیا جائے گو اس کے بعض مسائل میں تنازع ہے، اسی طرح معاملات میں مبایعات، اجارات، وکالات، مشارکات، ہبات اوقاف وصایا وغیرہ میں عدل وانصاف واجب ہے۔ اور ان معاملات میں جن میں عقود اور قبضہ شرط ہے، عدل وانصاف واجب ہے۔ اس لئے کہ عدل وانصاف ہی سے دنیا وجہان کا قوام ہے۔ اس کے بغیر دنیا وآخرت درست ہی نہیں ہوسکتی۔ ان چیزوں میں عدل وانصاف ہر عقل مند سمجھتا ہے، اور مثلاً خریدار پر واجب ہے کہ وہ چیز کی قیمت فوراً ادا کر دیوے اور بیچنے والے پر واجب ہے کہ مبیع خریدار کے حوالہ کر دیوے، اور مثلاً ناپ وتول میں کمی بیشی کرنا قطعاً حرام ہے، سچ بولنا سچا بیان دینا واجب ہے، کذب وجھوٹ اور خیانت، فریب ودھوکہ حرام ہے۔ قرض ادا کرنا، جس سے قرض لیا اس کا شکر اور تعریف کرنی واجب ہے۔ عام معاملات جن کی کتاب وسنت نے ممانعت کی ہے وہ ہیں جن میں عدل وانصاف نہیں ہوسکتا، اور چھوٹا بڑا کہ زیادہ ظلم ہوتا ہو، مثلاً باطل کے ذریعہ مال لینا۔ جیسے ربا وسود، جوا کھیلنا، ربا کی تمام صورتیں جوئے کی تمام اقسام جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، حرام ہیں۔ مثلاً بیع غرر دھوکہ سے بیچنا، بیع الطیر پرندہ اڑ رہا ہو اس کو بیچنا، مچھلی پانی کے اندر ہو اسے بیچنا، میعاد مقرر نہ کرنا اور بیچنا، بیع المصراط، بیع الملامسہ، بیع منابذہ، بیع مزابنہ، بیع محاقلہ، اور خراب اشیاء کا بیچنا، پھلوں میں صلاحیت پیدا نہ ہوان کو بیچنا، ناجائز فاسد شرکت کرنی، اور وہ تمام معاملات جن سے مسلمانوں کے اندر نزاع ممکن ہے اور جن میں کچھ نہ کچھ خرابی ہو، یا شبہ ہو، یا وہ عقد جو کچھ لوگ صحیح اور عدل سمجھتے ہوں۔ اور کچھ لوگ ظلم

وجور سمجھتے ہوں۔ ان کا فاسد ہونا واجب وضروری ہے، ان سے بچنا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

(نساء ع ۸)

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو کہ یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اور اس بارے میں اصل اصول اور ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ معاملات وہی حرام ہیں جن کو کتاب وسنت نے حرام قرار دیا ہو، اور عبادات وہی مشروع ہیں جس کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہو، جن لوگوں کی خدا نے مذمت کی ہے وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے وہ چیزیں اپنے اوپر حرام کرلی تھیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں، اور ایسی چیزیں جائز کرلی تھیں جن کے جواز پر کوئی شرعی دلیل نہیں تھی، اللھم وفقنا لان نجعل الحلال ما حللته، والحرام ما حرمته، والدین ما شرعته۔

ستائیسویں فصل کے مضامین

امیر، ولی الامر، حاکم کے لئے مشورہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، اور جو لوگ مشورہ لیتے ہیں ان کی خدا نے تعریف کی ہے، وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○

ولی الامر کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشورہ لیا کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا ہے:۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ○

(آل عمران ع ۱۷)

تم ان کے قصور معاف کرو، اور خدا سے بھی ان کے گناہوں کی معافی مانگو، اور معاملات صلح و جنگ میں ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو، پھر مشورے کے بعد تمہارے دل میں ایک بات ٹھن جائے تو بھروسا خدا ہی پر رکھنا، جو لوگ خدا پر بھروسا رکھتے ہیں خدا ان کو دوست رکھتا ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:۔

لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ مُشَاوَرَةً لِأَصْحَابِهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے صحابہؓ سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کی تالیف القلوب کی غرض سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس غرض سے کہ آپ کے بعد آپ کی اقتدا کی جائے، اور جس امر کے متعلق وحی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، مثلاً حرب و جنگ وغیرہ اور جزئی امور میں لوگوں کی رائے اور مشورہ لیا جائے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مشورہ لیا کرتے تھے تو غیر بدرجہ اولیٰ مشورہ کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے والوں کی تعریف

فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۚ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (شوریٰ ع ۴)

اور جو خدا کے ہاں ہے اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے، ان ہی لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں، اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو درگذر کرتے ہیں، اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ولی الامر جب مشورہ لیوے، اور کتاب اللہ کتاب الرسول اور اجماع سے حکم اور فیصلہ معلوم ہو جائے تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کے خلاف کسی کی اتباع نہ کرے اگرچہ وہ دین و دنیا کا کتنا ہی بڑا امر اور معاملہ کیوں نہ ہو، غیر کی اتباع جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نساء ع ۸)

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی۔

اور اگر معاملہ ایسا ہے کہ اس میں مسلمانوں میں باہم تنازع ہے تو ضروری ہے کہ لوگوں سے رائے اور مشورہ طلب کرے جو رائے جو مشورہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول کے قریب اور مشابہ ہو اس پر عمل کرے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (نساء ع ۸)

پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اولی الامر کی دو قسمیں ہیں، ایک امراء، دوسرے علماء، یہ لوگ جب صالح اور نیک ہوں گے تو عوام بھی صالح اور نیک بن جائیں گے، ان ہر دو فریق کا فرض ہے کہ ہر قول و فعل کی جانچ کرے، جب کتاب اللہ اور کتاب الرسول کا حکم واضح ہو جائے تو اس پر عمل واجب ہوگا، مشکل اور دشوار معاملہ کی اچھی طرح جانچ کرے، اطاعت خدا اور اطاعت رسول، کس طریقہ سے ممکن ہے، کتاب و سنت کس چیز پر دلالت کرتی ہے، خوب جانچ لیویں، اور جانچ کے بعد فیصلہ کریں، اگر تنگی وقت یا طالب کی کوتاہی، یا دلائل باہم متعارض ہیں یا کسی اور وجہ سے فوری فیصلہ ممکن نہیں ہے، تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کی تقلید کرے جس کا علم و دین مسلم ہے، اور یہی قوی ترین قول ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے، تقلید جائز نہیں ہے اور تینوں قول مذہب امام احمد وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور جو شرط قضاۃ اور والیان امر کے متعلق ہے اس پر حسب امکان عمل کیا جائے، بلکہ ہر قسم کی عبادتیں نماز، جہاد وغیرہ میں یہی حکم ہے، قدرت و طاقت کے مطابق عمل و فعل واجب ہے، جب قدرت نہ ہو، عاجزی اور مجبوری ہے تو اللہ تعالےٰ کسی کو طاقت و قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی کلیہ کے مطابق طہارت و پاکی کا معاملہ ہے، پانی سے پاکی حاصل کرے، اگر پانی معدوم ہو یا اس کے استعمال سے ضرر متصور ہو، مثلاً سخت ترین سردی ہے، یا پانی کے استعمال سے زخم بڑھ رہا ہے تو تیمم کر لیجیے، اور اسی بناء پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمران بن حصین رضؓ سے فرمایا تھا:۔

صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ۔

نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرو، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر، اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں تو لیٹے لیٹے پڑھا کرو۔

غرض! یہ کہ خدا نے نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم فرمایا جس طرح اور جس حال میں ممکن ہو جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۝ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۳۱)

مسلمانو! تمام نمازوں کی عموماً اور بیچ کی نماز کی خصوصاً محافظت کرو، اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو، اور پھر اگر تم کو دشمن کا ڈر ہو تو پیدل یا سوار جس حالت میں جیسے بن پڑے نماز ادا کر لو، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پھر جس طرح

اللہ نے تم کو سکھایا ہے کہ تم پہلے نہیں جانتے
تھے، اسی طریقے سے اللہ کو یاد کرو،

نماز اللہ تعالے نے امن، خائف، صحیح وتندرست، مریض، غنی فقیر، مقیم ومسافر، تمام پر فرض کردی جیساکہ کتاب اللہ، کتاب الرسول میں وارد ہے، اسی طرح نماز کے لئے طہارت، ستر پوشی، استقبال قبلہ بھی فرض کردیا، اور جو اس سے قاصر ہو اس سے ساقط کردیا، اگر کسی کی کشتی ٹوٹ گئی اور ڈاکوؤں اور چوروں نے انہیں لوٹ لیا، کپڑے وغیرہ اتروالئے، تو اس وقت ننگے حسب حال نماز ادا کریں، اور جو امام ہو وہ درمیان میں کھڑا رہے، تاکہ ستر کوئی نہ دیکھ پائے، اگر قبلہ ان پر مشتبہ ہوجائے تو حسب طاقت کوشش کریں، اور کوشش کے بعد نماز ادا کرلیں، اگر کسی جانب ترجیح کی دلیل نہیں ہے تو جس طرح جس جہت امکان ہو نماز ادا کریں، جیساکہ عہد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں نماز گذاری گئی تھی۔

یہی حال جہاد و ولایات اور تمام دینی امور کا ہے، اور ان امور کے متعلق قرآن حکیم کا یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (تغابن ع ۲)

تو مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔

جب میں کسی چیز کا تمہیں حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو۔

جیسے اللہ تعالے نے خبیث اشیاء کے کھانے پینے کو حرام قرار دیا، تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ:۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (بقرہ ع ۲۱)

تو جو بھوک سے بے قرار ہو جائے اور عدول حکمی کرنے والا، اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کسی چیز کے کھالینے کا بھی گناہ نہیں ہے۔

اور فرمادیا:۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (حج ع ۱۰)

دین کے بارے میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں ہے۔

اور فرما دیا:-

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ ۔ (مائدہ ع ۲)

اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے وہی فرض فرمایا جو انسانی طاقت میں ہو، اور جو طاقت و قدرت سے خارج ہے واجب نہیں ہے۔ حالت اضطراری میں ضرورت کے وقت جس کے بغیر چارہ نہیں ہے حرام نہیں کیا، اضطرار کی حالت میں بندے نے حرام چیز پر بلا معصیت عمل کر لیا تو جائز ہے، کوئی گناہ نہیں ہے۔

اٹھائیسویں فصل کے مضامین

ولایت امر، امارت و حکومت دین کا عظیم الشان رکن، اور اہم ترین واجبات سے ہے، بلکہ دین کا قیام و بقاء اسی سے وابستہ ہے، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ۔ (ابوداؤد)

جاننا چاہیئے کہ ولایت امر اور امارت ملیہ دین کے اہم ترین اور عظیم ترین واجبات میں سے ہے، بلکہ دین کا قیام و بقاء اسی سے وابستہ ہے، کیونکہ بنی آدم کی اجتماعی مصلحتیں اجتماع کے بغیر ناممکن ہیں، بعض بعض کی ضروریات اور حاجتیں اجتماع کے بغیر ممکن ہی نہیں ہیں، اور جب اجتماع واجب و لازم ہے اجتماع کے لئے امیر و سردار کا ہونا بھی واجب اور ضروری ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ۔ — جب تم تین آدمی سفر میں نکلو تو ایک کو ان میں سے اپنا امیر بنالو۔

(رواہ ابوداؤد من حدیث ابی سعید و ابی ہریرہ)

اور امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا یَحِلُّ لِثَلَاثَۃٍ یَکُوْنُوْنَ بِفَلَاۃٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا عَلَیْھِمْ اَحَدَھُمْ۔ (رواہ امام احمد فی مسندہ) — تین آدمی صحرا میں سفر کریں تو ضروری ہے کہ ایک کو ان میں سے اپنا امیر بنالیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قلیل سے قلیل اجتماع میں جو بالکل عارضی اور بحالت سفر ہو واجب اور ضروری قرار دیا کہ ایک کو ان میں سے اپنا امیر بنالیویں، اور امیر بنا لینا واجب قرار دیا۔ اور یہ اس لئے کہ دیگر ہر قسم کے اجتماعات کے لئے تاکید و تنبیہ ہو جائے کہ جب سفر میں تین آدمی مجتمع ہو جائیں تو ایک کو اپنا امیر بنا لینا واجب ہے تو پھر دوسرے اجتماعات میں بدرجۂ اولیٰ یہ حکم نافذ ہوگا۔ اور اس لئے نافذ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے امر بالمعروف

ونہی عن المنکر کو واجب گردانا ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قوت امارت کے بغیر ناممکن ہے، اسی طرح تمام فرائض و واجبات مثلاً جہاد، قیام عدل وانصاف، اقامت حج، اقامت جمعہ وعیدین، نصرت مظلوم، اقامت حدود بغیر قوت، بغیر امارت ناممکن ہے، اور اسی لئے روایت کی گئی ہے :-

اِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ سلطان زمین پر خدا کا سایہ ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ برس جابر وظالم سلطان کا ہونا زیادہ مناسب اور اصلح ہے۔ ایک رات بغیر سلطان کے گذارنے سے، اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ بلا سلطان گذارنے سے ظالم بادشاہ، جابر سلطان کا وجود زیادہ مناسب ہے[1]، اور اسی بنا پر سلف صالح کہا کرتے تھے، مثلاً فضیل بن عیاض رح اور امام احمد بن حنبل رح وغیرہ۔

لَوْ كَانَ لَنَا دَعْوَةٌ مُّجَابَةٌ لَدَعَوْنَا بِهَا لِلسُّلْطَانِ۔ اگر ہماری دعا قبول و مستجاب ہوتی تو ہم سلطان کے لئے دعا کرتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا تین چیزوں سے اللہ تعالےٰ تم سے بہت خوش ہے۔ ایک[2] یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اسکا شریک نہ کرو اور دوسری یہ کہ

---

[1] بلا سلطان، بغیر امیر وحاکم کے رعایا کسی طرح زندگی نہیں گذار سکتی، ایک دوسرے کو کھا جائے گا، تباہ وبرباد کر دے گا۔ کیونکہ ان کو ظلم وجور، عدوان وزیادتی کرنے سے کوئی روکنے والا نہیں ہوگا، ارباب نفس وہوی بلا خوف وخطر ایک دوسرے پر مظالم توڑیں گے، ایک دوسرے کا مال لوٹیں گے، اور پھر ان لوٹنے والوں میں باہم ہڑبونگ مچ جائے گی، آپس میں لڑمریں گے، خود بھی خراب ہوں گے، دوسروں کو خراب کریں گے، اسی لئے سلطان کا ہونا ضروری ہے اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، اور اسی لئے کہا گیا ہے ساٹھ برس ظالم و جابر سلطان سلطنت کرے ایک رات بغیر سلطان، اور سلطنت کے گذارنے سے بہتر ہے۔

وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ وَاَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

حبل اللہ کو سب مل کر مضبوط تھامے رہو فرقے فرقے مت بن جاؤ، تیسری یہ کہ جس شخص کو خدا نے تمہارا والی بنایا اس کو نصیحت کیا کرو۔

اور فرمایا:۔

ثَلَاثٌ لَّا يُغَلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ۔ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْاَمْرِ وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَرَائِهِمْ۔ (رواہ اہل السنن)

تین چیزوں میں مسلمان کا قلب غلول نہیں کر سکتا، اللہ کے لئے اخلاص عمل میں، والیان امر والیان ملک کو نصیحت کرنے میں، اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے میں، کیونکہ ان لوگوں کی دعوت ودعا پیچھے سے گھیر لیتی ہے۔

صحیح بخاری کے اندر ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ، اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ۔ اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ۔ (رواہ البخاری)

دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے۔

صحابہ رض نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نصیحت کس کو کی جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے لئے، اور اس کی کتاب کے لئے، اور اس کے رسول کے لئے ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کو۔

پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ دین اور تقرب الی اللہ کو مدنظر رکھ کر امارت اسلامیہ بنائیں، اور اس سے تقرب خداوندی حاصل کریں کیونکہ اللہ تعالے کی طاعت اور اس کے رسول ص کی طاعت افضل ترین عبادت ہے۔ امارت قائم کرنا، امارت کو مضبوط بنانا بہی زبردست عبادت ہے، لیکن اس میں فساد وخرابی بھی پیدا ہو جاتی ہے، اکثر لوگ اس امارت اور ریاست کے ذریعہ مال ودولت کی خواہش رکھتے ہیں، اور اس کو ذریعۂ دنیا بنا لیتے ہیں، جس سے اپنا دین، اپنی آخرت دونوں برباد کر لیتے

ہیں، اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت کعب بن مالکؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ أَوِ الشَّرَفِ لِدِينِهِ۔ (قال الترمذی حدیث حسن صحیح)

دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں بھیجے گئے ہیں جو بکریوں کو خراب کر رہے ہیں، ایک آدمی کی حرص مال و دولت کے لئے، دوسری دین کے بارے میں شرف و بزرگی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آگاہ اور خبردار کر دیا کہ حرص علی المال، اور حرص ریاست دونوں چیزیں ایسی ہیں جو دین کو برباد کر دیتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ اکثر فساد اور خرابی انہی دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہی دو بھوکے بھیڑیئے انسانی ریوڑ کو تاراج و برباد کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالے نے ایسے شخص کے بارے میں خبر دی ہے، جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور وہ بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیکھ کر کہے گا۔

مَآ أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۜ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ۝ (الحاقۃ ع ۲)

میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، مجھ سے میری بادشاہت چھن گئی۔

ریاست و امارت اور سرداری کے طالب کی انتہا فرعون جیسی ہوتی ہے، اور مال جمع کرنے والے کی حالت قارون کی سی ہوتی ہے، خدا نے قرآن حکیم میں فرعون اور قارون کا حال بیان کیا ہے، فرماتا ہے:-

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ۔ (مومن ع ۳)

اور کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا وہ لوگ قیابل ہوتے کے اعتبار سے اور کیا ان نشانوں کے اعتبار سے جو زمین پر چھوڑ گئے ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے تو خدا نے ان کو انکے گناہوں کی سزا میں دھر پکڑا اور انکو خدا سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔

اور خدا کا ارشاد ہے:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (قصص ع ۹)

یہ آخرت کا گھر ہے جس کو ہم نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی نہیں کرنی چاہتے اور نہ فساد اور انجام پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

کیونکہ لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ لوگ جو علو و سربلندی، سرداری کے طالب اور خواہاں ہیں، اور زمین خداوندی پر فساد پھیلاتے ہیں۔ اپنی سربلندی و سرداری کے لئے ہر مکر و فریب کو جائز کر لیتے ہیں، یہ سخت ترین معصیت اور بہت بڑا گناہ ہے، ایسے سلاطین، شاہان ملک، رؤسا، مفسدین، فرعون اور فرعون کی ذریت، فرعون کے گروہ میں سے ہیں، اور مخلوق خدا میں شریر ترین لوگ یہی ہیں۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے:۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ (قصص ع ۱)

فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا، اور اس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ قرار دے رکھے تھے، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور سمجھ رکھا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کروا دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فسادیوں میں سے تھا۔

صحیح مسلم کے اندر حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ۔ (مسلم)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے قلب میں ذرہ برابر کبر و غرور ہوگا اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائیگا جس کے قلب میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ مجھے بہت پسند ہے کہ میرا کپڑا، میرا جوتا اچھا دیکھے

تو کیا یہ بھی کبر و غرور ہے؟ آپ نے فرمایا:۔

لَا إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ:

نہیں یہ کبر و غرور نہیں ہے، بلکہ اللہ تع[الیٰ] جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے، کبر و غرو[ر] یہ ہے کہ حق کو ٹھکرایا جائے، اور لوگوں کو حقیر [و] ذلیل سمجھا جائے۔

یہ حال ان لوگوں کا ہے جو علو و سربلندی، سرداری و برتری کے خواہاں ہیں، اور فساد فی الارض چاہتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ ہیں جو فساد فی الارض چاہتے ہیں۔ علو، سربلندی، اور سرداری سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہے، جیسے چور، ڈاکو، راہزن، اور اس قسم کے جرائم پیشہ مفسد اور کمینے لوگ ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علو و سربلندی چاہتے ہیں فساد فی الارض نہیں چاہتے اور یہ دین والوں کا طبقہ ہے، جن کے پاس دین ہے، اور دین کے ذریعہ لوگوں پر علو و سربلندی کے خواہاں ہیں۔

چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں جو درحقیقت اہل جنت ہیں، خدا ترس، خدا پرست ہیں، جو نہ علو و سربلندی کے خواہاں ہیں، نہ فساد فی الارض کے خواہشمند ہیں، اور پھر بھی یہی لوگ اعلیٰ اور سربلند ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

(آل عمران ع ۱۴)

اور ہمت نہ ہارو اور آزردہ خاطر نہ ہو اور اگر تم سچے مسلمان ہو تو آخر کار تمہارا ہی بول بالا ہوگا۔

اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

(محمد ع ۴)

تو مسلمانو! بودے نہ بنو، اور خود پیام دے کر دشمنوں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ، اور جانے رہو کہ آخر کار تم ہی غالب رہوگے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور تمہارے اعمال کے ثواب میں کسی طرح کی کمی نہیں کرے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (منافقون ع ۱)

عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے ۔

پس بہت سے علو و سربلندی کے طالب ایسے ہیں جو سب سے زیادہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں، اسفل السافلین میں گرے ہوئے رہتے ہیں، اور کتنے ہیں جو علو و سربلندی اور فساد فی الارض سے گریز کرتے ہیں، پھر بھی وہ علو و سربلندی کے مناروں پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ مخلوق خدا پر علو و سربلندی کی نیت مخلوق پر سخت ترین ظلم ہے، کیونکہ تمام انسان ایک ہی جنس ہیں ایک ہی نوع ہیں، اور ایک انسان یہ ارادہ اور نیت رکھتا ہے کہ اپنے ابناء جنس پر علو و سربلندی حاصل کرے، اور اسی کے مثل دوسرے ہیں وہ اس کے ماتحت رہیں یہ سخت ترین ظلم ہے، اور ایسے لوگوں سے بغض و عناد، حسد و کینہ لازمی ہے، اور جو عادل اور منصف ہوتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اپنے بھائیوں سے سربلند رہے، اور اپنے بھائی جو اسکے جیسے تھا ہیں وہ مقہور ذلیل و خوار ہو کر رہیں، غیر عادل انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ قاہر و غالب اور سربلند ہو کر رہے، ان کے پاس بھی دین عقل موجود ہے وہ دیکھتے ہیں کہ بعض کو بعض پر خدا نے فضیلت دی ہے، فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسان کا جسم ہے، اور اس جسم کی اصلاح بغیر سر کے ممکن نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ۔ (انعام ع ۲۰)

اور وہی ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا ہے، اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی ہے تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا۔ (زخرف ع ۳)

سو اس زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے درجوں کے اعتبار سے ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ان میں ایک کو ایک اپنا محکوم بنائے رہے ۔

شریعت اسلام نے یہ لازم اور ضروری گردانا کہ سلطنت، ریاست، اور مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ ہو، سلطنت و ریاست کا اصل مقصود یہی ہے، تقرب الٰہی حاصل کیا جائے خدا کا دین قائم اور مضبوط ہو۔ اور جب اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کی جائے گی، تو لازمی طور پر دین و دنیا کی اصلاح ہوگی، اور فلاح و بہبود نصیب ہوگی۔ اگر امیر و سلطان دین سے علیحدہ رہے گا تو لوگوں کے حالات خراب ہو جائیں گے۔

طاعت الٰہی اور اہل معصیت کا امتیاز نیت و ارادہ، اور عمل صالح سے ہوتا ہے، جیسا کہ صحیحین کے اندر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَاِنَّمَا یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاِلٰی اَعْمَالِکُمْ۔ (بخاری و مسلم)	اللہ تعالےٰ تمہاری صورتیں اور تمہارا مال نہیں دیکھا کرتا، بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

اکثر والیان ملک ولاۃ، امراء، رؤسا ایسے ہیں جن پر دنیا مسلط ہو چکی ہے۔ مال و شرافت، دولت و بزرگی سے دنیا ہی کے کام لیتے ہیں۔ حقیقت ایمان، اور کمال دین سے سراسر محروم ہیں۔ بعض ان میں ایسے ہیں جن پر دین غالب ہے، لیکن تکمیل جن امور سے ہوتی ہے ان سے سراسر ناواقف ہیں۔ اور اس لئے وہ ان امور کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی دین سے اعراض کئے بیٹھے ہیں، اور یہ اس لئے کہ سلطنت و ریاست ولایت و امارت کو وہ دین کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے یہ دین کے منافی ہے، دین ان کے نزدیک ذلت و خواری کا نام ہے، علو و سربلندی، عزت و بزرگی سے قطعاً محروم ہے۔

اور یہی حال ان دو مذہبوں کا ہوا، یہود اور نصاریٰ نے دیکھا کہ ان کا دین مکمل نہیں ہے۔ تکمیل دین سے اپنے کو عاجز پایا، اور اقامت دین، اقامت مذہب میں بلا اور مصائب دیکھے تو گھبرا گئے، اور طریقہ دین کمزور ہو گیا، دین کو ذلیل سمجھ کر چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس دین، اس مذہب سے نہ تو اپنی مصلحت پوری ہوتی ہے، نہ دوسروں کی اس لئے اصل دین کو ہی چھوڑ بیٹھے، یہ دو دین اور دو راستے تھے۔ ایک نے دیکھا کہ تکمیل دین کے لئے جس سلطنت اور حرب و جنگ اور مال و دولت کی ضرورت ہے، اور جس کی ان کو

احتیاج ہے ان کا دین اس ضرورت و احتیاج کو پورا نہیں کرتا۔ اس لئے وہ اصل دین ہی سے نفرت کرنے لگے اور دین کو چھوڑ بیٹھے۔

دوسرا گروہ سلطنت مال و دولت حرب و جنگ کا سامان اپنے دین اپنے مذہب میں پاتا ہے، لیکن اقامت دین ان کے مقصد سے خارج ہے، اس لئے یہ بھی دین و مذہب کو چھوڑ بیٹھے۔

یہ دو گروہ مَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ یہود اور ضَالِّينَ نصاریٰ ہیں یہود نے سلطنت و سیاست اور امارۃ سیاست کو چھوڑ دیا، اور نصاریٰ علیا ہیوں نے دین کو چھوڑ دیا۔

صراط مستقیم انہی لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنۡعَمَ اللَّهُ عَلَيۡهِمۡ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِينَ۔

اور یہ راہ ان لوگوں کی ہے جن پر اللہ کا خاص انعام ہوا ہے، جو انبیاء کرام، صدیقین، شہداء و صالحین ہیں۔

ہمارے رسول، ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ رہا۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء رضؓ اور صحابہ رضؓ کا بھی یہی طریقہ رہا۔ خلفاء رضؓ اور صحابہ رضؓ کے بعد ان کی راہ پر چلنے والوں کا بھی یہی طریقہ رہا۔

اَلسَّابِقُونَ الۡأَوَّلُونَ مِنَ الۡمُهَاجِرِينَ وَالۡأَنۡصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمۡ بِإِحۡسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوا عَنۡهُ وَأَعَدَّ لَهُمۡ جَنَّاتٍ تَجۡرِي مِنۡ تَحۡتِهَا الۡأَنۡهَارُ خَالِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ذَٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيمُ۔

(توبہ ع ۱۳)

اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام لانے میں سبقت کی سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور نیز وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص دل سے ایمان لائے خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش ہیں اور خدا نے ان کے لئے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

پس ہر مسلمان کا فرض علیہ ہے کہ حسب استطاعت کوشش کرے اور جو شخص

ولایت و حکومت پر مامور ہے اس سے وہ طاعت خدا، اور اقامت دین، اور مصالح مسلمین کی خدمات لیوے۔ اور ولایت و حکومت کو حتی الامکان مقصد وحید سمجھ کر اس کو مضبوط کرے، اور تا امکان محرمات سے بچے اور بچائے جس سے وہ عاجز اور قاصر ہے اس کا مؤاخذہ نہیں ہے۔ ابرار نیکوکار کو ولی امر بنانا امت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بڑی خیر و برکت ہے، بمقابلہ فجار و فساق کو ولی الامر بنانے کے، اور جو سلطنت و ریاست، امارت و سیاست، ولایت کے ذریعہ اقامت دین، جہاد فی سبیل اللہ سے عاجز و قاصر ہے وہ اسی قدر خدمات انجام دیوے جس پر وہ قادر ہو خلوص قلب سے نصیحت کرے، اور امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت اور خیر و بھلائی کی دعا کرے، اور جو خیر و بھلائی اس کے امکان میں ہے کرتا رہے، کیونکہ خدا اس چیز کو مکلف نہیں کرتا جس سے وہ عاجز و قاصر ہے، دین کا قیام کتاب اللہ سے ہے جو ہادی ہے، اور حدیث سے ہے جو ناصر و مددگار ہے۔ ان دو کو راہ نما، راہبر بنا کر رضائے الٰہی حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالے نے کا ارشاد ہے:۔

پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم، اور حدیث خیر الانام کو سب پر مقدم سمجھے اور اللہ تعالے ہی سے اعانت و امداد چاہے، اور خیر طلب کرتا رہے اور پھر دنیا تو اسی لئے ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی خدمت کرے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضؓ نے کہا ہے:۔

يَا ابْنَ آدَمَ أَنْتَ مُحْتَاجٌ إِلَى نَصِيبِكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَنْتَ إِلَى نَصِيبِكَ مِنَ الْآخِرَةِ أَحْوَجُ، فَإِنْ بَدَأْتَ بِنَصِيبِكَ مِنَ الْآخِرَةِ وَبِنَصِيبِكَ مِنَ الدُّنْيَا فَانْتَظِمْهُمَا انْتِظَامًا، وَإِنْ بَدَأْتَ بِنَصِيبِكَ مِنَ الدُّنْيَا فَاتَكَ نَصِيبُكَ مِنَ الْآخِرَةِ وَأَنْتَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى خَطَرٍ۔

اے آدم کے بیٹے تو اپنی دنیا، اور اپنی آخرت میں اپنے نصیبے کا محتاج ہے، اور آخرت کے نصیبے کا زیادہ محتاج ہے لہٰذا تو اپنی آخرت کے نصیبے سے شروع کر، اور دنیا کے نصیبے کا انتظام کرلے۔ اور اگر تو نے اپنی دنیا کے نصیبے سے شروع کیا تو آخرت کے نصیبے کو فوت کر دے گا اور دنیا تیرے لئے خطرہ بن جائے گی۔

اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو ترمذی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

مَنْ اَصْبَحَ وَالْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ هَمِّهٖ جَمَعَ اللّٰهُ لَهٗ شَمْلَهٗ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَّمَنْ اَصْبَحَ وَالدُّنْيَا اَكْبَرُ هَمِّهٖ فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهٗ وَجَعَلَ فَقْرَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ

جس نے اس حالت میں صبح کی کہ آخرت اس کا اہم مقصد ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے حالات کو درست کر دے، اور اس کے دل میں غنا پیدا کر دے گا، اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی، اور جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کا اہم مقصد دنیا ہے تو اللہ تعالےٰ اسکے سامان کو بکھیر دے گا، اور فقر اس کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا، اور دنیا تو اسی قدر اس کو ملے گی جو خدا نے اسکے حق میں لکھ رکھی ہے۔

اور اس کی اصل قرآن حکیم کے اندر ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں، ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں ہیں نہیں۔ اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہم کو کھلائیں پلائیں، اللہ تو خود بڑا روزی دینے والا قوت والا زبردست ہے۔

خاتمہ و دعاء

ہم بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں اور تمام مسلمانوں کو اس چیز کی توفیق بخشے۔ جسے وہ محبوب رکھتا ہے۔ اور جس سے وہ راضی ہے۔

فَإِنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

صراطِ مستقیم اُردو

از حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

یہ کتاب حضرت سید احمد شہید رح کے ان بیش بہا معارف۔ ارشادات، ہدایات کا ذخیرہ ہے جو مختلف اوقات اور متفرق مجالس میں آپ کے سینہ انور سے ظاہر ہوتے تھے۔ اور ان جواہرات کو آپ کے شاگرد رشید حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رح۔ نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ مدون فرمایا تھا۔

اصل کتاب فارسی میں تھی اب اللہ تعالےٰ کا شکر و احسان ہے کہ "کلام کمپنی" اپنے مخصوص روایتی حسن اہتمام کے ساتھ اس کتاب کا سلیس اُردو ترجمہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہے۔

کتابت وطباعت دیدہ زیب۔ کاغذ گلیز۔ قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش ۷/۵۰

شاہ عبد العزیزؒ اور ان کی تعلیمات

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح کے حالات زندگی علمی لطیفے، باطن سے متعلق چٹکلے۔ کشف، کرامات، معمولات، تعویذات اور عملیات کا حسین مجموعہ ہے۔ جس کے مطالعہ سے ایک مسلمان اپنی زندگی صحیح اسلامی سانچہ میں ڈھال سکتا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ دل میں نور اور عمل آخرت کی زندگی سنوارنے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوگا۔ عرصہ دراز کے بعد یہ جواہر پارہ "کلام کمپنی" کے زیر اہتمام بے شمار خوبیوں کے ساتھ ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

کتابت وطباعت عمدہ۔ کاغذ گلیز۔ قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش ۵/۹۰ روپے

کلام کمپنی ناشران و تاجران کتب، مقابل مولوی مسافر خانہ

کراچی ۱

منہاج العابدین اُردُو

تصنیف:۔ حضرت امام غزالی ؒ ترجمہ:۔ مولانا عابد الرحمٰن صدیقی۔

منہاج العابدین امام غزالی کی سب سے آخری تصنیف ہے جو آپ کی پوری زندگی کی تعلیمات وارشادات کا خلاصہ اور فن تصوف کا نچوڑ ہے، اور اسلامی تعلیم و تصوف میں امام صاحب کی بلیغ علمی معلومات کا مخزن ہے۔ اس بے نظیر کتاب کو حاملان شریعت و طریقت پیش نظر رکھتے ہیں اور نشان راہ سمجھتے ہیں۔

موجودہ دور میں اسلامی تصوف کی بگڑی ہوئی شکلیں معلوم کرنے اور صحیح خدوخال سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بہترین معلومات کا خزانہ ہے۔

اب اس کتاب کا بامحاورہ و سلیس اردو ترجمہ "کلام کمپنی" کے روایتی حسن اہتمام اور اعلیٰ معیار کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہے۔

کتابت عمدہ طباعت دلکش کاغذ گلیز۔ قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش ۱۰/۰۰

نور الصدور فی شرح القبور

تصنیف:۔ علامہ جلال الدین سیوطی ؒ۔ ترجمہ:۔ مولانا محمد عیسیٰؒ از اکابر خلفا حضرت تھانوی ؒ

معتبر احادیث اور صحیح روایات کی روشنی میں موت، قبر اور آخرت میں پیش آنے والے واقعات پر علامہ جلال الدین سیوطی ؒ کی معرکۃ الآرا کتاب شرح الصدور کا اُردو ترجمہ ہے جس کا مطالعہ اعمال کو پاکیزہ بنانے میں ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

آخر میں رسالہ المولد البرزخی۔ از حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانوی ؒ اور رسالہ تجہیز الاموات از حضرت مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی ؒ شامل ہیں۔

یہ بابرکت کتاب "کلام کمپنی" کے روایتی معیار حسن اہتمام اور مخصوص کمال کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ گلیز۔ قیمت:۔ مجلد مع رنگین گرد پوش ۶/۷۵

بُستان المحدثین اُردو

تصنیف :۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح

ترجمہ :۔ حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی رح

تزیین :۔ جناب مولانا سبحان محمود صاحب

دین کی بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے، ایک قرآن اور دوسرے سنت رسول ؐ۔ اس وجہ سے قرنِ اول سے لے کر آج تک علمار کرام ان ہی دو بنیادوں پر مسائل کی تعمیر کرنے میں اپنی تمام کوششیں صرف کرتے رہے ہیں۔

اس بے نظیر کتاب میں ایک سو سے زیادہ کتب احادیث و رجال کا تعارف اور ان کے مرتبین وشارحین حضرات کے حالات و علمی کاوشیں درج ہیں جنہوں نے خدمت دین کیلئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور پھر ان کی نشر و اشاعت میں محیرالعقول کارنامے انجام دیے۔

کتابت وطباعت عمدہ کاغذ گلیز مجلد مع رنگین گردپوش قیمت ۹/۲۴

بُستانُ العارفین اُردو

تصنیف :۔ امام ابوزکریا محی الدین بن شرف نووی رح

ترجمہ :۔ مولانا حامد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی۔

امام نووی رح کی کاوشوں کا بہترین اور جامع مجموعہ۔ جس میں تصوف و مسائل تصوف و اخلاق اور اعمال پر مشتمل خاص انداز میں نفیس لطائف اور علمی حقائق کے ساتھ معرفت امراضِ باطنہ اور ان کے معالجات سے قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ اولیائے کرام و مشائخ طریقت کے مناقب، واقعات و کرامات سے ذہن کو جلا اور روح کو تازگی بخشی گئی ہے،

اس بے نظیر کتاب کا بامحاورہ وسلیس اُردو ترجمہ "کلام کمپنی" کے روایتی حسن اہتمام اور اعلیٰ معیار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔

قیمت :۔ مجلد مع رنگین گردپوش ۵/۹۰

ہماری شہنشاہی

از محمد عطا اللہ خاں عطا

ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ اس کا جواب صرف تاریخ کے صفحات ہی دے سکتے ہیں۔
جو قوم اپنے اسلاف کے کارناموں کو یاد رکھتی ہے اُسے دنیا کے نیز و تند حوادث متزلزل نہیں کر سکتے۔ جب سے ہم نے اپنی تاریخ کو پس پشت ڈالا زمانہ نے بھی ہم کو پستی و زوال کے غار تک پہنچا دیا۔
اس کتاب کے اندر نہایت دل نشین انداز میں اپنے بزرگوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کو پیش کیا گیا ہے۔

کتابت و طباعت عمدہ۔ کاغذ گلیز۔ قیمت مجلد معہ رنگین گرد پوش ۵/۰۰ روپے

مجالس المؤمنین

از محمد عطا اللہ خاں عطا

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ انبیائے کرام اور صوفیائے عظام کی روحانی کیفیات کے حالات پڑھ کر ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔
اس کتاب میں انبیاء کرام، اولیاء اللہ اور حضرات صوفیائے عظام کے واقعات دلکش، مختصر مگر جامع انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

کتابت۔ طباعت دیدہ زیب کاغذ گلیز
قیمت مع رنگین گرد پوش ۵/۶۲ روپے

کلام کمپنی ناشران تاجران کتب تیرتھ داس روڈ مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ملا

خطبات الاحکام مترجم عربی مع اردو

از حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مع احکام الخطبہ از مفتی محمد شفیع صاحب

ہر مہینہ کے مناسب پورے سال کے جمعہ وعیدین وغیرہ کے خطبات قرآن وحدیث سے جمع کئے گئے ہیں۔ جو تمام ضروری مسائل پر حاوی ہیں۔ اردو داں حضرات کی آسانی کے لئے آخر میں تمام خطبات کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے، سب ہی ائمہ مساجد میں مقبول ہے یہ بابرکت کتاب "کلام کمپنی" کے مخصوص روایتی حسن اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ کاغذ گلیز۔ کتابت طباعت دیدہ زیب

قیمت بے جلد ۴/۲۱ روپے .. مجلد مع رنگین گرد پوش ۵/۳۴ روپے

اکرم المواعظ

از حضرت مولنا محمد ابراھیم صاحب

مبلغ اور واعظ حضرات کے لئے ایک بے نظیر تحفہ ہے۔ لیکن افسوس کہ اب تک جس قدر ایڈیشن شائع ہوئے اس کتاب کے شایان شان نہ تھے اس لئے "کلام کمپنی" نے یہ ایڈیشن اپنے خاص اہتمام سے عمدہ کتابت، دیدہ زیب طباعت اور اعلےٰ گلیز کاغذ پر شائع کیا ہے۔

قیمت بے جلد ۳/۰۰ روپے . مجلد مع رنگین گرد پوش ۳/۹۴ روپے

افضل المواعظ

از حضرت مولانا محمد ابراھیم صاحب دھلوی

یہ کتاب بھی اکرم المواعظ کی طرح مبلغ اور واعظ حضرات کے لئے شاندار پیشکش ہے

قیمت بے جلد ۳/۰۰ ـ قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش ۳/۹۴

کلام کمپنی ناشران وتاجران کتب۔ تیرتھ داس روڈ۔ مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

(الناشر)

کلام کمپنی ۔ ناشران و تاجرانِ کتب

تیرتھ داس روڈ، مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی ۱

امام ابن تیمیہ

کلام کمپنی کراچی

